گول مال
ایم اے راحت
PDFBOOKSFREE.PK
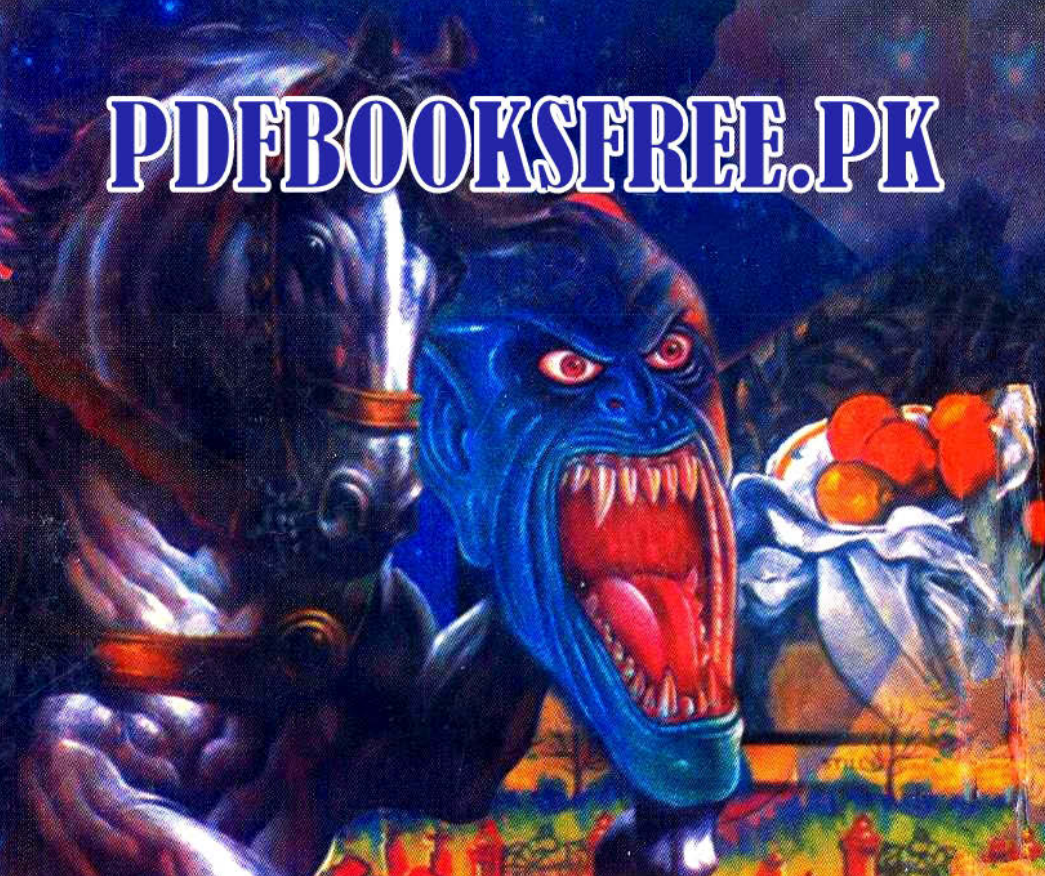
ایم۔ اے راحت

مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

2010ء
اہتمام ملک مقبول احمد
سرورق نوید ناصر
ناشر مقبول اکیڈمی
مطبع خورشید مقبول پریس
قیمت -/300 روپے

MAQBOOL ACADEMY
Chowk Urdu Bazar, Circular Road, Lahore.
Ph: 042-7324164, 7233165 Fax: 042-7238241

10-Dayal Singh Mansion, The Mall, Lahore.
Ph: 042-7357058 Fax: 042-7238241
Email: mqbool@brain.net.pk

نواب ہدایت پور کے انتقال کے بعد بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے جس فراست اور ہوشیاری سے نواب صاحب کی عزت سنبھالی تھی۔ وہ ضرب المثل تھی۔ جاننے والے جانتے تھے کہ بیگم جہاں آراء شاخ گل کی مانند تھیں۔ وہ چھوئی موئی کا درخت کہلاتی تھیں۔ چشم فلک نے بھی مشکل ہی ان کے پیکر کی زیارت کی ہوگی۔ ستر پردوں میں رہتی تھیں' خاندانی طور پر پردہ نشین تھیں' ان کے خاندان میں پردے کے بارے میں طرح طرح کی روایات مشہور تھیں۔ سنا یہ گیا تھا کہ بیگم جہاں آراء کی خالہ کی جب شادی ہوئی تو نواب صاحب کے دوستوں نے تعجب سے پوچھا' کیا بڑے نواب صاحب کی کوئی چھوٹی بیٹی بھی ہیں؟ اس پر پتا چلا کہ ہاں بیٹی ہیں۔ محل میں ہی پیدا ہوئیں' محل میں ہی پروان چڑھیں' اور اپنی سترہ سالہ زندگی میں پہلی بار محل سے باہر قدم نکال رہی ہیں۔

بیگم جہاں آراء ہدایت پور ایسے خاندان کی فرد تھیں۔ نواب آف ہدایت پور کے محل میں آنے کے بعد بھی انھوں نے پردہ نشینی کی روایات قائم رکھیں اور ایک طویل عرصے تک کوئی بھی انھیں نہ دیکھ سکا سوائے ان چند افراد کے' جو نواب آف ہدایت پور کے عزیز و اقارب تھے۔

گو دور بدل چکا تھا' لیکن نواب صاحب نے چہیتی بیگم کے طور طریقے اپنی مرضی کے مطابق بدلنے کی کوشش نہ کی اور انھیں اسی شکل میں رہنے دیا۔ پھر جب نواب ہدایت پور کا انتقال

ہوا تو اپنے جاننے والوں نے دل میں سوچا کہ اب مشکلات کا ایک طوفان کھڑا ہو جائے کیونکہ بیگم صاحبہ اس دنیا کی عورت نہیں تھیں جس میں سانس لے رہی تھیں۔ لیکن ان رشتہ داروں نے بھی دیکھ لیا کہ بیگم صاحبہ سفید چادر اوڑھے منظر عام پر آ ئیں اور انھوں نے نواب صاحب کے تمام کارندوں کو جمع کر کے نئی ہدایات جاری کیں' لوگ عش عش کرتے رہ گئے تھے' پردے سے برآمد ہونے والی یہ خاتون اس قدر عقلمند اور زیرک ہوں گی کسی نے سوچا بھی نہیں تھا۔

بیگم صاحبہ نے وقت کی ضرورت کو تسلیم کیا اور سمن آرا ہدایت پور کو بھی پردے سے بے نیاز کر دیا۔ محل کے طور طریقے بدل گئے اور تمام کارندے جو اس خیال سے مسرت سے پھولے نہیں سما رہے تھے کہ پردے کی بُو بُو بھلا انھیں ان کی من مانیوں سے کیسے روک سکیں گی' اپنا سا منہ لے کر رہ گئے' ان کے ارادوں پر اوس پڑ گئی تھی۔ ان کی تمام خوش فہمیاں رفع ہو گئی تھیں۔ پتا یہ چلا کہ بیگم صاحبہ نے کسی اسکول یا یونیورسٹی سے تو تعلیم نہیں حاصل کی تھی گھریلو طور پر انھیں دنیا کے تمام امور کی تعلیم دے دی گئی تھی اور یہ تعلیم اس وقت اس طرح کام آئی کہ کسی کو بھی دم مارنے کی مجال نہ ہوئی۔ یوں بدلتے ہوئے حالات پر بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے اس طرح قابو پالیا کہ صورت حال بالکل ہی مختلف ہو گئی۔

ریاستوں کا تو خیر اب کوئی وجود ہی نہیں تھا لیکن نواب ہدایت پور کے کاروباری معاملات اس قدر کشادہ تھے کہ ان کے لیے ایک شدید نگران کی ضرورت تھی' یوں تو ہر طرح کے ہر کارے' کارندے اور نمائندے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے لیکن بیگم صاحبہ خود بھی کاروباری دورے کرتی رہتی تھیں اور اپنے کاروباری امور کا بنظر غائر جائزہ لیتی رہتی تھیں۔ ان دنوں وہ اسی سلسلے میں یورپ کے مختلف ممالک کا دورہ کر رہی تھیں اور آجکل لندن میں مقیم تھیں۔

ہدایت پور کے معاملات سے انھیں بالکل تشویش نہیں تھی کیونکہ وہاں سارا حساب کتاب ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا اور ان کے اپنے وفادار آدمی کام کر رہے تھے۔ چنانچہ لندن کی حسین فضاؤں میں آجکل ان کا وقت گزر رہا تھا۔ چند ضروری کام باقی رہ گئے تھے۔ جن کا اختتام بالکل

قریب تھا۔

اس شام وہ ایک بھری پری سڑک سے گزر رہی تھیں کہ دفعتاً سیاہ رنگ کی ایک کار ان کے قریب آ کر رکی۔ کار اس طرح قریب آ کر رکی تھی کہ بیگم صاحبہ کو ٹھٹکنا پڑا۔ اس کا پچھلا دروازہ کھول کر ایک معمر شخص باہر نکلا۔ فرنچ کٹ داڑھی' انتہائی خوبصورت فریم کا چشمہ' بلند و بالا قد کا مالک' بالوں میں جگہ جگہ سفیدی' عمر کی غمازی کرتی ہوئی۔ وہ اتر کر سامنے آیا اور لکھنوی انداز میں انھوں نے بیگم صاحبہ کو سلام کیا۔

بیگم جہاں آراء ہدایت پور حیران کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔ پھر اس شخص نے کہا۔

''میرا خیال ہے آپ مجھے نہیں پہچانیں بھابی اپنے فرخ کو نہیں پہچانیں؟''

''فرخ؟'' بیگم صاحبہ نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''ہاں بھابھی آپ۔ آپ بالکل وہی ہیں لیکن فرخ بہت بدل گیا ہے۔ اور کیوں نہ بدل جاتا بائیس تیئیس سال کے بعد میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ یقین کیجیے اگر آپ بالکل ویسی نہ ہوتیں تو میں آپ کو کبھی نہیں پہچان سکتا تھا۔ لیکن عمر نے بس تھوڑا سا اضافہ کیا ہے آپ کی شکل و صورت میں۔ ورنہ آپ جوں کی توں ہیں۔''

''مگر محترم میں نہیں پہچان سکی آپ کو۔'' بیگم جہاں آراء نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

''بھابھی میرا نام فرخ لطیف ہے۔ شاید اگر آپ اپنے ذہن کو ماضی میں لے جائیں تو میں آپ کو یاد آ جاؤں۔ فرخ لطیف وہ جو جنوبی افریقہ سے آپ کے پاس پہنچا تھا اور نواب صاحب نے آپ سے کہا تھا کہ بیگم آپ نے ساری عمر پردہ کیا لیکن میرا ایک ایسا جگری دوست ہے جس سے اگر آپ پردہ نہیں کریں گی تو مجھے خوشی ہو گی۔ اور نواب صاحب کی خواہش پر آپ شرماتی لجاتی میرے سامنے آ گئی تھیں۔'' فرخ لطیف نے انتہائی مہذب اور شائستہ لہجے میں کہا۔

بیگم صاحبہ کے ذہن میں ماضی کی بجلیاں کوندا تھیں۔ ایک خوبصورت سا لمبے سے قد کا نوجوان' شریر آنکھوں والا' چہرے پر بچوں جیسی مسکراہٹ اور معصومیت' جسے دیکھ کر خود بخود اس پر

پیارا آجائے' نواب ہدایت پور نے اس نوجوان کو اپنے کمرۂ خاص میں بٹھا کر ان سے اندر آنے کی درخواست کی تھی اور یہی الفاظ کہے تھے جو اس وقت فرخ لطیف نے ادا کیے تھے۔ شوہر کا حکم تھا' شوہر کی خواہش تھی' وہ بھلا کیسے ٹال سکتی تھیں۔ چنانچہ نگاہیں جھکائے اس کے قریب آ گئی تھیں' لیکن یہ نگاہیں زیادہ دیر تک جھکی نہ رہ سکیں۔ فرخ لطیف کے شگفتہ جملوں اور پرتہذیب مذاق نے بیگم صاحبہ کو بے حد متاثر کیا تھا۔ دفعتاً ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ارے فرخ میاں' میں پہچان گئی آپ کو۔"

"خدا کا شکر ہے بھابھی' اگر پہچان گئی ہیں تو براہ کرم آئیے اور گاڑی میں تشریف رکھیے میرے گھر چلیے' کچھ دیر آپ کے ساتھ رہ کر دل کو مسرت نصیب ہوگی۔"

"مگر میری گاڑی؟"

"ڈرائیور سے کہیے کہ وہ میرے ساتھ ساتھ آجائے۔" فرخ لطیف نے کہا اور پھر جلدی سے بولا۔ "یا اس سے کہیے کہ واپس چلا جائے' میں آپ کو آپ کی قیام گاہ تک پہنچا دوں گا۔"

فرخ لطیف کی پیش کش بیگم جہاں آراء ہدایت پور نہ ٹھکرا سکیں' ویسے بھی بے حد پر اعتماد خاتون تھیں اور اب تو دنیا سے اس طرح ڈیل کرنے کی عادی ہو گئی تھیں کہ کسی قسم کا کوئی حجاب ہی نہیں رہا تھا۔ انھوں نے تھوڑے سے فاصلے پر کھڑے ہوئے ڈرائیور کو بلایا اور اسے ہدایت کی کہ وہ واپس چلا جائے۔ پھر وہ فرخ لطیف کی شاندار کار میں آ بیٹھیں اور فرخ لطیف کے ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

فرخ لطیف کی رہائش گاہ بہت زیادہ کشادہ اور عالی شان تو نہیں تھی' لیکن صاف ستھری اور خوبصورت تھی' اس نے اپنے خوبصورت ڈرائنگ روم میں بیگم جہاں آراء ہدایت پور کو بٹھاتے ہوئے کہا۔

"ابھی دو ماہ قبل مجھے اطلاع ملی تھی کہ میرے بھائی نواب ہدایت پور اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ بدنصیبی میری یہ ہے کہ میں آپ کے پاس تعزیت کو بھی نہیں پہنچ سکا' لیکن یقین فرمائیے

ذہن کے گوشوں میں یہ بات ضرور تھی کہ اب جب وطن جا رہا ہوں تو سب سے پہلے تعزیت کے لیے آپ کے پاس پہنچوں گا۔"

"کیوں؟ دو ماہ قبل کیوں' اس سے پہلے تمھیں ان کی موت کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا؟ اب تو اسے طویل عرصہ گزر چکا ہے تم کہاں تھے؟"

"جیل میں۔ فرخ لطیف نے گہری سانس لے کر کہا۔ اس کے چہرے پر غم واندوہ کے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ بیگم صاحبہ نے چونک کر اسے دیکھا اور تعجب سے بولیں۔

"جیل میں کیوں؟"

"لمبی کہانی ہے بھابھی۔ پہلے مجھے یہ بتائیے' میں آپ کی کیا خدمت کروں؟"

"کچھ نہیں۔ بس تمھیں اپنے دیور کے روپ میں دیکھا تھا انھوں نے تمھارے لیے ایسے الفاظ کہے تھے کہ اس لیے تم قابل احترام ہو میرے لیے' کسی تکلف کی ضرورت نہیں' تھوڑی دیر بیٹھوں گی مجھے بتاؤ کیا واقعات پیش آئے تھے تمھیں؟"

"بھابھی تھوڑی دیر نہیں میں آپ کو ایک دو دن اپنے ہاں سے نہیں جانے دوں گا۔"

"یہ ممکن نہیں ہے فرخ میاں۔ میری معذرت قبول کرو۔" بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے کہا۔ پھر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھ کر بولیں۔

"ویسے میرے پاس ابھی کافی وقت ہے۔ تم اگر چاہو تو رات کا کھانا میں تمھارے ساتھ کھا سکتی ہوں۔"

"مجھے بے حد مسرت ہوگی۔" فرخ لطیف نے بیل بجا کر ملازم سے کوئی مشروب لانے کے لیے کہا اور اسے رات کے کھانے کے بارے میں کچھ ہدایات بھی دے دیں۔ بیگم جہاں آراء ہدایت پور اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں پھر انھوں نے کہا۔

"تمھارے گھر میں کوئی اور نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے تم نے شادی وادی نہیں کی؟ اس وقت تک تو شاید تم نے نہیں کی تھی شادی۔"

"جی ہاں بھابھی' میں نے اس وقت شادی نہیں کی تھی' لیکن بعد میں کر لی تھی اور اس کے بعد۔" اس کے بعد فرخ لطیف کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

"ہاں ہاں بولو اس کے بعد کیا ہوا؟"

"کیا آپ میری کہانی سننا پسند کریں گی۔"

"کیوں نہیں بھئی کیوں نہیں؟ میری اپنی کہانی تو مختصر ہے۔ نواب صاحب داغ مفارقت دے گئے' اور میں نے پردہ چھوڑ دیا ہے۔ منظر عام پر آئی کیونکہ یہ میرے لیے بے حد ضروری تھا اپنی بچی کی پرورش کے لیے صحیح نگہداشت کے لیے میرا میدان میں آنا ناگزیر ہو گیا تھا' چنانچہ اب جو کچھ ہوں تمھارے سامنے ہوں اور تمھاری کہانی سننا چاہتی ہوں۔"

"تو سنیے بھابھی۔ یہ آپ سے ملاقات کے تقریباً تین یا چار سال کے بعد کی بات ہے اس دوران نواب صاحب سے میری خط و کتابت ہوتی رہتی تھی۔ ایک دو بار ان سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔ میرا یہ چھوٹا سا گھر اس وقت بھی انتہائی مختصر اور انتہائی محدود تھا' میں اس سلسلے میں زیادہ کروفر کا عادی نہیں ہوں۔ چھوٹا موٹا کاروبار چل رہا تھا کہ میری زندگی میں ایک بھونچال آ گیا۔ وطن سے کچھ ایسے ملازمین جو ہمارے لیے خاندانی حیثیت رکھتے تھے' میرے ساتھ آ گئے تھے یہاں مجھے ان کی ضرورت تھی' کیونکہ مقامی ملازمین میری اپنی عادات سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ ان میں ایک شخص مہتاب خاں تھا۔ مہتاب خان اپنی ایک بہن کے ساتھ یہاں میرے پاس آ گیا تھا۔ اس کا پورا خاندان وہیں وطن میں تھا۔ مہتاب خان کو اپنی یہ بہن بہت عزیز تھی' لڑکی کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہیں تھی' بے پناہ خوبصورت لڑکی تھی' وہ کسی بھی صورت میں مہتاب خان جیسے آدمی کی بہن نہیں معلوم ہوتی تھی' شگفتہ صورت' شگفتہ مزاج اور بھولی بھالی۔ بھابھی میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا' حالانکہ وہ میری ملازمہ تھی' میرے ایک ادنیٰ سے ملازم کی بہن۔ میں بھابھی آپ سے زیادہ کھلے الفاظ میں گفتگو نہیں کر سکوں گا بس یوں سمجھیے کہ نوشابہ میری زندگی میں داخل ہو گئی۔ میں مہتاب خان سے کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکا کیونکہ وہ ذرا غصہ ور طبیعت کا

مالک تھا' اور کچھ ایسی باتیں میں اس کی زبان سے سن چکا تھا جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بہت ہی باعزت اور خوددار قسم کا آدمی ہے' اگر میں نے اس کی بہن کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ یہی سمجھے گا کہ یہ دولت مند کی بوالہوسی ہے' اس سے زیادہ اس بات کو اہمیت نہیں دے گا لیکن نوشابہ کو چھوڑنا بھی میرے لیے ممکن نہیں تھا' چنانچہ ایک دن میں نے مہتاب خان کو کسی کام سے بھیجا اور چوری چھپے قاضی کو بلوا کر نوشابہ کے ساتھ نکاح پڑھوا لیا۔

ہم نے اپنی شادی کو پوشیدہ رکھا تھا' دراصل جرأت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ مہتاب خان کو اس بارے میں کچھ بتایا جائے نوشابہ میری بیوی بن چکی تھی لیکن ملازماؤں ہی کی طرح گھر میں رہتی تھی۔ مجھے اس بات کا بہت دکھ تھا' اور میں اس قسم کی ترکیبیں سوچ رہا تھا جن کے ذریعے مہتاب خان کو اصل صورت حال بتائی جائے ویسے بھی مہتاب خان خطرناک قسم کا آدمی تھا' گو میرے سلسلے میں تو وہ بہت ہی مخلص تھا۔ لیکن کئی بار میں اس کے جھگڑے دیکھ چکا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے انگریز غنڈوں کی اس بری طرح پٹائی کی تھی کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی پانچ آدمی تھے وہ' لیکن مہتاب خاں نے مار مار کر ان کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ بعد کے معاملات مجھے سنبھالنے پڑے تھے' بہرطور وہ انتہائی غصہ ور اور خطرناک قسم کا آدمی تھا' اس لیے بعض اوقات مجھے پریشانی ہو جاتی تھی۔ میں یہ جرأت نہیں کر سکا' کوئی ایسی ترکیب میری سمجھ میں نہ آ سکی جس کے ذریعے میں مہتاب خاں کو اپنے اس سلسلے کے بارے میں کچھ بتا سکتا۔ لیکن تقدیر نے ایک اور گل کھلایا۔ نوشابہ میرے بچے کی ماں بننے والی تھی' مہتاب خاں کو مجھ پر اور اپنی بہن پر اعتبار تھا' اس لیے اس نے کبھی غور بھی نہ کیا اس کی بہن کی کیا حالت ہے' ہاں جب نوشابہ نے بچے کو جنم دیا تو اس کے پیروں سے زمین نکل گئی' ساری رات وہ ایک جگہ ایک کونے میں سمٹا کھڑا رہا تھا۔

نوشابہ ماں بن گئی اور پھر مہتاب کا غضب جوش میں آ گیا۔ اس نے رائفل اٹھائی اور نوشابہ کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ میری نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ اب اس کا موقع نہیں تھا کہ میں تکلف کرتا یا پرہیز کرتا۔ میں اس کے سامنے آ گیا تو اس نے بڑی لجاجت سے کہا۔

"صاحب میرا راستہ نہ روکو' میں جانتا ہوں میری بہن بے قصور ہے بھولی ہے' اُسے کسی مردود نے بہکایا ہے' لیکن وہ کیوں بہکی؟ اس لیے میرے لیے یہ ضروری ہے کہ میں اس کا خاتمہ کر دوں اس کے بعد میں اس شخص کو دیکھوں گا جو اس کی بربادی کا باعث بنا ہے۔"

بمشکل تمام میری زبان کھل سکی' میں نے مہتاب خان کو بتایا کہ یہ بچہ میرا ہے۔ اور وہ بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں اس نے خونی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

"تو وہ تم ہو صاحب؟ تم نے ہزاروں میل دور ہمیں بلا کر ہماری عزت لوٹی ہے' تم نے بہت برا کیا ہے صاحب بہت برا کیا ہے۔"

"سنو تو مہتاب خان بات تو سنو۔ میں تمھیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔۔۔"

"مت بتاؤ صاحب مت بتاؤ۔ بس ہم کچھ اور نہیں سنیں گے۔" وہ واپس لوٹ گیا۔

میری انتہائی کوشش کے باوجود اس نے میری پوری بات نہیں سنی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اب اس کا ردعمل کیا ہوگا لیکن اس خطرناک آدمی کی طرف سے میں بہت پریشان تھا' پھر ایک رات وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا۔

میں نے گولی چلنے کی آواز سنی' نوشابہ کی پیشانی کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ یقیناً اسے مہتاب خاں نے ہلاک کیا تھا لیکن میرے فرشتے بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ مہتاب خاں ایک معمولی سا آدمی اتنا سازشی ذہن رکھتا ہے۔ جب میں اس جگہ پہنچا جہاں نوشابہ کی لاش پڑی ہوئی تھی تو مہتاب خاں ایک گوشے سے نکل آیا' اس نے وہ پستول میرے ہاتھ میں تھما دیا جس سے گولی چلائی گئی تھی اور اس کے بعد اس نے مجھے پستول سمیت دبوچ کر شور مچا دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایسی سازش کرے گا میرے خلاف' مجھے گرفتار کر لیا گیا اور جب مقدمہ چلا تو مہتاب خاں نے اپنے سازشی ذہن سے کچھ اس طرح کے منصوبے تیار کر لیے کہ میں کسی طور اپنی گلوخلاصی نہیں کرا سکا۔ اس نے عدالت میں بیان دیا کہ میں اس کا مالک ہوں بار بار میں نے اس کی بہن پر ڈورے ڈالے' اس کی بہن نے اپنے بھائی کو بتایا کہ میں اس پر بری نگاہ رکھتا ہوں لیکن مہتاب خاں مجھے سمجھاتا رہا یہاں تک کہ میں نے اسے دھوکا دیا جس کے نتیجے میں وہ ایک بچے کی ماں بن گئی۔

ان پے در پے حالات نے میرا ذہن اس قدر خراب کر دیا تھا کہ میں اپنے بچاؤ کا کوئی بندوبست نہیں کر سکا۔ میری ذہنی کیفیت ہیجانی سی ہو گئی تھی' میں مہتاب خان کو جان سے مار دینا چاہتا تھا اور ہوا بھی۔ یہی' ایک بار میں نے بھری عدالت میں اس پر قاتلانہ حملہ کیا' ایک انسپکٹر کا ریوالور چھین کر اس پر اندھا دھند فائرنگ کی' مہتاب خان زخمی ہو گیا لیکن مجھے مار مار کر ادھ مرا کر دیا گیا' اس طرح میرا مقدمہ سخت ہو گیا' مجھے خطرناک مجرم قرار دیا گیا اور سات سال قید سخت کی سزا دے دی گئی۔

قید کی زندگی میں بھی مجھ پر ذہنی دورے پڑتے رہے تھے' مجھے نہیں معلوم تھا کہ باہر کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ نوشابہ مر چکی تھی لیکن میرا بچہ زندہ تھا۔ مجھے بار بار اس کا خیال آتا تھا اور مجھ پر جنونی کیفیت طاری ہو جاتی۔

باہر کی دنیا سے میرا رابطہ بالکل ہی کٹ چکا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟ مہتاب خان کس حال میں ہے اور میرا بچہ کہاں ہے؟ معلومات حاصل کرنے کی کوئی کوشش کارگر نہیں ہوئی تھی۔ میرا کوئی ملازم وغیرہ کبھی مجھ سے ملنے نہیں آتا تھا۔ لیکن پھر ایک دن میرا ایک ملازم مجھ سے ملنے آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ مہتاب خان بچے کو لے کر واپس وطن جا رہا ہے۔"

مجھ پر ایک بار پھر جنون کا دورہ پڑ گیا اور میں نے جیل سے فرار ہونے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں جیل کے دو محافظ میرے ہاتھوں شدید زخمی ہو گئے' بعد میں ان میں سے ایک نے اسپتال جا کر دم توڑ دیا اور میرے اوپر ایک نیا مقدمہ قائم کر دیا گیا۔ میری قید سخت کر دی گئی' اور اس نئے مقدمے کے تحت مجھے مزید سات سال کی قید سنا دی گئی۔

مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ایک باقاعدہ مجرم قرار دیا گیا تھا جس کے نتیجے میں میرے ساتھ حادثات ہوتے رہے یوں میں نے جیل میں تقریباً انیس سال گزارے۔

انیس سال کے بعد مجھے جیل سے رہائی نصیب ہوئی' دنیا بدل چکی تھی' میرا کاروبار بند ہو گیا تھا لیکن میرے اثاثے محفوظ تھے' بس میں نے انھیں سنبھالا' جذبات کا وہ بھوت اتر چکا تھا۔ ہر چند کہ مجھے اپنے بچے کی یاد ستاتی تھی' نوشابہ جب بھی یاد آتی' اس کے ساتھ ہی مجھے اپنا بچہ بھی یاد آتا تھا' مہتاب خان سے مجھے شدید نفرت محسوس ہوتی تھی۔ بارہا میرے دل میں انتقامی جذبے ابھرے لیکن میں نے خود کو سنبھالے رکھا۔ زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ ضائع ہو چکا تھا۔ اب مزید حماقتیں کر کے زندگی کو تباہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اب میں تین چار سال سے اپنے کاروبار میں مصروف ہوں' لیکن دل میں یہی احساس چٹکیاں لیتا رہتا ہے کہ پتا نہیں میرا بچہ زندہ ہے یا مر گیا ہے' کس حال میں ہے' کہاں گیا۔ میں اس کے لیے سخت پریشان ہوں۔ میں نے مختلف ذرائع سے کوشش کی کہ مہتاب خان کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے' اور جس قدر معلومات مجھے حاصل ہوئیں ان سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ وطن واپس چلا گیا تھا اور اب وہیں ہے' بچے کے بارے میں مجھے کوئی معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ یہ حیرت انگیز بات ہے بھابھی صاحبہ کہ آپ سے ملاقات ہو گئی' میں ایک آدھ ہفتے کے اندر وہاں جانے والا ہوں۔''

فرخ لطیف کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ اس کا گمبھیر چہرہ کچھ اور سنجیدہ ہو گیا تھا اس کے چہرے میں وہی معصومیت وہی وقار اب بھی باقی تھا جو بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے بہت پہلے دیکھا تھا اس کی کہانی سے وہ بہت متاثر ہوئی تھیں۔ پھر انھوں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''زندگی میں بعض لغزشیں ایسی ہوتی ہیں جس کا طویل نقصان بھگتنا پڑتا ہے۔''

''ہاں بھابھی آپ اندازہ لگا لیجیے' میں نے اپنی زندگی کے انیس سال جیل میں گزارے ہیں۔ سخت ترین مشکلات میں گھر کر' میں برا آدمی نہیں تھا لیکن جیل کی زندگی میں مجھے برا آدمی قرار دیا گیا تھا اور اس کی وجہ میری کوئی خرابی نہیں بلکہ میرا وہ جنون تھا جو میرے ذہن میں سمایا ہوا تھا۔''

''تم کب وہاں جا رہے ہو فرخ؟'' بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے پوچھا۔

''بس ایک ہفتے کے اندر اندر۔ میں تمام تیاریاں مکمل کر چکا ہوں۔''

''کیا تمھیں علم ہو چکا ہے کہ مہتاب خان وہاں کس جگہ رہتا ہے؟''

''جی ہاں' اس کا تعلق جمال گڑھی نامی ایک بستی سے تھا اور یقیناً وہ وہیں ہوگا' گو صحیح شواہد تو نہیں مل سکے لیکن اشارے یہی ملے ہیں کہ وہ جمال گڑھی میں موجود ہے اور زندہ ہے۔''

''اور تمھارا بچہ؟''

''اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ لیکن میں وہاں پہنچ کر یہ تمام معلومات حاصل کر لوں گا۔''

''اتفاق کی بات ہے کہ میں بھی ایک ہفتے کے اندر اندر واپس جا رہی ہوں' یوں کرو تم میرے ساتھ چلو' میں تمھیں تمھارے اس کام میں مدد بھی دے سکوں گی۔''

''بہت شکریہ بھابھی جان' یہ تو بہت ہی اچھی بات ہوگی' میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔''

بیگم جہاں آراء ہدایت پور تھوڑی دیر تک وہاں رکیں۔ رات کا کھانا کھایا اور اس کے بعد فرخ لطیف انھیں ان کے ہوٹل تک چھوڑ گیا۔

بیگم جہاں آراء ہدایت پور فرخ لطیف کی کہانی سے بے حد متاثر ہوئی تھیں ان کے شوہر کا چہیتا دوست تھا اب یہ دوسری بات تھی کہ انتہائی طویل عرصہ گزر چکا تھا ان سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی بیگم جہاں آراء کو بھی اس کا خیال نہیں آیا تھا کبھی کوئی ایسا موقع ہی نہیں آیا تھا کہ جب فرخ لطیف ذہن میں آتا۔ بہر طور اب وہ اس کی مدد کا تہیہ کیے ہوئے تھیں۔ وطن واپس ہوتے ہوئے راستے میں انھوں نے فرخ لطیف سے اس کا پروگرام پوچھا تو اس نے کہا۔

''وہاں مجھے آپ کا بہت بڑا سہارا ہوگا بھابھی صاحبہ' لیکن میں علی الاعلان مہتاب خان تک نہیں پہنچوں گا ورنہ مجھے یقین ہے کہ وہ روپوش ہو جائے گا اور میرے بیٹے کو بھی کہیں چھپا دے گا۔ اس کے دل میں میرے لیے انتقام کا جذبہ ہے جسے وہ پورا کیے بغیر باز نہ آئے گا۔ بلکہ میری

زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔''

''ہوں۔'' بیگم جہاں آراء ہدایت پور کچھ سوچنے لگیں پھر دفعتاً چونک کر بولیں۔

''ارے واہ۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ تم فکر نہ کرو فرخ' یوں کرنا کہ تم دارالحکومت اتر جانا' وہاں کسی ہوٹل میں قیام کرنا' میں تمہیں ایک ایسا پتا بتادوں گی اور ایسے لوگوں سے تمہاری ملاقات کرادوں گی جو تمھارے لیے بے حد کارآمد ہوسکتے ہیں۔ میرے ذہن میں یہ بات پہلے نہیں آئی تھی ان سے بہتر آدمی اور کوئی نہیں ہوسکتا۔''

''کون ہیں وہ؟'' فرخ لطیف نے سوال کیا اور بیگم جہاں آراء کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ڈی۔ ڈی۔ ٹی لمیٹڈ۔''

''یہ کیا چیز ہے؟''

''یہ چیز تین افراد پر مشتمل ہے اور یہ تینوں آسمان میں سوراخ کرنے والوں میں سے ہیں۔ میرے خیال میں ان سے عمدہ آدمی اور کوئی نہیں ہوسکتا تمہارے لیے۔ ویسے اگر تم چاہو گے تو میں تمھیں پولیس کی بھی بھرپور مدد دلواسکتی ہوں لیکن پولیس کا معاملہ ذرا ٹیڑھا ہوجائے گا۔ بہت سی باتیں سامنے آئیں گی اور تمھارے لیے مشکلات پیدا ہوں گی ان لوگوں سے ملنے کے بعد تم اپنے سارے معاملات طے کرسکتے ہو۔ میں تمھیں ان کے لیے ایک خط دے دوں گی یا پھر اگر موقعہ ہوا تو خود بھی ان کے پاس چلوں گی۔''

''نہیں آپ صرف اتنا کریں بھابی صاحبہ کہ مجھے ان کے نام ایک رقعہ دے دیں' میں ان سے ملاقات کرلوں گا' آپ مطمئن رہیں میرے اس کام سے جب مجھے فرصت مل جائے گی تو پھر میں ہدایت پور آکے آپ کے پاس کچھ عرصے قیام کروں گا۔''

''یقیناً یقیناً۔ خدا کرے اس وقت تمھارا بیٹا بھی تمھارے ساتھ ہو۔'' بیگم صاحبہ نے کہا اور فرخ لطیف آبدیدہ ہوگیا۔

دارالحکومت کے ایک شاندار ہوٹل میں بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے فرخ لطیف کے قیام کا انتظام کیا اور اس کے بعد انھوں نے سعدی کے نام ایک خط لکھ دیا جس میں اس سے کہا گیا تھا کہ باقی معاملات وہ خود طے کریں گے یہ لوگ فوری طور پر فرخ لطیف کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہوجائیں۔ یہ خط دینے کے بعد انھوں نے فرخ لطیف سے اپنے لیے مزید خدمات پوچھیں اور پھر اس سے رخصت ہوکر ہدایت پور چلی گئیں۔

فرخ لطیف دوسرے دن ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ جانے کا پروگرام بنا چکا تھا' اس کے پاس اس دفتر کا مکمل پتا موجود تھا اس کے دل میں بے شمار خیالات جنم لے رہے تھے' اپنے بیٹے کا تصور اس کے لیے بہت ہی دل خوش کن تھا۔ نوشابہ تو اس دنیا سے چلی گئی تھی لیکن اس کا بچہ۔۔۔۔ میں اسے بہترین زندگی دوں گا' میرا جو کچھ ہے اس کے لیے ہے۔ فرخ لطیف سوچتا۔ دوسرے دن گیارہ بجے وہ بیگم جہاں آراء کے دیے ہوئے پتے پر پہنچ گیا۔ بلڈنگ ٹھیک ٹھاک تھی' وطن کو دیکھے ہوئے عرصہ گزر گیا تھا اس کی گلیاں' سڑکیں اور بازار اسے عجیب سے لگ رہے تھے' بہرطور وہ اسی عمارت میں پہنچ گیا جہاں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا دفتر بنایا گیا تھا لیکن جب وہ اس دفتر کے دروازے پر پہنچا تو اس نے وہاں ایک بورڈ لگا ہوا دیکھا جس پر بڑے خوبصورت انداز میں لکھا ہوا تھا' روٹی کپڑا اور مکان' یہ بات فرخ لطیف کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس نے قریب سے گزرتے ہوئے ایک شخص سے پوچھا۔

''بھائی یہاں کوئی ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا دفتر ہے؟''

''آپ اس کے سامنے ہی کھڑے ہیں جناب۔ اب وہ دفتر ختم ہوچکا ہے اور یہاں روٹی کپڑا اور مکان بکتا ہے۔'' اس شخص نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''کیا مطلب؟''

''اندر چلے جایئے۔ مطلب خود بخود سمجھ میں آجائے گا۔''

فرخ لطیف نے شانے جھٹکے اور اس دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ سامنے ہی ایک

پارٹیشن بنا ہوا تھا جس میں تین راہداریاں رکھی گئی تھیں۔ ان راہداریوں میں اشاراتی بورڈ لگے ہوئے تھے جن میں سے ایک پر لکھا تھا روٹی' دوسرے پر لکھا تھا کپڑا اور تیسرے پر مکان۔ تینوں بورڈ تین مختلف راہداریوں کی جانب اشارہ کرتے تھے فرخ لطیف کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے بہرطور جو راہداری سب سے پہلے سامنے نظر آئی وہ اس میں داخل ہو گیا اس پر لکھا ہوا تھا کہ مکان۔ راہداری سے گزرنے کے بعد وہ ایک خوبصورت سجے سجائے کمرے میں داخل ہو گیا۔ سامنے ہی ایک بڑی سی میز لگی ہوئی تھی اس کے اطراف میں صوفے پڑے ہوئے تھے' میز کے پیچھے ایک خوبصورت سی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اور کسی کام میں منہمک تھی۔ فرخ لطیف کو دیکھ کر اس نے آنکھوں پر لگا ہوا چشمہ اتار کر نیچے رکھا اور خوش اخلاقی سے کہنے لگی۔

''تشریف لائیے۔ مسٹر تشریف لائیے۔''

''شکریہ۔ وہ دراصل میں۔۔۔۔''

''یقیناً آپ کو مکان کی ضرورت ہوگی' کیسا مکان چاہیے آپ کو؟ کرائے پر یا خریدنا ہے؟ کون سے علاقے میں کتنا بڑا ہو؟ اور کس صورت حال کو آپ زیادہ پسند کریں گے؟''

''ہاں' ہاں گھبرائیے نہیں' تشریف تو رکھیے' مکان آپ کی پسند کے مطابق آپ کو مل جائے گا۔''

''وہ مجھے مکان نہیں چاہیے محترمہ۔۔۔۔''

''پھر کیا چاہیے روٹی' اگر آپ کو روٹی چاہیے تو براہ کرم دوسری راہداری میں چلے جائیے وہاں آپ کو سیٹھ ظفری بھائی روٹی والا ملے گا وہ آپ کے لیے ہر طرح کا بندوبست کر دے گا۔''

''محترمہ۔ میری بات تو سن لیجیے پوری۔ مجھے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ارکان سے ملنا ہے ایک بہت اہم مسئلے میں میں حاضر ہوا ہوں۔''

''کمال کی بات ہے یوں لگتا ہے جیسے آپ اخبارات نہیں دیکھتے یا اگر دیکھتے ہیں تو انھیں بغور نہیں پڑھتے۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ختم ہو چکا ہے۔ ویسے آپ کو کیا کام تھا۔''

''میں اس ادارے کے کسی ذمہ دار فرد سے ملنا چاہتا تھا۔''

''غالباً کوئی قدیم اخبار آپ کی نگاہوں سے گذرا ہوگا اور اس میں آپ ہمارا اشتہار پڑھ کر آئے ہوں گے۔ بہرطور آپ سعدی بھائی کپڑا والا سے مل لیجیے یا پھر آئیے میں ہی ان سے آپ کو ملوا دوں۔'' لڑکی نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

فرخ لطیف متحیرانہ انداز میں اس کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا اس راہداری میں آ گیا جس میں کپڑا' کا بورڈ لگا ہوا تھا وہ اندر داخل ہو گئے یہاں بھی ویسی ہی ایک میز لگی ہوئی تھی اور اسی کے پیچھے ایک سبک سا نوجوان بیٹھا کسی کام میں منہمک تھا اس سے تھوڑے فاصلے پر ایک ضعیف العمر شخص بیٹھا ہوا تھا جو ٹائپ رائٹر کے بٹنوں پر خواہ مخواہ کھٹ کھٹ کر رہا تھا۔ جبکہ یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ٹائپ رائٹر سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

''سعدی بھائی کپڑے والا۔ لڑکی نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ اور سعدی جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تشریف رکھیے۔ تشریف رکھیے۔ غالباً آپ کپڑے کے بیوپاری ہیں یا پھر کپڑے کا کوئی کاروبار شروع کرنا چاہتے ہیں۔ تشریف تو رکھیے آپ۔'' سعدی نے بڑے اخلاق سے کہا اور فرخ لطیف گہری سانس لے کر بیٹھ گئے۔

''شکیلہ تم ذرا ظفری بھائی روٹی والا کو ادھر بلا دو۔'' سعدی نے کہا اور شکیلہ نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد ظفری بھی وہاں پہنچ گیا اور تینوں فرخ لطیف کی شکل دیکھنے لگے۔

''بھائی یہ روٹی' کپڑا اور مکان تو میری سمجھ میں نہیں آیا لیکن ایک خط میں آپ لوگوں کے لیے لے کر آیا ہوں۔''

''خط کس کا ہے؟'' اس دوران فرخ لطیف بیگم جہاں آراء ہدایت پور کا لفافہ نکال چکا تھا اس نے وہ لفافہ سعدی کی طرف بڑھایا۔ سعدی نے لفافہ کھول کر دیکھا اسے پڑھا اور پھر ایک گہری سانس لے کر چاروں طرف دیکھنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔

"محترم قسم کھائیے کہ آپ کا تعلق کسی طرح محکمہء پولیس سے تو نہیں ہے؟"

"میں نہیں سمجھا جناب۔" فرخ لطیف نے کہا۔

"بس یوں سمجھیے کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ختم ہو گیا اور اب روٹی' کپڑا اور مکان کا کاروبار چل رہا ہے۔ یہ مس شکیلہ ہیں جو پراپرٹی ڈیلر ہیں ہر قسم کے مکانات کی خرید و فروخت کرتی ہیں' کرائے پر دلواتی ہیں اور یہ ظفری بھائی روٹی والا ہیں اناج کے بڑے بڑے سودے کراتے ہیں خاکسار کا تعلق کپڑے سے ہے بڑی بڑی ملوں سے کپڑا خریدا جاتا ہے اور فروخت کیا جاتا ہے ہر قسم کے اسٹاک اور ہر طرح کے کاروبار میں ہم آپ سے تعاون کر سکتے ہیں۔ یہ بیگم جہاں آراء ہدایت پور یہ محترمہ کب تشریف لائی ہیں؟"

"ہم دونوں ساتھ ساتھ یورپ سے واپس آئے ہیں۔"

"کب؟"

"پچھلے دن۔"

"اوہ غالباً یہ ہدایت پور چلی گئی ہوں گی؟"

"جی ہاں۔ میں ایک اہم مسئلے میں آپ سے امداد چاہتا ہوں۔"

"ایک منٹ محترم' ایک منٹ۔ صورت حال کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ ہم بڑے محتاط ہو گئے ہیں میں ذرا بیگم صاحبہ سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔" سعدی نے کہا اور ہدایت پور کے لیے ٹیلی فون کال ملانے لگا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد ہدایت پور کال مل گئی اور سعدی نے بیگم صاحبہ سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ چند ہی لمحے کے بعد بیگم صاحبہ کی آواز سنائی دی۔

"جی میں سعدی بول رہا ہوں۔"

"اوہ۔ سعدی میاں خیریت' کیسے ہو؟ کیا حال چال ہیں؟"

"حال چال ابھی آپ کو معلوم نہیں ہوئے ہمارے شاید؟"

یہاں کے کچھ معاملات الجھے ہوئے تھے انھی میں مصروف ہوں تو خیر خاص باتیں تو

آپ کو ذرا تفصیل سے بتائیں گے میں ان حضرات کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں جو آپ کا خط لے کر میرے پاس آئے ہیں۔"

"ان کا نام فرخ لطیف ہے خط میں میں نے جو کچھ لکھا ہے بالکل ٹھیک ہے تم ان سے بھرپور تعاون کرو گے۔ انھیں ہر طرح کی آسانیاں بہم پہنچاؤ گے۔"

"شکریہ بس یہی معلوم کرنا تھا آپ سے۔" سعدی نے کہا اور فون رکھ دیا پھر وہ بڑے تذبذب سے فرخ لطیف کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"ہاں محترم اب فرمائیے آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"بھائی نہ مجھے روٹی چاہیے نہ کپڑا اور نہ مکان یہ بتاؤ کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کیا ہوا؟"

"میں نے عرض کیا نا وہ ختم ہو چکا ہے لیکن ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔"

"جو کہانی میں تمھیں سناؤں گا اس میں تم میرا ساتھ دینے کا وعدہ کرتے ہو۔"

"بخدا دل و جان سے۔" سعدی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور فرخ لطیف انھیں اپنی کہانی سنانے لگا۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ بغور اس کہانی کو سن رہے تھے۔ پوری کہانی سننے کے بعد سعدی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ مضطرب صاحب جو ٹائپ رائٹر پر بیٹھے کھٹ کھٹ کر رہے تھے اب ساکت و جامد ہو گئے تھے اور وہ بھی اس کہانی کو پورے غور سے سن رہے تھے۔ دفعتاً وہ بول پڑے۔

فرخ لطیف صاحب کا بیان درست ہے۔ سعدی صاحب جمال گڑھی میں مہتاب نامی ایک شخص رہتا ہے آپ کو علم ہے کہ جمال گڑھی میں میری خالہ زاد بہن رہتی ہے اور میں اکثر وہاں جاتا رہتا ہوں۔ جمال گڑھی کے مہتاب خان کو کون نہیں جانتا مگر وہ تو بڑے غنڈے قسم کا آدمی ہے وہیں پر اس نے ایک چھوٹا سا ہوٹل کھول رکھا ہے' ہوٹل کیا تم اسے سرائے کہہ سکتے ہو جمال گڑھی چھوٹی سی جگہ ہے وہاں کوئی بڑا ہوٹل نہیں ہے۔" مضطرب صاحب کے الفاظ سن کر سعدی' ظفری اور شکیلہ چونک پڑے تھے۔

"اوہ۔ آپ مہتاب صاحب کو براہ راست جانتے ہیں۔"

"براہ راست تو نہیں جانتا لیکن واقف ضرور ہوں۔ میں نے اس کے بارے میں سنا ہے کہ وہ غنڈا ہے۔"

"ممکن ہے یہ وہ مہتاب خان نہ ہو۔"

"ہاں۔ یہ بھی ممکن ہے لیکن بہرطور جمال گڑھی کا نام اس کے ساتھ منسوب ہے اس لیے میں نے یہ بات کہی تھی۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"پھر بھی اگر اس کا تعلق جمال گڑھی سے ہے تو ہم اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ ممکن ہے یہ وہی مہتاب خان ہو۔ ایک بات بتائیے مضطرب صاحب کو اس مہتاب خان کو وہاں رہتے ہوئے کتنا عرصہ گزر گیا۔"

"بھائی یہ تو معلوم نہیں' مجھے بھی وہاں گئے ہوئے تین چار سال ہو گئے ہیں جبھی میں نے مہتاب خان کے بارے میں یہ باتیں سنی تھیں اور اس کا ہوٹل یا سرائے دیکھی تھی۔

"ہاں۔ فرخ لطیف صاحب ٹھیک ہے ہم آپ کی اس سلسلے میں مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ مطمئن رہیں۔

بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے مجھے جو ہدایت دی ہیں اس کے تحت کام کرنا شروع کر دیا جائے گا۔ دراصل ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں آپ کو تھوڑی سی تفصیلات بتا دوں' بلکہ یہ تفصیلات بیگم جہاں آراء صاحبہ کو بھی معلوم نہیں۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ لوگوں کے لیے ایک مددگار ادارہ تھا ہم مناسب معاوضہ لے کر لوگوں کی مشکلات حل کرتے تھے۔ یعنی وہ مشکلات جن کے بارے میں وہ پولیس سے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے لیکن نئے ڈی آئی جی صاحب نے تشریف لا کر صورت حال بگاڑ دی اور ہمارا ادارہ ختم کر دیا گیا اور اس کے بعد مجبوراً ہمیں دوسرے کاروبار کرنے پڑے۔ ابھی پچھلے دنوں ایک فلم کمپنی کھولی تھی لیکن بس اس کی تفصیلات نہ پوچھیے۔ پھر ہم نے یہی فیصلہ کیا کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو روٹی' کپڑا اور مکان کا کاروبار بنا دیا جائے۔ چنانچہ اب یہاں کپڑے کی آڑھت بھی ہوتی ہے گندم کی آڑھت بھی یہاں ہے اور ایک پراپرٹی ڈیلر بھی یہاں ہے اس طرح

یہ تینوں مسئلے یہاں حل کر دیے گئے ہیں لیکن ان کے در پردہ ہم نے وہ کام بھی شروع کر دیا ہے جو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کرتا تھا لیکن محتاط انداز میں۔ اب ہم ایسے کیس اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں یقین ہوتا ہے کہ پولیس ان کی طرف متوجہ نہیں ہوگی یا پھر وہ پولیس کے لیے دخل اندازی کا باعث نہیں ہوں گے۔"

"اوہ تم تمہیں یہاں اپنا کام کرنے میں خاصی مشکلات پیش آتی ہیں۔"

"ابھی ابھی کام شروع ہی کہاں کیا ہے۔ آپ پہلے آدمی ہیں جو اس سلسلے میں تشریف لائے ہیں ورنہ اب تک ظفری کوئی چالیس من گندم بیچ چکے ہیں' میں بھی اچھا خاصا کپڑا بیچ چکا ہوں' شکیلہ چار مکان کرائے پر اٹھا چکی ہیں اور دو مکانوں کا سودا کرا چکی ہیں جن کا کمیشن ابھی ہمیں نہیں ملا۔ بہرطور اس طرح مشترکہ طور پر یہ کاروبار چل رہا ہے۔"

"خاصے دلچسپ لوگ معلوم ہوتے ہیں آپ' ذہین تعلیم یافتہ آپ نے اپنے بچاؤ کا یہ بہترین طریقہ نکال لیا ہے۔"

"مجبوری تھی فرخ لطیف صاحب۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا ویسے اب یہ فرمائیے کہ آپ کا قیام کہاں ہے؟"

"ابھی تو یہیں ایک ہوٹل میں مقیم ہوں لیکن آپ نے یہ امید دلا دی ہے تو پھر جیسا آپ چاہیں گے۔ اگر آپ چاہیں گے تو آپ کا ساتھ بھی دے سکتا ہوں۔ آپ چاہیں تو یہاں بھی رہ سکتا ہوں۔ اگر یہ کام مناسب نہ ہو تو پھر ہدایت پور چلا جاؤں گا بیگم صاحبہ میری بھابھی ہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ ہم اس سلسلے میں بیگم صاحبہ سے رابطہ رکھیں گے۔"

"تو پھر آپ میرے سلسلے میں کب سے کام شروع کر رہے ہیں؟"

"یوں سمجھ لیجیے کہ کام شروع ہو گیا۔" سعدی نے جواب دیا اور فرخ لطیف گردن ہلانے لگا پھر اس نے دبے ہوئے لہجے میں کہا۔

"معاف کیجئے گا مجھے آپ کے معاوضے کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ بیگم صاحب سے آپ کے جو تعلقات ہوں لیکن کاروبار' کاروبار ہے۔ میں وہ معاوضہ آپ کو ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

"معاوضے وغیرہ کا مسئلہ چھوڑ دیجیے' بیگم ہدایت پور کا خط ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ فرخ صاحب آپ آرام کیجیے ہم انشاءاللہ تعالیٰ آپ کا کام کریں گے۔"

رسمی گفتگو کے بعد فرخ لطیف وہاں سے چلا گیا۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ مضطرب صاحب کی خالہ زاد بہن جمال گڑھی میں رہتی تھیں وہ وہیں سے ٹیٹو کو لے کر آئے تھے۔ چنانچہ ٹیٹو کا تعلق بھی وہیں سے تھا۔ ٹیٹو کو واپس بلا لیا گیا تھا۔ دراصل فلم کمپنی فلاپ ہونے کے بعد کافی دن تک یہ لوگ ذہنی طور پر پریشان رہے تھے کوئی کاروبار سمجھ میں نہیں آتا تھا ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا دفتر خالی پڑا ہوا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے مشورہ کر کے روئی' کپڑا اور مکان کا یہ دفتر کھولا تھا۔ شکیلہ کو پراپرٹی ڈیلر بنا دیا تھا۔ سعدی بھائی کپڑا والا بن گئے تھے اور ظفری بھائی روئی والا۔

اس طرح انھوں نے چھوٹے موٹے پیمانے پر کاروبار شروع کیا تھا لیکن ذہن میں یہی بات تھی کہ اگر کوئی اس انداز کا کیس ہاتھ لگ جاتا ہے تو پھر اس پر بھی کام کرتے رہیں گے اور جب پولیس ان کے راستے میں مزاحم تھی تو انھیں اس انداز میں کام کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑا تھا اور یہ اس سلسلے میں ان کا پہلا کیس تھا۔

"سب سے پہلی بات تو یہ ہے ظفری صاحب کہ ہمیں اس سلسلے میں انتہائی محتاط انداز سے کام کرنا پڑے گا اس سارے معاملے میں معاوضہ ملوث نہیں ہے کیونکہ یہ بیگم ہدایت پور کا کام ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بیگم صاحبہ واپس آ گئی ہیں۔ انھیں صورت حال کا علم تو نہیں ہوگا ورنہ وہ پہلے ہم سے ملنے کے لیے ضرور آتیں ان تمام باتوں کو بعد میں طے کیا جائے گا لیکن اب مسئلہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں کیا پروگرام بنایا جائے؟"

"مہتاب خان کو میں جانتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ وہی مہتاب خان ہوگا۔ وہاں جا کر اس سلسلے میں معلومات ہو سکتی ہیں۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"تو پھر میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے مضطرب صاحب۔"

"کیا؟"

"آپ اور للوا۔ میرا مطلب ہے مارشل ٹیٹو جمال گڑھی سے بخوبی واقف ہیں۔ دوسرا آدمی ظفری ہوگا۔ جو وہاں مہتاب خان کو شیشے میں اتارنے کا کام کرے گا۔ ظفری تم یوں کرو کہ مہتاب خاں کی سرائے میں جا کر ٹھیرو اور اپنے مضطرب صاحب اور بھائی للوا یعنی ٹیٹو الگ جائیں گے۔ مضطرب صاحب اپنی خالہ زاد بہن کے ہاں ٹھیریں گے تم سب سے پہلے تو یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو کہ کیا یہ وہی مہتاب خاں ہے جو لندن میں رہ چکا ہے اور وہ کسی بچے کو لے کر آیا تھا اگر وہ بچہ لے کر آیا تھا تو اب وہ کہاں ہے اور اگر مہتاب خاں سے یہ معلومات حاصل ہو جائیں تو پھر مضطرب صاحب اور تم سب مل کر کسی نہ کسی طرح اس بچے کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جو یقیناً اب بڑا ہو چکا ہوگا۔"

"ہوں۔" ظفری پرخیال انداز میں داہنا گال کھجانے لگا۔ پھر بولا۔

"میرا خیال ہے سعدی میرا اس حلیے میں جانا مناسب نہیں ہے۔ میں ایک دیہاتی کا حلیہ اختیار کر لوں گا اس حلیے میں اگر میں وہاں ٹھیروں گا تو مہتاب خان میرے سلسلے میں محتاط ہو جائے گا۔ جیسا کہ اس کے بارے میں سنا گیا ہے کہ وہ محتاط آدمی ہے۔"

"ہاں بالکل صحیح پروگرام ہے۔ تم تیاریاں کرو ہم اس نئے کیس پر کام شروع کرتے ہیں۔"

"یار مگر بلا معاوضہ کیس ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو احمق آدمی' بیگم جہاں آراء ہدایت پور کے کم احسانات ہیں ہمارے اوپر اور پھر دیکھو اب وہ آ گئی ہیں آئندہ ہمارے لیے کیا ہوتا ہے اس سلسلے میں وہ ہماری

بہترین معاون ثابت ہوگی۔'' سعدی نے کہا اور ظفری پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

جمال گڑھی ایک پس ماندہ پہاڑی تھی خوبصورت موسم اور خوبصورت مناظر کی بستی ریلوے اسٹیشن سے کافی فاصلہ طے کرنا ہوتا تھا۔ یہ فاصلہ تقریباً چار فرلانگ کے قریب تھا اور اس راستے پر کوئی سواری نہیں ملتی تھی۔ تینوں ساتھ ساتھ ہی بستی میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن بستی میں داخل ہونے کے بعد انھوں نے رخ بدل لیے۔ مضطرب صاحب اور ٹیٹو تو ایک سمت چل پڑے جہاں مضطرب صاحب کی خالہ زاد بہن رہتی تھیں اور ظفری کو مضطرب صاحب نے مہتاب خان کی سرائے کا پتا بتا دیا۔ ان لوگوں کے درمیان باقی معاملات طے ہوگئے تھے کہ کس طرح ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھا جائے گا ظفری مہتاب خان کی سرائے کی طرف چل پڑا۔ جس کے بارے میں پتا چلا تھا کہ وہ ایک پگڈنڈی سے اترنے کے بعد پہاڑی کے دامن میں بنی ہوئی ہے۔ یہ پگڈنڈی پیچ در پیچ کھیتوں کے درمیان سے گزرتی تھی۔

ظفری بادلوں کی سرمئی چھاؤں میں گنگناتا ہوا راستہ طے کر رہا تھا۔ اس کے بدن پر دیہاتیوں کا سا لباس تھا۔ حلیے میں بھی معمولی سی تبدیلی پیدا کر لی گئی تھی تاکہ وہ ایک خالص دیہاتی معلوم ہو یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ اس بستی میں نمایاں نہ ہو جائے۔ لوگ اس پر شک نہ کرنے لگیں وہ کھیتوں کے درمیان سے گزر ہی رہا تھا کہ دفعتاً ایک کھیت میں سے ایک عورت معمولی سے سادہ سفید لباس میں ملبوس باہر نکلی۔ مرجھایا ہوا سا چہرہ لیکن خدوخال اچھے خاصے تھے۔ وہ ٹوکرے میں کوئی چیز اٹھائے ہوئے تھی جسے اس نے سر پر رکھا ہوا تھا۔ چند ہی قدم چلی تھی کہ ظفری کو دیکھ کر اس کے ہاتھ سے ٹوکرا چھوٹ گیا۔ وہ بھونچکی سی رہ گئی۔ ظفری نے اس کا گرا ہوا ٹوکرا دیکھا اور پھر اس عورت کے چہرے کی طرف لیکن عورت کے چہرے پر زلزلے کے آثار دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔

''کیا ہوا؟ کیا ہو گیا تمھیں؟'' اس نے حیرت سے پہلے اسے اور پھر ٹوکرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن دوسرے لمحے عورت نے ایک چیخ ماری اور تیزی سے ظفری کی طرف دوڑی۔

''گلاب۔ گلاب۔ تو آ گیا گلاب۔ تو آ گیا۔ بے وفا ہرجائی۔ میں تو جانتی تھی تیرے بارے میں' تیرے بارے میں' میں اچھی طرح جانتی تھی۔ میں نے پہلے ہی بابا سے کہا تھا کہ مجھے تیرے پلے میں نہ باندھیں تو چھوڑ جائے گا مجھے۔ رانی اور سدو تیرے بارے میں ٹھیک ہی کہتی تھیں۔ تو آ گیا گلاب کہاں مر گیا تھا کہاں مر گیا تھا۔ میری نہیں تو اپنے بچوں کی بھی فکر نہیں تھی تجھے چل میرے ساتھ۔''

''ارے ارے کیا دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا۔ میں نہ گلاب ہوں نہ موتیا میرا نام تو جمن ہے۔''

''مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کر میں اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہوں سمجھا تو۔ اب تو میرے ہاتھ سے نکل کر کہاں جائے گا' دیکھتی ہوں میں۔'' اس نے کہا اور کھیتوں میں گھس کر ایک لمبی سی لکڑی اٹھالی۔

''چل میرے ساتھ گھر چل' اچھا نہیں ہوگا۔ دیکھ گلاب میں تجھ سے کہے دیتی ہوں۔ اچھا نہیں ہوگا۔''

''ارے ارے پاگل ہو گئی ہے تو کیا بدتمیزی ہے یہ۔'' ظفری بوکھلا کر چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ عورت نے لکڑی گھمائی اور ظفری اس کی زد سے نکل کر ایک طرف ہو گیا۔ اس نے دوڑ لگانے کی سوچی ہی تھی کہ عورت اس کے راستے میں پھر آ گئی۔

''دیکھ گلاب میں تیری بیوی ہوں۔ میرے بچے ہیں۔ دونوں بچے تجھے اتنا یاد کرتے ہیں کہ تو ان کی حالت دیکھ ذرا چل کر ایک بار ان پر نگاہ ڈال لے پھر بھی تیرا دل نہ پسیجے تو تیرا جہاں دل چاہے چلا جائیو۔'' عورت نے کہا۔

''میں کہتا ہوں۔ میں کہتا ہوں۔ ہٹ جا میرے سامنے سے میرا نام گلاب نہیں' جمن ہے۔ دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تیرا' زبردستی اپنا شوہر بنا رہی ہے۔''

''زبردستی تو نے پچیس آدمیوں کے بیچ مجھ سے نکاح کیا تھا' دیکھتی ہوں کہاں جائے گا

بچ کر۔"

"ارے جا جا لکاح کی بچی تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے مجھے مہتاب خان کی سرائے جانا ہے۔"

"جا جا چلا جا دیکھ لوں گی تجھے اچھی طرح۔ دیکھ لوں گی۔" عورت نے کہا۔ اور اپنے ٹوکرے سے گرے ہوئے سامان کو سمیٹنے لگی۔

ظفری کافی دیر بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے شانے اچکائے اور آگے بڑھ گیا۔ اس نے بڑی پریشانی کے انداز میں سوچا تھا کہ یہ ایک بیوی یہاں داخل ہوتے ہی گلے پڑ گئی اب پتا نہیں یہ کیا رنگ لائے گی۔ کوئی غلط فہمی ہوئی ہے اس عورت کو۔ یا پھر ممکن ہے کہ وہ صحیح الدماغ ہی نہ ہو۔ چہرے مہرے سے تو ایسی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ یہی باتیں سوچتا ہوا وہ پگڈنڈی پر آگے بڑھ گیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اسے مہتاب خان کی سرائے نظر آ گئی۔

کچی مٹی کی دیواروں اور گھاس پھوس کی چھتوں سے بنا ہوا یہ ہوٹل۔ رہائشی بھی تھا اور تفریحی بھی۔ سامنے کے حصے میں ایک بڑا برآمدہ تھا۔ پچھلے حصے میں چند کمرے بنے ہوئے تھے جن کی چھت گھاس پھونس ہی کی تھی۔ سامنے ہی کے حصے میں ایک چبوترہ سا بنا ہوا تھا جس میں دیگیں دفن کر دی گئی تھیں ان کے صرف دہانے نظر آ رہے تھے۔ ان دیگوں میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں نیچے چولہے نظر آ رہے تھے اور ان کے پیچھے ایک لمبا چوڑا قوی ہیکل آدمی بیٹھا تھا جس کی عمر پچاس پچپن کے قریب ہو گی لیکن چہرے ہی سے خطرناک نظر آتا تھا۔ ظفری نے سوچا یہی مہتاب خان ہو سکتا ہے۔ وہ اس کے قریب پہنچا' مہتاب خان نے اسے دیکھا اور اس کی پیشانی پر لکیریں سی پڑ گئیں۔

"کون ہے بھائی تو۔ کیا بات ہے؟" اس نے سوال کیا۔ چھوٹی چھوٹی سی میزوں اور کرسیوں پر چند افراد بیٹھے نظر آئے تھے کوئی چائے پی رہا تھا کوئی کھانا کھا رہا تھا۔

"مجھے تمہاری سرائے میں رہنے کے لیے جگہ چاہیے۔"

"مگر تجھے پہلے کہاں دیکھا ہے' کیا نام ہے تیرا؟"

"جمن ہے بھائی میرا نام؟ کیا تمہاری سرائے میں مجھے جگہ مل جائے گی؟"

"ہاں ہاں' مل سکے گی۔ ایک روپیہ روز ہوتا ہے کمرے کا۔ کھانے کے پیسے الگ۔" مہتاب خان نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے' میں چند روز تمہاری سرائے میں رہوں گا۔"

"دس روپے پیشگی دو اس کے بعد جو حساب کتاب ہو گا وہ بعد میں دیکھا جائے گا۔" سرائے کے مالک نے کہا اور ظفری نے جیب سے جلدی سے دس روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" وہ تھڑے پر سے اٹھ گیا اور پھر ظفری کو ایک کمرے میں لے گیا۔ کمرہ کیا اچھی خاصی کال کوٹھڑی تھی۔ بالکل گندہ غلیظ ایک طرف چارپائی پڑی ہوئی تھی۔ اس پر دری بچھی ہوئی تھی اور ایک طرف چادر رکھی ہوئی تھی اور ایک میلا سا گندا سا تکیہ۔

"یہ ہے تیرا کمرہ کیا نام بتایا تھا؟"

"جمن۔"

"ٹھیک ہے جمن۔ لیکن تیری شکل جانی پہچانی سی لگتی ہے۔"

"تمہارا کیا نام ہے؟" ظفری نے پوچھا۔

"مہتاب خان ہوں میں' کون نہیں جانتا مجھے لندن پلٹ ہوں لندن پلٹ۔ یہ سرائے بڑی کامیابی سے چلا رہا ہوں۔" مہتاب خان نے اکڑ کر کہا اور ظفری نے ایک گہری سانس لی۔ اس کے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا تھا۔ لندن پلٹ مہتاب خان۔ ظاہر ہے کہ یہ اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ بہر طور ظفری اس کمرے میں منتقل ہو گیا اس نے مہتاب خان سے کہا کہ دوپہر کے لیے اسے کھانا بھجوا دیا جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد مہتاب خان خود ہی کھانے کے برتن لے کر آیا اور بولا۔

"لونڈا بھاگ گیا ہے۔ آجکل مجھے ہی کام کرنا پڑ رہا ہے برتن تم خود میرے پاس پہنچا دینا۔"

"ٹھیک ہے مہتاب خان ویسے تمہاری شخصیت مجھے بڑی دل کش معلوم ہوتی ہے۔ ایسا شاندار آدمی میں نے پہلے نہیں دیکھا کیا عمر ہوگی تمہاری؟" مہتاب خان نے مونچھوں پر تاؤ دیا اور پھر بولا۔

"پچپن سال پورے پچپن سال۔"

"کمال ہے پچپن سال میں یہ شاندار صحت۔"

"صبح کو دو گھنٹے زور کرتا ہوں پورے دو گھنٹے۔ جان بنا کر رکھی ہے میاں۔ کوئی معمولی بات نہیں ہوتی اس عمر میں اپنے آپ کو بنائے رکھنا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ میں نے تو تمہاری عمر کے لوگوں کو کمر پر ہاتھ رکھ کر چلتے دیکھا ہے۔"

"ہاں میاں حرکتوں کی بات ہے لندن میں رہ کر آیا ہوں۔ کئی سال لندن میں رہا ہوں مگر کیا مجال جو کسی چھپکلی کے چکر میں پڑا ہوں۔ چلو کھانا کھاؤ برتن پہنچا دینا۔"

وہ باہر نکل گیا ظفری کو پہلے ہی مرحلے میں کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ مہتاب خان کے بارے میں وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ بہرصورت آدمی خطرناک معلوم ہوتا تھا اور ظفری کو اس سے اس کا راز اگلوانا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ برتن دینے کے لیے خود مہتاب خان کے پاس پہنچا لیکن ابھی اس نے برتن رکھے ہی تھے کہ دفعتاً اسے دور سے تین چار آدمی آتے ہوئے نظر آئے اور ان کے پیچھے جو کوئی تھی اسے دیکھ کر ظفری کی جان نکل گئی۔ یہ وہی عورت تھی جو اسے پگڈنڈی پر ملی تھی۔

آنے والے بھی لمبے لمبے تھے' ہاتھوں میں بڑی بڑی لاٹھیاں پکڑی ہوئی تھیں۔ وہ مہتاب خان کے پاس پہنچ گئے اور پھر دفعتاً عورت نے چیخ کر کہا۔

"وہ دیکھو۔۔۔۔۔۔۔ وہ دیکھو چھپا ہوا ہے کمینہ" مہتاب خان کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔"

"ہوں۔" لمبے چوڑے آدمی آگے بڑھ آئے اور پھر وہ ظفری کو غور سے دیکھنے لگے۔

"کیوں بے کہاں مر گیا تھا تو؟ اور اب یہاں کیوں آ چھپا ہے گھر نہیں تھا تیرے لیے جو سرائے میں ٹھیرا ہے؟" ان میں سے ایک نے کہا۔

"بھائی صاحب۔ بھائی صاحب آپ کون ہیں؟" ظفری نے سوال کیا۔

"ابے سالے ہیں تیرے۔ جانتا نہیں ہے سالے پہلوان کو؟" ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

"سالے۔ سالے۔"

"ہاں اور اسے بھی پہچاننے سے انکار کر دے جو تیری جورو ہے۔ سالے پچیس آدمیوں کے بیچ نکاح کیا تھا اور دو پلے چھوڑ گیا تھا اب انھیں کون پالے گا۔" سالے صاحب نے پلوں کی طرف اشارہ کیا۔ ان میں سے ایک کی عمر چار سال تھی اور دوسرا کوئی ساڑھے پانچ چھ سال کا تھا۔ دونوں خالی قمیصیں پہنے ہوئے تھے۔ پاجامہ پہننے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی تھی' سر گھٹے ہوئے تھے ناک بہتی ہوئی تھی۔ یہ دونوں پلے ظفری کے ساتھ منسوب کیے جا رہے تھے۔

"تت۔۔۔۔۔۔ تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا نام گلاب نہیں جمن ہے۔ میں نے اس لڑکی سے بھی یہی کہا تھا۔"

"یہ لکڑی دیکھ رہا ہے میرے ہاتھ میں' ایک پڑتی ہے' سر کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے۔ چل' چل ادھر سے۔"

"بات کیا ہے؟" مہتاب خان نے اس سلسلے میں مداخلت کی۔

"مہتاب بھائی پہچانتے ہیں اس سسرے کو؟ یہ اپنا گلاب ہے۔ اپنی گلو کا شوہر۔ آپ نہیں پہچانتے۔ آپ بھی تو اس نکاح میں شریک تھے۔"

"مجھے اس کی شکل تو جانی پہچانی لگ رہی تھی مگر۔۔۔۔۔۔ مگر کچھ فرق ہے۔ سالے

پہلوان کچھ فرق ہے اس میں اور گلاب میں۔"

"بھائی صاحب میں گلاب نہیں ہوں، قسم کھاتا ہوں۔ میں گلاب نہیں ہوں۔"

"ہائے ہائے قسم بھی کھانے لگا اب تو۔ ارے تیرا ستیاناس میری نہیں تو اپنے بچوں کی ہی فکر کر۔" گلو نے بین کرتے ہوئے کہا۔

"چلو پکڑ لے چلو سالے کو۔"

"سنو تو سہی، سنو تو سہی۔ میں گلاب نہیں ہوں جمن ہوں جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا صلہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔"

"سن تو سہی سالے پہلوان۔ اب ایسے بھی کسی آدمی کو پکڑ کر لے جانا صحیح نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ گلاب نہ ہو۔ تجھے غلط فہمی ہو رہی ہو۔" مہتاب خان نے کہا۔

"اور میری بہن کو بھی غلط فہمی ہو رہی ہے۔ کیوں تیری آنکھیں تو چربی سے بھر گئی ہیں مہتاب خان اب تو بھی تو اس نکاح میں شریک تھا۔ یہ سرلجہ کا گھر تھا نہ بار تھا، ہمارا بہنوئی بن گیا اور اس کے بعد دو بچے پیدا کر کے یہاں سے بھاگ گیا چھوڑیں گے نہیں اس کو۔"

"سنو۔ اگر یہ کہتا ہے کہ یہ گلاب نہیں ہے جمن ہے تو تمہیں غور کرنا پڑے گا۔ ماننی پڑے گی اس کی بات اس طرح تم اسے یہاں سے نہیں لے جا سکتے۔"

"دیکھو مہتاب خان تم اس سلسلے میں مداخلت نہ کرو۔ ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔ لے جائیں گے قتل نہیں کریں گے۔ آخر ہماری بہن کا شوہر ہے۔ داماد ہے ہمارا سمجھائیں گے بجھائیں گے۔"

"پھر کسی وقت سمجھا بجھا لینا۔ میں اس سے صورت حال معلوم کر کے خود تمہارے پاس لے آؤں گا۔ پوچھوں گا تو سہی کہ آخر معاملہ کیا ہے؟" مہتاب خان نے کہا۔

"تم وعدہ کرتے ہو؟"

"ہاں وعدہ کرتا ہوں اس سے بات چیت کرنے کے بعد میں اسے تمہارے پاس ضرور

لے آؤں گا۔" مہتاب خان نے کہا۔

"ٹھیک ہے گلو چل۔ یہ جائے گا کہاں بچ کے میں بھی ساری بستی کی ناکہ بندی کرا دیتا ہوں۔ مجال ہے اس کی کہ یہ اب یہاں سے نکل جائے۔" سالے پہلوان نے کہا اور وہ سب لاٹھیاں ہلاتے ہوئے واپس چلے گئے۔

"ظفری کو پسینے آ رہے تھے یہ زبردستی کی بیوی تو گلے پڑی ہی تھی۔ دو ناک سڑکتے ہوئے بچے اور پھر یہ سالے پہلوان واقعی یہ سارے کے سارے پہلوان بھی تھے وہ بدحواس سا ہو گیا تھا۔ مضطرب صاحب اور ٹیٹو کو اس سلسلے میں بتانا ضروری تھا وہ بے چارے ظفری پر پڑنے والی اس افتاد سے ناواقف ہوں گے۔ مہتاب خان ظفری کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے اندر لے آیا پھر اس نے ایک چارپائی پر بیٹھنے کی پیشکش کی۔

"بیٹھ جاؤ گلاب میاں، بیٹھ جاؤ۔ معاملہ کیا ہے؟ مجھے بتاؤ۔"

"مہتاب خان تم مسلمان ہو نا؟" ظفری نے پوچھا۔

"الحمدللہ پکا مسلمان ہوں۔ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتا ہوں۔"

"تو تم یقین کرو، میں بھی خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرا نام گلاب نہیں ہے۔ نہ میں اس بستی میں پہلے کبھی آیا ہوں اور نہ میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے۔"

"مگر تمہاری شکل تو استاد اس سے ملتی جلتی ہے کچھ تھوڑا سا فرق مجھے لگ رہا ہے۔ مگر غور سے دیکھنے پر ہی پتا چلتا ہے۔"

"ان سے میری جان چھڑا دو۔ وہ نہ میری بیوی ہے نہ بچے ہیں خواہ مخواہ کسی کی عزت پر ہاتھ ڈالنے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

"بات تو تو ٹھیک کہتا ہے۔ اچھا مجھے کچھ سوچنا پڑے گا۔ ویسے تیری شکل بہت ملتی جلتی ہے گلاب سے۔ اب مجھے بھی یاد آ گیا۔ خیر چھوڑو اس مسئلے کو دیکھیں گے طے کریں گے اس مسئلے کو۔ تو آیا کہاں سے ہے اور کہاں جائے گا؟"

"بس ایسے ہی اس بستی میں نکل آیا ہوں مصیبت کا مارا ہوں۔ کچھ دن یہاں رکوں گا پھر یہاں سے آگے چلا جاؤں گا۔"

"ان لوگوں کو سمجھانا پڑے گا۔ یہ سارے کے سارے میرے ساتھ اکھاڑے میں زور کرتے ہیں۔ میرے جان پہچان کے ہیں مگر ایک بات سن لو۔ نکلنا مت یہاں سے جب تک میں اس مسئلے کو حل نہ کرالوں۔ اگر تو نکل گیا تو اچھا نہیں ہوگا۔ مہتاب خان کی عزت خاک میں مل جائے گی۔"

"آپ پرواہ نہ کریں مہتاب صاحب۔ میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک آپ حکم نہ دیں۔"

"یہ ہوئی نا' مردوں کی سی بات۔ ٹھیک ہے بیٹا اگر تو گلاب نہیں ہے تو پھر مہتاب خان تیری مدد کرے گا۔" ظفری اس وقت پریشان تھا کہ یہ کیا مصیبت گلے پڑ گئی ہے بہر طور کسی نہ کسی طرح اس مصیبت سے تو نکل ہی جائے گا لیکن مہتاب خان سے اس طرح دوستی ہو جانے سے اسے خوشی تھی اب اس کا کام آسان ہو گیا تھا۔ شام کو چھ ساڑھے چھ بجے سالے پہلوان اپنے ابا جان کے ساتھ دوبارہ آئے۔ یہ ابا جان بھی کسی زمانے میں پہلوان ہی ہوں گے۔ اب بھی اچھی صحت کے مالک تھے۔ انھوں نے بغور ظفری کو دیکھا اوپر سے نیچے تک دیکھا پھر گھوم پھر کر دیکھا اور بولے۔

"یہ وہی بدمعاش ہے مہتاب خان اسے ہمارے حوالے کردو' ہم اس کی ہڈیاں پسلیاں ایک کردیں گے۔ ٹھیک کرلیں گے تم دیکھنا کل ہی یہ چیختا چلاتا تمھارے پاس پہنچے گا کہ وہاں یہ گلاب ہے گلو کا میاں۔" سسر صاحب نے کہا۔

"دیکھو حافظ جی میں تمھیں بتادوں' ہمارا تمھارا پرانا ساتھ ہے۔ بہت عرصے سے ہم یہاں رہتے ہیں اگر تمھیں کوئی غلط فہمی ہوئی تو اس کے ذمے دار تم خود ہو گے۔ یہ شریف آدمی کہتا ہے کہ وہ زندگی میں پہلی بار اس بستی میں آیا ہے۔ ممکن ہے وہ سچ کہہ رہا ہو۔ بیٹی کی عزت پوری بستی

کی عزت ہوتی ہے۔ کوئی خراب آدمی تمھاری اس بات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ذرا عقل سے سوچ حافظ جی مردذات کو کس نے بیڑیاں ڈال کر رکھا ہے۔ یہ اگر کہہ دے کہ ہاں جی میں گلاب خاں ہوں۔ تمھارے گھر پہنچ جائے' خوب کھائے پیئے عیش کرے اور پھر چپکے سے بھاگ جائے تو تم کیا کرلو گے۔ کیا باندھ کر رکھ لو گے اسے؟ جلدی مت کرو۔ دو چار سیانوں سے مشورہ کرلو۔ اوروں سے پہچان کراؤ۔ گلاب ہی نکلے تو پھر مہتاب خان سے بھاگ کر کہاں جائے گا؟"

"یہ سدا کا نکھٹو ہے۔ میری بیٹی کی تقدیر پھوٹ گئی۔ چلو تمھاری بات بھی ٹھیک ہے۔ میں سیانوں کی پنچائت بٹھاؤں گا' پہچان کراؤں گا دوسروں سے۔ مگر پہلوان تم ذمہ دار ہو۔"

"پکا ذمہ دار ہوں میں۔ جاؤ آرام کرو۔ یہ کہیں نہیں جائے گا۔" مہتاب خان نے کہا۔

بڑی مشکل کے بعد وہ دونوں میرے بغیر جانے پر راضی ہوئے۔ سالے پہلوان اس طرح لاٹھی سنبھالے کھڑے تھے جیسے مرغا گھیر رہے ہوں کہ نکل نہ بھاگے۔ ان کے جانے کے بعد مہتاب خان نے کہا۔

بڑی مشکل کے بعد وہ دونوں میرے بغیر جانے پر راضی ہوئے سالے پہلوان اس طرح لاٹھی سنبھالے کھڑے تھے جیسے مرغا پکڑ رہے ہوں کہ نکل نہ بھاگے۔ ان کے جانے کے بعد مہتاب خان نے کہا۔

"دیکھو دوست مہتاب خان کی عزت تیرے ہاتھ ہے۔ ذرا گاہکی نمٹ جانے دے پھر تجھ سے بات ہوگی۔"

ظفری نے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس بات کا اقرار کیا کہ وہ کہیں نہیں جائے گا اور گاہکی نمٹ جانے کے بعد مہتاب خان سے اس کی پکی بات چیت ہوگی۔ یہ گاہکی تقریباً نو ساڑھے نو بجے نمٹ گئی تھی۔ اب سرائے میں الو بول رہے تھے' کوئی نہیں تھا سب کے سب جا چکے تھے۔ بستی تاریکی میں ڈوب گئی تھی۔ ویسے بھی جمال گڑھی چھوٹا سا علاقہ تھا اور یہاں زیادہ تر رات تک لوگ نہیں جاگتے تھے' بہر طور برآمدے کی ایک چارپائی پر ظفری مہتاب خان کے سامنے آ بیٹھا۔ مہتاب

خان نے حقہ بھر کے سامنے رکھ لیا تھا۔ اس نے ظفری کو بھی حقے کی پیشکش کی۔ لیکن ظفری نے معذرت کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ حقہ نہیں پیتا۔ مہتاب خان گردن ہلانے لگا تھا۔ حقے کے دو تین کش لینے کے بعد وہ ظفری سے بولا۔

"ہاں بیٹا اب تو کھل جا مہتاب خان کے سامنے۔ اپنی پریشانی بھی بتا۔ اگر تو سچ مچ گلاب ہے تو یہ بتا اب کیا چاہتا ہے' جورو کو رکھنا چاہتا ہے یا نہیں' اگر نہیں رکھنا چاہتا تو طلاق دے دے اسے۔ حافظ جی غلط آدمی ہیں اگر ان کا مغز پھر گیا تو خون خرابہ ہو جائے گا۔ اگر تجھے جورو کو چھوڑنا ہی تھا تو بستی کیوں آیا تھا؟ یہ ساری باتیں بتا مہتاب خان کو' مہتاب خان تیرا کھیل نمٹا دے گا۔"

"دیکھو خان صاحب میں ایک بار کہہ چکا ہوں کہ میرا نام گلاب نہیں ہے' میں جمن ہوں اور بس یونہی گھومتا گھامتا اس بستی میں نکل آیا ہوں' اگر میں گلاب ہوتا تو مجھے اعتراف کرنے میں کیا دقت ہوتی اگر میرے دل میں ایسی کوئی بات ہوتی تو میں اس بستی کا رخ ہی کیوں کرتا میں یہ تو جانتا ہوتا کہ یہاں میری بیوی اور سالے وغیرہ رہتے ہیں انھیں میں چھوڑ کر بھاگ چکا ہوں۔"

"دو بچے بھی۔" مہتاب خان نے ٹکڑا لگایا۔

"ہاں دو بچے بھی' تم خود سوچو مہتاب خان بھلا سب کو آدمی چھوڑ دیتا ہے' اپنے بچے کو کون چھوڑتا ہے۔"

"یہ بات کھری ہے۔" مہتاب خان نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی پھر بولا۔ "اچھا اگر تو گلو نہیں ہے تو یہ بتا دے کہ کون ہے؟"

"بتایا نا جمن ہے میرا نام۔"

"ابے جمن تو ہے پہلے کہاں رہتا تھا' کیا کام کرتا ہے' تیرے رشتہ دار کہاں کہاں رہتے ہیں۔" "اتنے دنوں تک تو کہاں رہا وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔"

"مہتاب خان تنہا آدمی ہوں۔ زندگی میں بہت بڑے نشیب و فراز دیکھے ہیں' تم نے لندن کا نام لیا تھا نا تم نے کہا تھا نا کہ تم لندن پلٹ ہو۔"

"ہاں کہا تھا۔" مہتاب خان سینہ ٹھونک کر بولا۔

"میں بھی لندن میں رہ چکا ہوں۔"

"اچھا کب کیسے؟"

"ایک انگریز صاحب کا خانساماں تھا' انھی کے ساتھ کام کرتا تھا' سات آٹھ سال تک کام کیا ان کے ساتھ' پھر انگریز صاحب مر گئے' اور میں بیکار ہو گیا۔ پھر وہیں جھگڑا ہو گیا ایک دفعہ ایک گورے صاحب سے اور اس نے مجھے جیل کرا دی۔ تین سال تک لندن جیل میں رہا' اس کے بعد رہا ہو کر اپنے ملک آ گیا۔"

"ابے واہ کب کی بات ہے' کب آیا تو وہاں سے؟"

"تقریباً اس بات کو بھی تین چار سال ہو گئے۔"

"ابے واہ یار' شکل سے تو نہیں معلوم ہوتا کہ تو لندن پلٹ ہے' اچھا یہ بتا' مجھے لندن کے کچھ علاقوں کے نام بتا دے۔"

"کیوں نہیں' تم سے جھوٹ بول کر میں کیا پاؤں گا' ظفری نے بڑی چالاکی سے مہم کا آغاز کر دیا تھا۔

اس نے لندن کے بیشتر اہم مقامات کے نام ان کی خصوصیات کے ساتھ بتائے یہ نام اس نے لندن کے جغرافیے وغیرہ میں پڑھے تھے۔ لندن کی بیشتر کہانیاں اس نے سنی تھیں۔ اس طرح اسے مہتاب خان کو یہ باور کرانے میں کوئی دقت نہ ہوئی کہ وہ بھی لندن میں رہتا تھا۔ اور اس سے خوب اچھی طرح واقف ہے۔

"ابے واہ تو چھپا رستم نکلا۔ ان حافظ جی کی ایسی تیسی۔ بھلا ان کا داماد گلاب کہاں اور تو کہاں۔ لندن جیل میں کیسے گزری؟"

"واہ مہتاب خان' لندن جیل کی کیا بات ہے۔ گھر سے زیادہ مزے ہیں وہاں۔ ارے

ہاں مہتاب خان ایک بات یاد آرہی ہے۔"

"کیا؟"

"اوہ میرے خدا تم سو فیصدی وہی مہتاب خان ہو۔" ظفری نے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا کر لیے تھے۔

"کون سا مہتاب خان؟"

"یہ بتاؤ کہ کسی فرخ لطیف کو جانتے ہو؟" ظفری نے پوچھا۔

اور اس بار جیسے مہتاب خان کو کرنٹ لگا۔ وہ ظفری کو گھورنے لگا تھا۔ پھر اس کے منہ سے سرد سی آواز نکلی۔ "تو اسے کیسے جانتا ہے؟"

"پہلے تم میری بات کا جواب دو۔"

"تو اسے کیسے جانتا ہے؟" مہتاب خان نے اس کی سنی ان سنی کر کے کہا۔ اس کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔

"لندن جیل میں ملاقات ہوئی تھی اس سے۔ لمبی سزا کا قیدی تھا۔ بڑا عجیب آدمی تھا۔"

"میرے بارے میں اس نے کیا بتایا تھا تجھے؟"

"کوئی کہانی سنائی تھی جس میں جمال گڑھی کا ذکر بھی تھا اور کسی مہتاب خان کا بھی۔"

"کہاں ہے وہ قیدی؟"

"کیا میں اسے جیب میں رکھ لایا تھا۔ جیل میں ملا تھا اور چونکہ ہمارا تعلق ایک ہی ملک سے تھا اس لیے یا اللہ ہو گئی تھی۔ ہفتوں ساتھ رہے تھے۔ اس کے بعد میری سزا ختم ہو گئی اور میں نکل آیا۔ بعد کی کہانی میں تمہیں سنا چکا ہوں۔"

"مہتاب خان کے چہرے پر دیر تک زلزلے کے آثار نظر آتے رہے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ پرسکون ہو گیا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔" ہاں میں وہی مہتاب خان ہوں۔"

"ہے نا عجیب بات۔ میرے دماغ سے تو وہ کہانی نکل بھی گئی تھی۔ لندن کا ذکر آیا تو

جیل یاد آگئی۔ جیل یاد آئی تو وہ یاد آیا اور وہ یاد آیا تو تمہارا نام بھی یاد آگیا اگر تم یہ نہ بتاتے کہ تم لندن میں رہ آئے ہو تو میں تمہارے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"ہوتا ہے۔ اس طرح ہوتا ہے۔ لندن میں' میں نے بہت کچھ کھویا ہے۔ اس منحوس شہر نے مجھے ایک بہت بڑے نقصان سے دوچار کر دیا ہے۔ وہاں' وہاں۔ میں نے اپنی بیٹی کھو دی ہے۔۔۔"

"بیٹی؟"

"کیا حال ہے اس کمینے کا؟"

"فرخ لطیف کا؟"

"ہاں۔"

"بہت بری حالت تھی۔ ممکن ہے اب مر کھپ گیا ہو۔ ٹی بی کی بیماری ہو گئی تھی۔ بار بار جیل سے اسپتال جاتا تھا۔"

"اس سے بھی بدتر حال ہونا چاہیے تھا اس کا۔"

"بات کیا ہوئی تھی خان صاحب؟"

"قاتل تھا وہ۔ اعتماد کا قاتل' بھروسے کا قاتل' اناؤں کا قاتل۔ ہم اس کے نوکر تھے۔ مالک تھا وہ ہمارا۔ مگر اس نے۔ مگر اس نے میری عزت پر ڈاکہ ڈالا۔ اس نے مجھ سے میری بہن چھین لی جسے میں نے بیٹیوں کی طرح پرورش کیا تھا۔"

"مگر وہ تو کہتا تھا۔"

"کیا کہتا تھا وہ؟" مہتاب خان نے جذباتی ہو کر پوچھا۔

"وہ تو کہتا تھا کہ وہ بے گناہ ہے۔ قاتل مہتاب خان تھا اس لڑکی کا بھائی۔"

"بے گناہ۔" وہ نفرت سے بولا۔ "تم ایسے شخص کو بے گناہ کہو گے جمن' جس نے کسی لڑکی کو ورغلایا ہو؟"

"اسے قتل کس نے کیا؟" ظفری نے پوچھا۔

"میں نے۔" مہتاب خان نے کہا۔ "کیوں وہ عزت سے زندہ رہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔"

"لیکن وہ معصوم تھی اسے تو ورغلایا گیا تھا۔ پھر اس کا قتل کیا معنی رکھتا ہے؟" ظفری نے پوچھا۔

"اس کی زندگی بے مقصد ہوگئی تھی اور مجھے انتقام لینا تھا۔ اس نے ایک بچے کو جنم دیا تھا۔ بتاؤ میں دنیا کو اس کے بارے میں کیا بتاتا۔ کیا کہتا اس سے؟"

"او وہ تم نے بچے کو بھی قتل کر دیا؟"

"نہیں ایک قتل کرنے کے بعد میں بزدل ہوگیا۔ وہ بچہ مجھ سے نہ مارا گیا۔ میں اسے قتل نہ کر سکا۔"

"پھینک دیا تم نے اسے، مگر کہاں؟"

"نہیں پھینکا۔ یہاں لے آیا۔ مگر اس کی شکل مجھے میری بہن کی یاد دلاتی تھی۔ میں نے اسے اپنے پاس نہیں رکھا۔" مہتاب خان کے حلق سے سسکیاں نکل گئیں۔ اس کے رخسار آنسوؤں سے تر ہوگئے تھے۔

"پھر کہاں گیا وہ؟" ظفری نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"خاموش ہو جاؤ۔ خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ تم نے میرے زخموں کو ہرا کر دیا ہے۔ خاموش ہو جاؤ۔ مہتاب خان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ظفری بے تابی سے اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر اس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"دل کا بوجھ ہلکا کرلو مہتاب خان کہاں ہے وہ بچہ؟"

"دے دیا تھا کسی کو؟"

"کس کو؟"

"وہ بے چاری اسی بستی کی ایک بے اولاد عورت تھی۔ اس نے اس کی پرورش کی تھی۔"

"پھر کیا ہوا؟" ظفری نے پوچھا۔

"جہنم گیا سب کچھ بھول گیا ہوں۔ مجھے یاد نہ دلاؤ۔ بس اب اس موضوع کو ختم کر دو۔" اس نے آنکھیں خشک کر کے کہا۔ اندازہ یہ ہوتا تھا کہ اب وہ کچھ اور نہیں بتائے گا۔ دو چار ہاتھ لب جام رہ گیا تھا، لیکن مہتاب خان جیسے چالاک آدمی کو اس سے زیادہ کریدنا مناسب نہیں تھا۔ پھر کسی وقت سہی۔ بہر حال ظفری کو کافی حد تک کامیابی ہوئی تھی۔

دوسرے دن ناشتا وغیرہ کر کے وہ سرائے سے باہر جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ مہتاب خان ٹھیے پر موجود تھا۔ کہاں جا رہے ہو؟"

"قیدی تو نہیں ہوں مہتاب خان؟"

"بالکل نہیں مگر ان سے ہوشیار رہنا۔"

"فکر مت کرو۔" ظفری نے کہا۔ "ابھی وہ سرائے سے نکلا بھی نہیں تھا کہ ایک بار پھر سسر پہلوان اور سالے پہلوان آتے نظر آئے اور ظفری رک گیا۔ ان کم بختوں نے اچھی مصیبت گلے ڈال دی ہے۔ مہتاب خان نے انھیں دیکھا اور پھر ظفری کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنی دیر میں وہ قریب آ گئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک عورت اور ایک مرد بھی تھے۔

"دیکھو شکورے، دیکھ بشیرا۔ کون ہے یہ؟" سسر پہلوان نے ظفری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"لے اور کون ہے۔ گلو میاں ہے۔" عورت نے کہا۔

"ابے گلاب بھائی حد کر دی تو نے۔ ابے جورو کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ یہ مردوں کی شان نہیں ہے۔" مرد بولا۔

"حافظ جی ایک بات کہوں میں۔ مہتاب خان بولا۔"

"کہو خان صاحب اب کیا کہتے ہو؟"

"تقدیر والے ہو۔ آدمی شریف مل گیا۔ ورنہ ناک پر چھری چلا کر بھاگ جاتا۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ گلاب نہیں ہے جمن ہے۔ لندن میں نوکری کر چکا ہے میں نے سب معلوم کر لیا ہے۔ پاگل پن مت کرو۔ عزت بچاؤ۔ شکل ملتی ہے مگر آدمی وہ نہیں ہے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو مہتاب بھائی۔" حافظ جی حیرت سے بولے۔

"ہاں۔ اور تم جانتے ہو میں کیسا آدمی ہوں۔"

"پر میں نہ مانوں۔" حافظ جی بولے۔

"نہ مانو تو لے جاؤ گھر میں اور پھر زندگی بھر سینہ پیٹتے رہو۔ اب تو کیوں مرا جا رہا ہے جمن چلا جانا' حافظ جی مفت میں داماد بنا رہے ہیں تجھے' بڑی عزت والے ہیں۔۔۔۔عزت والے کیا حرج ہے۔"

"مہتاب خان کیسی باتیں کر رہے ہو تم۔" حافظ جی کے چھوٹے صاحبزادے یعنی سالے پہلوان بولے۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں کہ یہ گلاب نہیں ہے جمن ہے۔ میں اس کی تصدیق کر چکا ہوں۔ میری بات نہیں مانتے تو جو دل چاہے کرو۔ اور یہ۔ یہ سرا خواہ مخواہ کا شریف بنا پھر رہا ہے۔ اب یہ جا عیش کر کھا پی جب تک دل چاہے رہنا جب دل چاہے پھر بھاگ لینا۔ تیری ٹانگیں کون کاٹے گا۔" مہتاب خان نے کہا اور وہ لوگ ساکت رہ گئے۔ تھوڑی دیر تک وہ پریشان نگاہوں سے کبھی مہتاب خان کو اور کبھی ظفری کو دیکھتے رہے۔ اس کے بعد سالے پہلوان کہنے لگے۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے میں بھی دیکھوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں۔ دیکھوں گا کہ کب تک جمن بنا رہتا ہے۔ چلو بے چلو۔" انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ پھر وہ واپس لوٹ گئے۔ اس کا مطلب تھا کہ ان کے ذہن میں شبہ پیدا ہو گیا تھا۔

ظفری نے سکون کی سانس لی۔ کچھ وقت کے لیے ان سسرا اور سالوں سے نجات مل گئی تھی۔ مہتاب خان نے مسکرا کر گردن ہلائی اور ظفری وہاں سے چل پڑا۔ مضطرب صاحب اور مارشل ٹیٹو سے اس موضوع پر گفتگو کرنی تھی اور انھیں یہ بتانا تھا کہ صورت حال کہاں تک پہنچ چکی ہے۔ ان لوگوں سے کسی مدد کی تو ضرورت نہیں تھی لیکن بہرصورت ممکن ہے مضطرب صاحب اپنی خالہ زاد بہن کے حوالے سے اس شخص کا پتا لگوا سکیں جس کے حوالے مہتاب خان نے اس بچے کو کر دیا تھا۔ راستہ اسی پگڈنڈی سے گزرتا تھا جس سے ہو کر وہ یہاں آیا تھا اور جہاں سے گلو ملی تھی آج بھی گلو وہیں موجود تھی۔ پتا نہیں پگڈنڈی کو تکتی رہتی تھی یا پھر اتفاقیہ اس نے ظفری کو دیکھ لیا تھا اس وقت بچے بھی اس کے ساتھ تھے۔

آس پاس میں اور کوئی موجود نہیں تھا۔ بچے تھوڑے فاصلے پر ایک گندے جوہڑ کے کنارے مٹی گوندھ کر کھیل رہے تھے۔ وہ سراپا یاس بنی ظفری کے پاس پہنچ گئی۔ ایسا کرب' ایسی حسرت تھی اس کے انداز میں کہ ظفری کا دل ایک لمحے کے لیے کانپ گیا۔ اچھے نقوش کی خوبصورت لڑکی تھی۔ عمر بائیس تیئس سال سے زیادہ نہیں ہو گی لیکن حسرت اور غربت نے شکل بگاڑ کر رکھ دی تھی اس کی آنکھوں کی کیفیت دیکھ کر ظفری کے قدم ایک لمحے کے لیے ڈگمگا سے گئے تھے۔

"گلاب' کیا۔ بھول ہو گئی مجھ سے۔ مانے گا نہیں۔ قصور میرا تو نہیں ہے۔" اس نے درد بھرے لہجے میں کہا اور ظفری ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"دیکھو گلو۔ سچ جانو میں گلاب نہیں ہوں' تم غور تو کرو' کیسی بیوی ہو تم' گلاب کے دو بچوں کی ماں بن چکی ہو اور اپنے شوہر کو نہیں پہچانتی۔ میری آواز پر غور کرو۔ میرے بولنے کے انداز پر غور کرو۔ کیا گلاب اسی طرح بولتا تھا؟ کیا وہ اسی طرح چلتا پھرتا تھا؟ قد و قامت پر غور کرو گلو کیوں بیوقوف بن رہی ہو؟ اگر میں نے ایک مرد کی حیثیت سے تمھیں غلط طریقے سے اپنانے کی کوشش کر بھی لی تو کیا تمھارا دل تمھیں مطمئن کر سکے گا' ہمیشہ تڑپتی رہو گی۔ اگر میری شکل گلاب سے ملتی ہے

گلو تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے تم خود غور کرو ذرا اچھی طرح غور کرو مجھ پر کیا میں واقعی گلاب ہوں۔ اگر اس کے باوجود تمھارا یہ خیال ہے تو پھر ٹھیک ہے جو کچھ تم کہو گی میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

ظفری کے الفاظ پر لڑکی کے چہرے پر ایک دم تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔ اس نے بغور ظفری کو دیکھا تھا' اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

"خدا جانے اصلیت کیا ہے تم بالکل گلاب جیسے ہو۔ مگر۔ مگر۔۔۔۔"

"ہاں۔ ہاں مگر کیا؟" ظفری نے پوچھا۔

"تمھاری باتیں' تمھاری باتیں شہریوں کی سی ہیں تم گلاب کی طرح نہیں بولتے۔ وہ تو جاہل تھا' نرا' پر پر۔۔۔۔ بڑا ہی پیارا تھا مجھے۔"

"وہ چلا کیوں گیا؟" ظفری نے سوال کیا۔

"وہ۔ وہ۔ وہ۔ آہ' کاش تم گلاب ہوتے؟"

"مجھے بتاؤ گلو وہ چلا کیوں گیا؟"

"وہ مجھ سے ناراض ہو کر نہیں گیا' وہ اپنے سسرال والوں سے ناراض ہو کر گیا ہے۔ میرے گھر کے حالات بے حد عجیب ہیں۔ میں تمھیں بتاؤں میرے بھائی اور باپ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن میری ماں نے ان تمام محبتوں کو ملیا میٹ کر دیا ہے۔ وہ سوتیلی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ میری سوتیلی ماں کا سلوک میرے ساتھ کیا ہے۔ تم دیکھو میرے بھائیوں کے گھر چار چار بھینسیں ہیں وہ اچھی خاصی کمائی کرتے ہیں اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوش ہیں لیکن میں وہاں بھکارن کی طرح پڑی ہوں مجھے کھیتوں میں کام کرنا پڑتا ہے اور اس کے بعد میں اپنے اور اپنے بچوں کے لیے روٹی مہیا کرتی ہوں۔"

"گلاب تمھیں بھی بتا کر نہیں گیا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟"

"بس ایک بار کہہ رہا تھا کہ شہر چلا جاؤں گا۔ سب کچھ چھوڑ دوں گا۔ اور اس نے ایسا ہی

کیا اور اگر تم گلاب نہیں ہو تو بتاؤ میں کیا کروں؟" اسی وقت دونوں بچوں نے بھی ظفری کو دیکھ لیا اور مسرت بھرے انداز میں مٹی وٹی پھینک کر ظفری کی طرف دوڑے۔

"ابا ابا۔ تم آ گئے۔ ابا ہمیں پیسے دو۔ جب سے تم گئے ہو ابا ہم نے کچھ نہیں کھایا۔ چوہدری کی دکان پر گڑ کے لڈو ملتے ہیں ابا ہم نے وہ بھی نہیں کھائے۔"

"اور میں نے۔ میں نے عید پر نئے کپڑے بھی نہیں پہنے۔" دوسرے لڑکے نے کہا۔ دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ظفری کی نگاہیں ان دونوں کے چہروں کا جائزہ لینے لگیں دونوں کے چہرے حسرت و یاس کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ معصوم آنکھوں کا یہ کرب ظفری سے برداشت نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس نے دونوں بچوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اچھا اچھا بیٹے ہم تمھیں پیسے دیں گے فکر مت کرو ہم تمھیں پیسے دیں گے۔"

"ابا ہمیں اپنے ساتھ لے چلو نانی ہمیں مارتی ہے ماموں بھی ہمیں مارتے ہیں دیکھو نانی نے میری پیٹھ پر کتنی زور سے چٹکی نوچی تھی۔" ایک بچے نے اپنا کرتا' شانوں تک اٹھا دیا اور حقیقت اس کی پیٹھ پر ایک سرخ نشان بنا ہوا تھا۔ عورت تڑپ کر بچے کے پاس پہنچ گئی۔

"میرے ننھے' میرے لعل کب نوچا تھا نانی نے تجھے؟"

"رات کو روز ہی مارتی ہیں۔ وہ تو ہم تمھیں نہیں بتاتے۔ اس لیے کہ وہ ہمیں اور ماریں گی۔ کہتی ہیں کہ کسی نہ بتایا کریں۔" بچوں نے کہا۔ ظفری ایک نئی اور عجیب و غریب صورت حال سے دوچار تھا۔ پھر اس نے جیب سے کچھ روپے نکال کر گلو کی طرف بڑھائے۔

"یہ رکھ لو گلو۔ میں سچ مچ گلاب نہیں ہوں۔ اگر میں گلاب ہوتا تو پتھر کا انسان تو نہیں ہوں' میں تمھیں اپنا لیتا۔ یقین کرو میں گلاب نہیں ہوں۔ تم میری بات مان لو۔" گلو نے کوئی جواب نہیں دیا اس نے نوٹ بھی نہیں لیے تھے۔

"یہ رکھ لو گلو تمھارے کام آئیں گے۔"

"نہیں اگر تم گلاب نہیں ہو تو اس رقم پر میرا کوئی حق نہیں ہے۔ ہاں اگر تم گلاب ہو تو خدا

کے لیے میرا قصور معاف کر دو میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں نے تمھیں پریشان نہیں کیا تھا۔"

"گلو۔ آخری بار کہہ رہا ہوں کہ میں گلاب نہیں ہوں۔ بہرطور تم فکر مت کرو۔ تمھارے بارے میں کچھ سوچوں گا۔ بچوں کے لیے ہی سہی یہ پیسے رکھ لو۔"

"اتنا پیسہ میرے پس دیکھا تو وہ لوگ مجھ پر شک کریں گے۔ تم جانتے نہیں وہ کیسے انسان ہیں۔" گلو نے درد بھرے لہجے میں کہا اور ظفری ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا پھر اس نے بچوں کو تھوڑے تھوڑے پیسے دیے اور گلو کو تسلی دے کر آگے بڑھ گیا۔ لیکن اس کا ذہن پراگندہ ہو گیا تھا۔ شہر میں گلاب کو تلاش کرنا آسان کام نہیں ہو گا لیکن کیا ان کرب زدہ انسانوں کو اس طرح چھوڑ دیا جائے؟ دونوں معصوم بچے ناک سڑکتے ہوئے گندے میلے کچیلے لیکن ان کے چہرے بہت اچھے تھے اگر انھیں صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس کر دیا جاتا تو وہ بہت بہتر معلوم ہوتے۔

انھی الجھنوں میں پھنسا ہوا وہ مضطرب صاحب کے اس مکان تک پہنچ گیا جس کی تفصیلی نشاندہی انھوں نے کر دی تھی۔ وہاں اسے وہ مکان تلاش کرنے میں دقت نہ ہوئی۔ مضطرب صاحب اور ٹیٹو اسے مل گئے تھے۔ مضطرب صاحب نے پریشان لہجے میں کہا۔

"بھئی میں بے چینی سے تمھارا انتظار کر رہا تھا۔ بس یوں سمجھو کہ اب تمھارے پاس پہنچنے ہی والا تھا ظفری میاں۔"

"کہیے مضطرب صاحب آپ نے کچھ معلومات حاصل کیں؟"

"بھئی ہمارا ذہن اس قدر دور رس کہاں ہے بس اس میں تو غزلیں نظمیں اور رباعیاں بھری رہتی ہیں۔"

"خدا کے لیے اس وقت انھیں باہر نہ نکلنے دیں۔ آپ سے ایک کام لینا تھا۔"

"فرمایئے فرمایئے ظفری صاحب کچھ کام تو ہم لوگوں کو کرنا چاہیے کیوں ٹیٹو؟"

"بے شک' بے شک' کسی کو قتل کرنا ہے' کسی کی ہڈی پسلی توڑنی ہے' ٹیٹو کی خدمات حاضر ہیں۔"

"بے کار باتیں مت کرو۔ مضطرب صاحب آپ یہ معلوم کریں کہ مہتاب خان جب دوبارہ اس بستی میں واپس آ گیا تھا' حالانکہ بات تو بہت پرانی ہے۔ لیکن بہرطور کسی نہ کسی بزرگ کو یاد ہی ہو گا کہ جب وہ دوبارہ اس بستی میں آیا تھا تو اس نے بچے کو کس کے حوالے کیا تھا؟"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ یہ بات میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا؟"

"آپ یہ بات معلوم کریں اور ٹیٹو تمھیں ایک اور کام کرنا ہے۔"

"یس سر۔" ٹیٹو نے اٹین شین ہو کر کہا۔

"تم شہر واپس چلے جاؤ اگر ممکن ہو سکے تو سعدی سے کہنا کہ وہ فرخ لطیف صاحب کو اس بستی میں بھیج دے۔ صورت حال کی تمام رپورٹ میں تمھیں لکھ کر دے دیتا ہوں یہ تم سعدی تک پہنچا دینا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چلا جاؤں گا جناب۔" ٹیٹو نے جواب دیا اور ظفری نے مضطرب صاحب سے کہا اسے قلم وہ کاغذ مہیا کر دیا جائے مضطرب صاحب کی خالہ زاد بہن کے گھر میں یہ دونوں چیزیں ملنا مشکل ثابت نہ ہوا اور ظفری نے تمام تر تفصیلی رپورٹ سعدی کو لکھا کر دے دی اور اس سلسلے میں اپنا خیال بھی ظاہر کیا۔ اس نے کہا کہ امکانات اس بات کے ہیں کہ اس کا پتا چل جائے لیکن اگر فرخ لطیف صاحب کو اس پروگرام کے تحت یہاں لے آیا جائے کہ وہ خود مہتاب خان سے ملیں ایک بار پھر اپنی بیگناہی کے ثبوت پیش کریں تو ممکن ہے مہتاب خان بچے کا راز اگل دے۔"

"ویسے وہ آج بھی فرخ لطیف کا جانی دشمن ہے لیکن بہرطور کسی نہ کسی طرح اسے رام کرنے کی کوشش کی جائے گی۔" یہ تفصیلی رپورٹ لکھ کر اس نے ٹیٹو کو دے دی اور ٹیٹو نے اس وقت روانگی کے انتظامات شروع کر دیے۔

سالے پہلوان سے کئی بار سرِراہ ملاقات ہوئی تھی لیکن بس دور سے گھورنے کی حد تک۔

ظفری خود بھی اس کے قریب نہیں گیا تھا۔ مضطرب صاحب اس دوران اس کھوج میں لگے رہے تھے کہ مہتاب خان کا ماضی تلاش کریں۔ اب وہ سرائے بھی پہنچ جاتے تھے۔ تین دن کی تگ و دو کے بعد انھوں نے معلوم کر لیا تھا کہ اس وقت مہتاب خان کی دوستی جمال گڑھی میں صرف ایک شخص سے تھی اور وہ تھے حاجی محمود خان صاحب۔ متمول آدمی تھے ہر سال حج پر جاتے تھے۔ مہتاب خان جب لندن سے واپس آیا تھا تو حاجی صاحب کے پاس ہی ٹھیرا تھا۔ اس وقت اس کے ساتھ اور کون تھا اور اس نے کیا کیا یہ محمود خان کے علاوہ کسی اور کو نہیں معلوم تھا اور محمود خان صاحب ان دنوں حج پر گئے ہوئے تھے۔ حج ہو چکا تھا اور واپس آنے والے تھے کیونکہ ان کے بیٹے ان کی واپسی کے استقبال کی تیاریاں کر رہے تھے۔

''محمود خان کے علاوہ یہ بات اور کوئی نہیں بتا سکے گا۔'' مضطرب صاحب نے کہا تھا۔

''انتظار کرنا ہوگا۔'' ظفری نے کہا۔

''مہتاب خان زبان نہیں کھول رہا؟'' مضطرب صاحب نے پوچھا۔

''نہیں' وہ بہت سخت آدمی ہے۔''

''میں کوشش کروں؟''

''کھیل بگڑ جائے گا۔ اسے شک ہو جائے گا۔ ہم لوگ اس لڑکے کے بارے میں اس قدر کھوج کیوں کر رہے ہیں؟''

''شعروشاعری سے کوئی دل چسپی ہے اسے؟'' مضطرب صاحب نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

''کیوں؟''

''دوستی گانٹھوں گا اس سے۔ ممکن ہے کچھ اگل دے۔''

''میرے خیال میں اسے صرف ڈنڈے سے دل چسپی ہے۔ بارہ انچ لمبا چاقو رکھتا ہے

نیفے میں۔''

''لاحول ولاقوۃ۔'' مضطرب صاحب جلدی سے بولے۔ اور پھر انھوں نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔ ''ظفری کوشش کر چکا تھا لیکن مہتاب خان نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

''لندن کیا بات اور ہے جمن لیکن اس کے نام سے میرا دل دکھتا ہے تو اب میرے سامنے لندن کا نام نہ لیا کر۔'' ظفری خاموش ہو گیا تھا۔

بس ذرا سی کیل اٹکی رہ گئی تھی اب کچھ پتا چل گیا تھا لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ وہ بچہ کہاں ہے۔ فرخ لطیف کو اس نے بلوا ضرور بھیجا تھا لیکن اس بارے میں بھی اسے اطمینان نہیں تھا کہ اس کے آجانے سے کوئی بات بن جائے گی بس اب محمود خان کا انتظار تھا۔ وہ آجائیں تو بات کچھ ہے۔ اس نے اس دوران محمود خان کے اہل خاندان سے بھی ربط وضبط بڑھانے کی کوشش شروع کر دیں تھیں۔

''پھر ایک شام مضطرب صاحب ہانپتے ہوئے سرائے پہنچے۔ انھوں نے ظفری کو بتایا کہ فرخ لطیف آگئے ہیں۔''

''کہاں ہیں؟''

''میں نے اپنے ساتھ ٹھیرا لیا ہے۔''

''تنہا ہیں؟''

''ہاں۔'' یہ خط لائے ہیں سعدی میاں کا۔'' مضطرب صاحب نے ایک بند لفافہ ظفری کو دے دیا۔ ظفری نے خط کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا۔

''ظفری' ٹیٹو کے ذریعے رپورٹ موصول ہوئی۔ مبارکباد قبول کرو۔ فرخ لطیف صاحب بہت جذباتی ہو گئے ہیں۔ انھیں سنبھالے رکھنا۔ میں نے بیگم صاحبہ سے وعدہ کیا ہے کہ ان کی حفاظت کی جائے گی۔ تم میرے بہتر نمائندے کی حیثیت سے اپنا یہ فرض انجام دو گے۔ حالات کے تحت فرخ لطیف صاحب کو مہتاب خان کے سامنے لے جانا۔ انھیں کوئی نقصان نہ پہنچنے

پائے۔''

سعدی۔

ظفری نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر لفافہ جیب میں ڈال لیا۔ اب وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

رات کو اس نے سرائے کے برآمدے میں ایک بار پھر مہتاب خان سے بات کی۔

''خان صاحب آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟''

''جوانی بیت گئی' فرصت ہی نہ دی حالات نے۔''

''کبھی کسی لڑکی سے عشق وشق بھی نہیں ہوا؟'' ظفری نے سوال کیا۔

''میری عمر ان باتوں کی ہے' حماقت کی باتیں مت کر میاں صاحبزادے! ہم نوکر قسم کے آدمی بھلا ایسی چیزوں کے لیے وقت کہاں رکھتے ہیں۔ تقدیر نے جوانی کے دور میں کبھی اتنی فرصت ہی نہیں دی کہ اس کے بارے میں سوچتے۔''

''خان صاحب اگر آپ لندن میں ہوتے تو کوئی نہ کوئی چھپکلی ضرور آپ کے گلے میں پڑ گئی ہوتی۔''

''ہاں میاں لندن کی بات دوسری تھی' بڑی غلط جگہ تھی' لاحول ولا قوۃ۔''

''خان صاحب میں آپ سے ایک بات کہوں' برا تو نہیں مانیں گے؟''

''نہیں نہیں کہو'' خان صاحب کا موڈ آج کچھ اچھا معلوم ہوتا تھا۔

''اگر آپ اس بات کی تصدیق کر لیتے کہ فرخ لطیف نے آپ کی بہن سے شادی کر لی ہے یا نہیں تو شاید صورت حال اتنی نہ بگڑتی۔ آپ جذباتی ہو گئے تھے اگر جذبات سے ہٹ کر کچھ کام کی بات ہو جاتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔''

''پرانی بات ہے میاں' اب کیا کہیں اس سلسلے میں' اس بدنصیب کی موت اپنے ہی ہاتھوں لکھی تھی سو ہو گیا' یہ سب کچھ' بڑی یاد آتی ہے کبھی کبھی اس کی' پر اب کیا ہو سکتا ہے؟''

''خان صاحب آپ نے اس کے بیٹے کو بھی اس طرح پھینک دیا' کم از کم اسے ہی آپ سینے سے لگائے رکھتے۔ ویسے فرخ لطیف کو ٹٹولنا تو چاہیے تھا' دیکھنا تو چاہیے تھا کہ وہ اپنی باتوں میں کس قدر مخلص تھا' اگر وہ مخلص تھا تو اپنی دولت' اپنی جائیداد اپنے بیٹے کے نام کرتا۔''

''نہیں میاں ہمیں کسی کی دولت کسی کی جائیداد سے کوئی غرض نہیں ہے' اس نے ایسا کیوں کیا آخر۔ ہم تو رعایا تھے اس کی' رعایا کے ساتھ کیا یہی سلوک روا ہوتا ہے؟''

''ہاں صاحب انسان غلطیوں کا پتلا ہے۔''

''خیر میاں چھوڑو ان باتوں کو۔ گزرنی تھی گزر گئی۔ اپنی گزر رہی ہے کسی دن موت آ جائے گی تو اللہ میاں کے پاس پہنچ جائیں گے۔'' خان صاحب نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی۔

دوسرے دن ظفری فرخ لطیف اور انھیں لے کر ایک طرف نکل گیا۔ فرخ لطیف صاحب بے حد سنجیدہ تھے۔

''سعدی نے مجھے بتایا ہے کہ مہتاب خان سے تم نے کچھ معلومات حاصل کی ہیں۔''

''ہاں مجھے یہ پتا چل چکا ہے کہ مہتاب خان بچے کو لے کر آیا تھا۔ یہاں آ کر اس نے وہ بچہ کسی بے اولاد عورت کے سپرد کر دیا اور اس عورت نے بچے کی پرورش کی۔ مہتاب خان نے بچہ دینے کے بعد اس سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ یہ پتا نہیں چل سکا کہ اس نے بچہ کس کو دیا تھا اور اب وہ بچہ کہاں ہے؟''

''یہ بھی نہیں پتا چل سکا کہ وہ اس بستی میں ہے یہ کہیں اور ہے؟'' فرخ لطیف نے پوچھا۔

''نہیں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کے لیے ہمیں ایک کردار کا انتظار کرنا ہے' اس کا نام محمود خان ہے حج پر گیا ہوا ہے اور چند روز میں اس کی واپسی متوقع ہے۔''

''آہ کاش ایک بار ایک بار مہتاب خان میری بات مان لیتا' اس نے جو کچھ کیا' خدا اس کے لیے اسے معاف کرے۔ میں آج بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نوشابہ میری بیوی تھی۔ میں نے

باعزت طریقے سے اس سے شادی کی تھی بس غلطی یہی ہوگئی تھی کہ اس میں اس کے بھائی کی مرضی شامل نہیں ہو سکی تھی بس ایک لغزش تھی' ایک حماقت تھی۔" فرخ لطیف صاحب نے کہا۔ پھر بولے۔ "اگر میں ایک بار مہتاب خان سے ملنے کی کوشش کروں تو؟"

"صورت حال خطرناک ہو جائے گی۔"

"کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"جلد بازی مناسب نہیں ہوگی فرخ لطیف صاحب۔ آپ کو میں نے اسی ارادے سے بلایا تھا لیکن اب میں خود الجھ گیا ہوں۔"

"تم مجھے کوشش تو کر لینے دو آگے اللہ مالک ہے۔" فرخ لطیف نے کہا اور ظفری کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن ہمیں احتیاط رکھنا ہوگی۔ میں آپ کو بتادوں گا کہ کب اس سے ملنا ہے۔"

ظفری نے اس بارے میں بہت کچھ سوچا اور پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ فرخ لطیف کو مہتاب خان سے ملا دیا جائے لیکن اس کے لیے اس نے انتظامات کر لیے تھے۔ مارشل ٹیٹو' مضطرب صاحب کو خصوصی ہدایات دی گئیں اور ایک رات اس وقت جب مہتاب خان حسب معمول اپنے سارے کاموں سے فارغ ہو کر ظفری کے پاس برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا' فرخ لطیف سرائے میں داخل ہو گئے۔

مہتاب خان اجنبی نگاہوں سے انھیں دیکھ رہا تھا۔ ظفری ہوشیار ہو گیا تھا۔ پھر جب فرخ لطیف صاحب بالکل قریب پہنچے تو مہتاب خان اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو گئیں' رگیں پھول گئیں اور اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔

"تم؟"

"ہاں مہتاب خان یہ میں ہوں۔"

"تم زندہ ہو۔"

"بدقسمتی سے۔"

"یہاں کیوں آگئے؟"

"تمہارے ہاتھوں مرنے تاکہ مجھے میری حماقت کی پوری پوری سزا مل جائے۔"

"ایک بار پھر تم مجھے قاتل بناؤ گے؟"

"ہاں مہتاب خان' مجھے قتل کرو اور دیکھو کہ جیل کیسی ہوتی ہے۔ سزا کیا ہوتی ہے۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں مہتاب خان۔ موت کے بالکل قریب ہوں اور خدا کو یاد کر کے ایک بار پھر تم سے کہتا ہوں کہ میں نے گناہ نہیں کیا۔ تمھیں دھوکہ دینے کے علاوہ میں نے اور کوئی گناہ نہیں کیا۔ نوشابہ میری بیوی تھی۔ میں نے اس سے نکاح کیا تھا۔ اس کا بیٹا میری جائز اولاد تھی۔"

"کمینے مردود۔ کیا حق تھا تیرا اس پر ہم نوکر تھے تیرے اگر ایسی کوئی بات تھی تو تو مجھ سے کہہ سکتا تھا۔"

"یہ غلطی ہوئی تھی مجھ سے جس کی میں نے بڑی سزا بھگتی ہے۔ میرے دل میں بڑی آرزو تھی کہ بس ایک بار۔ بس ایک بار مجھے معاف کر دو۔ اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔"

"تو نے۔ تو نے میری ساری زندگی تباہ کر دی۔ اور میں تجھے معاف کر دوں۔ کمینے تو نے یہاں آنے کی ہمت کیسے کی؟ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تجھے ختم کر دوں گا۔ مہتاب خان چارپائی سے اٹھا اور اس نے فرخ لطیف پر حملہ کر دیا۔ ظفری ایک قدم درمیان میں آگیا تھا۔

"ہٹ جا جمن۔ میرے سامنے سے ہٹ جا ورنہ خون کر دوں گا تیرا' ہٹ جا۔" مہتاب خان نے زور سے ظفری کو دھکا دیا۔ لیکن ٹیٹو اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے ظفری کو سنبھالا اور پھر مہتاب خان کے سامنے آگیا۔

"ہاں ماسٹر۔ شروع ہو جاؤ۔ دیکھوں تم میں کتنی جان ہے۔" اس نے مارشل آرٹس کا ایک پوز بنا کر کہا۔

"للو!؟" مہتاب خان کا منہ کھلا رہ گیا۔

"آ جاؤ۔ آ جاؤ۔ تم نے اپنی موت کو للکارا ہے۔ میں تمھاری ہڈی پسلی ایک کر دوں گا۔" ٹیٹو نے کہا۔

"ہوں۔ تو کھچڑی پک چکی ہے۔ باپ بیٹے مل گئے ہیں اب تم دونوں مجھ سے انتقام لینا چاہتے ہو۔ کمینے باپ کی اولاد۔ میں تم دونوں کے لیے کافی ہوں۔"

ظفری اور فرخ لطیف سکتے کی سی کیفیت میں رہ گئے تھے۔ ان کی پھٹی پھٹی آنکھیں ٹیٹو پر جمی ہوئی تھیں۔ مہتاب خان نے غلط فہمی میں ایک ایسا انوکھا انکشاف کیا تھا کہ ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ لیکن ٹیٹو اس انوکھی حقیقت سے ناواقف تھا اس کی نگاہیں مہتاب خان پر جمی ہوئی تھیں۔ مہتاب خان کچھ ڈھیلا پڑ گیا تھا۔

"ہاہا۔ ڈر رہا ہے باس۔ ٹیٹو دی بلیک بیلٹ سے ڈر رہا ہے آ ذرا استاد جوڈو جانتا ہوں میں۔ ذرا ہاتھ لگا کر بتا داؤں میں سے کسی کو۔" اس نے چہکتے ہوئے کہا۔

مہتاب خان لڑکھڑانے لگا۔ اس کے پاؤں کانپ رہے تھے۔ پھر اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ "میں جانتا ہوں کہ گھٹنے پیٹ ہی کی طرف مڑتے ہیں۔ مردود کی اولاد بھی مردود ہی ہوتی ہے۔ چلے جاؤ تم سب میرے سامنے سے' میں اسے نہیں مار سکتا۔ یہ میری بہن کی نشانی ہے۔ اس کے چہرے پر میری نوشابہ کے نقوش ہیں۔ خدا کی قسم تم باپ بیٹے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ لے جاؤ فرخ لطیف اپنی اولاد کو چلا جا یہاں سے۔ تو نے اپنے بیٹے کو پالیا' اب اور کیا چاہیے مجھ سے۔"

"فرخ لطیف صاحب کیسی حیرت کی بات ہے۔ یہ آپ کا بیٹا ہے یہ ٹیٹو آپ کا بیٹا ہے۔"

"ہاں۔ اس کے چہرے کے نقوش میں میری نوشابہ کی جھلک ہے۔ فرخ صاحب بولے اور دوڑ کر ٹیٹو سے لپٹ گئے۔

"اے باس' بڑے بھائی کو کیا ہو گیا۔ انھیں سنبھالو۔ مجھے دشمن سے نمٹنے دو۔"

"ٹیٹو یہ تمھارے ماما ہیں۔ اور یہ تمھارے باپ۔" ظفری نے کہا اور ٹیٹو کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"جاؤ گے نہیں تم لوگ چلے جاؤ یہاں سے۔ میں کہتا ہوں چلے جاؤ۔ چلے جاؤ۔"

مہتاب خان دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر سسکیاں لینے لگا۔

محمود خان اسی رات حج سے واپس آ گئے تھے۔ دوسرے دن ان لوگوں نے ان سے ملاقات کی تو محمود خان نے بتایا۔ "ہاں' مہتاب خان ایک غیور آدمی ہے۔ اٹھائیس سال پہلے وہ یہاں آیا تھا۔ اس وقت ایک شیرخوار بچہ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے مجھے پوری کہانی سنائی تھی۔ وہ سخت ہیجان کا شکار تھا۔ بچے کو پالنے کی وہ سکت نہیں رکھتا تھا۔ اسے ہلاک بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تب میں نے جھیمو نامی ایک بے اولاد عورت کو وہ بچہ دلوا دیا اور مہتاب خان سے کہہ دیا کہ اب وہ اس بچے کو بھول جائے اور نئی زندگی کا آغاز کرے۔"

محمود خان کی اس بات سے تصدیق ہو گئی کہ جھیمو کا للو عرف مارشل ٹیٹو فرخ لطیف کا بیٹا ہے۔ ظفری مہتاب خان سے بہت متاثر تھا۔ اس نے بقیہ لوگوں کو روانہ کر دیا۔ فرخ لطیف نے پیشکش کی تھی کہ اگر مہتاب خان اسے معاف کر دے تو وہ پوری زندگی اسے اپنے ساتھ رکھنے کو تیار ہے اور ظفری اسی ارادے سے رک گیا تھا کہ مہتاب خان کو سمجھائے۔

لیکن مہتاب خان ٹھوس انسان تھا۔ اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"میں مرد ہوں۔ اگر مردود کو اس کا بیٹا نہ مل جاتا تو میں اسے بتاتا۔ میں نوشابہ کی اولاد کو ختم نہیں کر سکتا تھا۔" ظفری مایوس ہو گیا۔ اور پھر اس دن وہ سرائے کا حساب کتاب چکا کر واپسی کے لیے چل پڑا۔ راستے میں وہی پگڈنڈی پڑتی تھی۔ اور اس پگڈنڈی پر گلو کھڑی حسرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے دونوں بچے اس کے پاس موجود تھے۔

"ابا ہمیں یہاں سے لے چلو۔ ہمیں لے چلو ابا نانی بہت مارتی ہے۔"

ظفری پریشان ہو گیا تھا۔ پھر اس نے کوئی فیصلہ کیا اور گلو کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑا۔

"مجھے اپنے گھر لے چلو گلو۔" اس نے کہا اور گلو حیران رہ گئی۔

بستی میں شور مچ گیا۔ گلاب واپس آ گیا تھا۔ اس نے سسر پہلوان اور سالے پہلوان
کے سامنے تسلیم کر لیا تھا کہ وہ گلاب ہے اور اب وہ اپنے بیوی بچوں کو شہر لے جا رہا ہے۔ اس کے
تمام گھر والے خوش تھے۔

دوسرے دن ظفری' سعدی اور شکیلہ کو اپنی درد بھری کہانی سنا رہا تھا۔ ''اور اس طرح اب
میں دو بچوں کا باپ ہوں جو مجھے ابا کہتے ہیں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری دم نکل آئی ہے
حضرات' میں آپ کو پچیس ہزار روپے کا چیک اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے پیش کرنا چاہتا ہوں''
ظفری رو دینے والے انداز میں بولا۔

''وہ کس سلسلے میں؟''

''میرے بچوں کے باپ کو تلاش کیجیے اور ثواب دارین حاصل کیجیے۔''

''وہ لوگ کہاں ہیں ظفری؟ شکیلہ نے پوچھا۔

''فی الحال انھیں ایک ہوٹل میں رکھا ہے۔ مطلق صاحب سے بات کر کے ابھی تو انھیں
گھر لے جاؤں گا۔ بعد میں ان بچوں کے باپ کو تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔''

''تمھارا کیس لے لیا گیا ہے ظفری۔ ہم سب مل کر گلاب کو تلاش کریں گے۔ اور ہاں
تمھاری واپسی کا انتظار تھا۔ بیگم ہدایت پور نے ہمیں ایک پارٹی دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ پارٹی
فرخ لطیف عرف ممیو کا للوا مارشل ٹیٹو کی بازیابی کی خوشی میں ہے۔''

''ٹیٹو کہاں ہے؟'' ظفری نے پوچھا۔

''ہدایت پور میں ہے۔ کل شام سمن آراء کے ساتھ ایک سفید مرسڈیز میں آیا تھا۔ شارک
کا سوٹ پہنے ہوئے کمبخت اس طرح جچ رہا تھا کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔'' شکیلہ نے کہا اور سعدی
مسکرانے لگا۔

''تھوڑی سی دیر میں اس نے اپنی انگلش بولی ہے کہ اب انگریزی زبان سے نفرت
محسوس ہونے لگی ہے۔'' سعدی نے کہا اور شکیلہ ہنس پڑی۔

☆......☆......☆

جمعرات تھی اور مطلق صاحب اپنی بیاض تیار کر چکے تھے۔ انھیں رات ہونے کا انتظار
تھا۔ بچوں کے بارے میں وہ کئی بار پوچھ چکے تھے جو ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔ ''آ جائیں گے لکھنے
پڑھنے والے بچے ہیں کسی کام میں الجھ گئے ہوں گے' ایسی کیا پریشانی ہے؟''

''اُفوہ۔ مشاعرے کے انتظامات دکھانے تھے انھیں۔ کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔ مگر تمھاری
سمجھ میں کیا آئے گا۔'' مطلق صاحب منہ ٹیڑھا کر کے بولے۔

''سمجھ میں تو ان کی بھی کچھ نہیں آئے گا مگر برداشت کریں گے بیچارے تمھارے گھر
میں جو رہتے ہیں۔'' بیگم صاحبہ نے کہا۔ اور مطلق صاحب بھڑک اٹھے۔

''کیا مطلب ہے یعنی کیا مطلب ہے؟ تم اپنی طرح سب کو جاہل مطلق سمجھتی ہو۔ گویا
میرے اشعار ان کی سمجھ میں نہیں آئیں گے؟ ایں۔''

''پہلے کبھی کسی کی سمجھ میں آئے ہیں جو ان کی سمجھ میں آئیں گے۔ اب میرا منہ نہ
کھلواؤ۔ اچھی خاصی محلے میں عزت بنی ہوئی تھی جو تمھاری وجہ سے خاک میں مل گئی۔ لوگ
دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں اندر سے کوئی شعر نہ سنائی دے
جائے۔ پکڑے نہ جائیں۔ ابتداء میں تمام محلے والوں نے ملنا جلنا شروع کیا تھا۔ سب کے سب
مزاج پرسی کو آتے تھے مگر جب سے تم نے اپنی غزلیں سنانا شروع کیں' ایک ایک کر کے سب کھسک
لیے۔'' بیگم صاحبہ تفصیل بیان کرنے لگیں۔ مطلق صاحب منہ پھاڑے یہ لاف وگزاف سن رہے

تھے۔ ان کی آنکھوں سے حیرت جھانک رہی تھی۔ بیگم صاحبہ خاموش ہو گئیں تو انھوں نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔

"گویا یہ ہیں آپ کے خیالات ہمارے اور ہماری شاعری کے بارے میں۔ اور گویا آپ بڑی مشکل سے خود کو ہماری زوجیت میں برداشت کر رہی ہیں۔ سچ ہے۔ سچ ہے بیگم' قصور آپ کا نہیں ہے۔ مرزا نوشہ بھی اسی غم کا شکار تھے۔ ادیب اور شاعر ایسی ہی لکھا کر لاتے ہیں خود مطلق اور بیگم جاہل مطلق۔ لاحول ولاقوۃ۔"

"خالو میاں' دیکھ لیجیے سب ٹھیک ہو گیا۔' ایک اندرونی کمرے سے شکیلہ باہر نکل آئی۔

"خاک ٹھیک ہو گیا صاحبزادی۔ سب کچھ بگڑ گیا۔ لعنت ہے ان خالو جان قبلہ پر۔ تقدیر تو کھوٹی لکھ کر لائے تھے ہائے دل خون ہوتا ہے۔ بعض اوقات۔"

"بس بین کرنے بیٹھ گئے' انوکھی عادتیں ہیں۔" خالہ جان یعنی بیگم صاحبہ بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئیں۔

"میں نے چاندنی بچھا دی ہے۔ گاؤ تکیے لگا دیے ہیں۔ کتنے افراد شرکت کرنے آ رہے ہیں مشاعرے میں؟"

"تین۔ جناب سعدی' حضرت ظفری اور خاتون شکیلہ۔ دیکھ بیٹی یوں نہ کہہ دینا کہ شعر و شاعری سے دل چسپی نہیں ہے۔ اچھا شعر روح کی غذا ہوتا ہے اور بالیدگی روح کے لیے۔۔۔"

"پسی ہوئی مرچوں کا پیکٹ۔" باہر سے آواز آئی۔ مطلق صاحب ایک لمحے کے لیے رکے اور پھر جھونک میں بولے۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ بالیدگی روح کے لیے پسی ہوئی مرچوں کا پیکٹ۔ م۔ میرا مطلب ہے لاحول۔۔۔۔"

"سوا روپے کا لہسن بھی لے آنا۔ چھٹانک بھر آئے گا۔ چیزوں پر تو آگ پڑ رہی ہے۔

خدا کی پناہ بیس روپے سیر مرچیں۔ بیس روپے سیر لہسن۔ یہ لو پیسے دونوں چیزیں ہی گھر میں نہیں ہیں۔" بیگم صاحبہ نے دس کا نوٹ مطلق صاحب کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"دیکھا تو نے۔ یوں شعر کی چٹنی پستی ہے اس گھر میں اور ہم زندہ ہیں۔ ابھی آیا بیٹی' پھر آ کر گفتگو ہو گی تم سے۔" مطلق صاحب لہسن اور پسی ہوئی مرچیں لینے چلے گئے۔

رات کے کھانے کے بعد محفل مشاعرہ جمی۔ شاعر تنہا حضرت مطلق تھے اور سامعین میں تین افراد تھے۔ اس افتاد کی تیاری تو پہلے ہی کر لی گئی تھی۔ انھیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ہفتے بھر کا کرایہ اسی دن شعر سن کر ادا کرنا ہو گا۔ چنانچہ مطلق صاحب غزلیں سنا رہے تھے اور سعدی اور ظفری سر دھن رہے تھے۔ شروع شروع میں تو شکیلہ بھی موڈ میں تھی اور ہر شعر کی داد دے رہی تھی لیکن اس بیچاری کو صورت حال کا پتا نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دو ایک غزلوں میں چھٹی ہو جائے گی لیکن یہ تو ایک کے بعد دوسری غزل برآمد ہوتی جا رہی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے یہ سلسلہ ختم نہیں ہو گا۔ سعدی اور ظفری کی بات دوسری تھی وہ تو ان حاصل شدہ سہولتوں کی ادائیگی کر رہے تھے لیکن وہ بر راست بیگم صاحبہ کی بہن کے شوہر کی بہن کی بیٹی تھی اس لیے اس پر مطلق صاحب کا کوئی احسان نہیں تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد اس نے مداخلت کر دی۔

"ان حضرات میں کوئی شاعر نہیں ہے؟" سوال مطلق صاحب سے تھا اور اشارہ سعدی اور ظفری کی طرف تھا۔ مطلق صاحب رک گئے۔ صحرائے غزل میں بھٹک رہے تھے' واپسی ہوئی۔ سوال سمجھا' مسکرائے اور بولے۔

"ہو جائیں گے' آہستہ آہستہ ہو جائیں گے۔"

"ابھی تک کیوں نہیں ہوئے؟"

"ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں بی بی۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن۔"

"سات دن۔" ظفری آہستہ سے بولا۔

"تو پھر مشاعرہ ختم۔" شکیلہ نے گردن جھٹک کر کہا۔ اور مطلق چونک کر اسے دیکھنے

گئے۔

"کیوں؟ کیوں ختم؟"

"قانون ہے حضرات! مشاعروں کے بھی آداب ہوتے ہیں۔ ایک شاعر کی زیادہ سے زیادہ غزلیں اگر حد سے تجاوز کر گئے تو تین اور اگر نشے کی حالت میں ہوئے تو اخلاقاً چار۔ اس کے بعد انھیں ڈائس سے اٹھا کر نیچے بٹھا دیا جاتا ہے۔ آپ پانچ غزلیں سنا چکے ہیں خالو جان" شکیلہ نے کہا۔

"بڑی۔ بڑی شریر بچی ہے۔ ہاں تو سعدی میاں۔" مطلق صاحب نے بات مذاق میں ٹالنے کی کوشش کی۔

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں خالو جان۔ کوئی تبدیلی ہونی چاہیے۔ اچھا چلیں میں آپ کو اپنی تازہ غزل سناتی ہوں۔"

"اماں واللہ۔ کچھ کہہ لیتی ہو۔ سناؤ اگر یہ بات ہے تو ضرور سناؤ۔" مطلق صاحب کا کلیجہ خون ہو گیا تھا۔ لیکن بہتر ماحول کو برقرار رکھنے کے لیے یہ کڑوے گھونٹ پی لینا ہی مناسب خیال کیا۔ اور شکیلہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"عرض کیا ہے۔ نکتہ چیں ہے غمِ دل۔۔۔"

"کیا مطلب، کیا مطلب؟" مطلف صاحب تڑپ کر بولے اور شکیلہ نے مصرعہ ادھورا چھوڑ دیا، وہ مطلق صاحب کو گھورنے لگی۔

"ترجمہ بعد میں ہو جائے گا پہلے شعر سنیں۔" اس نے بگڑ کر کہا۔

"مم۔۔۔ مگر بی بی، تم اسے اپنے نام سے منسوب کر رہی ہو۔ یہ تو مرزا نوشہ کا شعر ہے اور میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں، غالب کے ساتھ کوئی مذاق نہیں برداشت کر سکتا۔"

"تو پھر ادا کر دیجیے ایک ہزار سات سو تیس روپے سات آنے معہ سو سالہ سود کے۔" شکیلہ ناک چڑھا کر بولی۔

"کیا مطلب؟ کیا مطلب؟" مطلق صاحب حیرت سے منہ پھاڑ کر بولے۔

"یہ غزل ہمارا خاندانی ورثہ ہے۔ اسد اللہ خاں نے گروی رکھی تھی میرے پرنانا کے پاس۔ بعد میں چھڑا ہی نہیں سکے۔" شکیلہ اطمینان سے بولی۔

"تاریخ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تاریخ میں تو بہت کچھ ہے خالو جان، قرض کی پیتے تھے مے، یاد نہیں آپ کو میں کہتی ہوں کیوں پیتے تھے۔ حکیم نے نسخے میں لکھی تھی، ساری زندگی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ بیوی بچے بیچارے دانے دانے کو محتاج تھے اور نوشہ میاں ادھار قرض لے کر، مے پیتے رہتے تھے۔ واہ کوئی بات ہوئی پورے ایک ہزار سات سو تیس روپے سات آنے۔ ذرا غور کریں تو اس وقت کتنی بڑی رقم ہو گی۔ اب تو سارا دیوان گروی رکھا جا سکتا ہے ان کے عوض۔" شکیلہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئی۔

"کیا فضولیات ہیں بھئی سعدی، ظفری۔ کیا ہو گیا اس لڑکی کو؟"

"کوئی نہیں بول سکتا اس مسئلے میں۔ خاندانی معاملہ ہے۔ ارے ہاں ہم بھی غریب لوگ ہیں۔ پیسے کی ضرورت کسے نہیں ہوتی، اب ایک غزل بھی نہ سنائیں۔ میں تو اس میں تخلص بھی اپنا استعمال کروں گی۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" مطلق صاحب بگڑ گئے۔

"ہو گا۔ یعنی کہ سر پھوڑنا شکیلہ، شوریدہ حال کا۔ یاد آئے ہے مجھے تری دیوار دیکھ کر اور وہ۔ شکن ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے۔"

"شکن۔ یعنی شکن؟" مطلق صاحب بھنا کر کھڑے ہو گئے۔

"امی مجھے پیار سے شکن ہی کہتی تھیں۔" شکیلہ نے دانت نکال کر سعدی سے کہا۔ اور پھر بولی۔ "ہاں۔ وہ کون سا شعر تھا؟"

"یہ لڑکی۔ یہ لڑکی مجھے چڑھا رہی ہے۔ لعنت بھیجو میاں اس مشاعرے و شاعرے پر۔"

بس اب نہیں ہوگا۔ ایک شعر نہیں ہوگا۔'' مطلق صاحب غصے سے ہانپنے لگے تھے۔

''ارے نہیں قبلہ مطلق صاحب۔'' ظفری نے کہا۔

''حرام ہے۔ حرام ہے جو اب ایک مصرعہ بھی سناؤں۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔'' انھوں نے گھور کر شکیلہ کو دیکھا اور جملہ پورا کیے بغیر باہر نکل گئے۔ شکیلہ بھاڑ سا منہ کھول کر جماہیاں لے رہی تھی۔

دونوں بیک وقت آگے بڑھے۔ انھوں نے شکیلہ کا ایک ایک ہاتھ پکڑا اور اسے چوم کر آنکھوں سے لگالیا۔'' پیرو مرشد۔ یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔''

''بیوقوف مت بناؤ۔ اس دور میں احسان وحسان کوئی چیز نہیں ہے۔ کوئی تمھارے لیے کچھ کرے تو نقد ادائیگی کردو اس کے احسان کی چلو ایک ہزار سات سو تیس روپے سات آنے میں سے دو سو تیس روپے سات آنے ہی دے دو۔ پورے پندرہ سو رہ جائیں گے۔ اور آئندہ بھی مناسب معاوضے پر تمھیں غزلوں اور مشاعروں سے بچایا جاسکتا ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں تم دن رات غزلیں سنو گے۔ کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ خالو جان سنانے کو ترسے ہوئے انسان ہیں۔ جب بھی اور جہاں بھی بیٹھوں گی ان سے غزل کی فرمائش کردوں گی' بات سمجھ رہے ہو نا؟'' شکیلہ نے کہا۔

''ہاں ہاں' کل دفتر میں حساب ہو جائے گا۔ دفتر تو آؤ گی نا۔''

'یقیناً یقیناً۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اچھا پھر خدا حافظ۔'' شکیلہ نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ اور اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی۔

اپنے کمرے میں بستر پر لیٹ کر سعدی بولا۔'' یار ظفری لڑکی واقعی کام کی ہے۔ میرے خیال میں اسے خلوص سے اپنے ساتھ شریک کرلیا جائے یوں بھی اس نے ہماری دکھتی رگ پکڑ لی ہے اور پھر درحقیقت' ہمیں لیڈی ایڈوائزر کی بھی ضرورت ہے۔''

دوسری صبح ناشتے سے قبل بیگم صاحبہ کے کمرے میں ان دونوں کی طلبی ہوگئی۔ کمرے

میں مہابھارت جاری تھی۔ مطلق صاحب بپھرے ہوئے تھے لیکن بیگم صاحبہ ہمیشہ کی طرح ان پر حاوی تھیں۔

''پوچھو۔ پوچھو اب کیا ہوا تھا؟ خود ہی پوچھ لو۔'' وہ کلکلا کر بولے۔

''ارے بس پوچھ لیا۔ بھگا دو ان سب کو بھی' اور پھر اکیلے بیٹھے کوئے ہانکتے رہو۔ جنم میں کرم پہلی بار میری کوئی رشتے دار میرے پاس آئی اور دو دن میں تمھاری آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔ نکال دو بچی کو پڑی رہے گی کسی کونے میں۔ زیادہ سے زیادہ لوگ یہی کہہ لیں گے کہ بہن کے نندوئی کی بہن کی بیٹی۔۔۔۔''

''کون نامعقول یہ کہہ رہا ہے کہ اسے نکال دو۔ لیکن وہ غالب کے دیوان کی ٹھیکیدار بن جائے یہ میں کبھی نہیں برداشت کرسکتا۔'' مطلق صاحب نے بیگم صاحبہ کی بات اچک لی۔

''کوئی بات ضرور ہوگی۔ میرے رشتے داروں میں یہی تو خوبی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ لین دین کا کوئی مسئلہ ہے تو دونوں کو آمنے سامنے بٹھالو۔ چار آدمیوں کے درمیان بات ہو جائے گی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا' بچی کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔''

''کسے آمنے سامنے بٹھالوں؟'' مطلق صاحب بولے۔

''انھی غالب والب کو' کہاں رہتے ہیں وہ؟'' بیگم صاحبہ نے پوچھا اور مطلق صاحب نے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے۔

''سنا تم نے؟ سن لیا سعدی۔ بلاؤ بیچارے غالب کو۔ او خدایا۔ او خدایا۔ کیا زندگی ہے میری بھی۔'' مطلق صاحب جھلائے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ سعدی اور ظفری گردن جھکائے کھڑے تھے۔

''ارے جاؤ آرام کرو تم دونوں۔ میں ناشتے کی تیاری کرتی ہوں۔ جاؤ بچو ان کی تو عادت ہی ایسی ہے۔'' اور دونوں بچے کمرے سے باہر نکل آئے۔

اس دن مطلق صاحب ناشتہ کرکے بھی نہیں گئے تھے۔

بہر حال تیاریوں کے بعد وہ دونوں دفتر چل پڑے۔ جیب میں رقم موجود تھی نیچے
چائے والے سے کہہ گئے تھے۔ دفتر میں بیٹھ کر حساب کتاب ہونے لگا۔ اس بات کی پرواہ دونوں
میں سے کسی کو نہیں تھی کہ زاہد جیسے عاشق نامراد کے لیے کیا کرنا ہے۔ البتہ یہ بات طے ہو گئی تھی کہ
دو سو بتیس روپے سات آنے نہایت شرافت کے ساتھ شکیلہ کو ادا کر دیے جائیں۔

دس بجے کے قریب شکیلہ آ گئی۔ معمولی سے لباس میں تھی۔ پہلے جیسی آن بان ختم ہو گئی
تھی۔ دونوں نے اس کا استقبال کیا اور وہ بیٹھ گئی۔ "کوئی ٹھنڈی چیز مل جائے گی بڑی گرمی لگ رہی
ہے۔"

"صاف اور شیریں پانی پیش کروں؟" سعدی بولا۔

"ان پیالوں میں آپ لوگ پانی پی رہے تھے؟" وہ نتھنے پھلا کر بولی۔

"اوہ نہیں۔ وہ چائے۔ ظفری مس شکیلہ کے لیے۔۔۔"

"کوک لے آؤ" شکیلہ نے جملہ پورا کر دیا اور ظفری نے نتھنے پھلا کر گردن ہلا دی۔
پھر میز کی دراز سے اس نے ایک گول پتھر نکالا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ "یہ پتھر کیوں جمع کر
رکھے ہیں آپ لوگوں نے؟"

"اوہ کچھ نہیں۔ بس بار باران سیڑھیوں کا استعمال خطرناک' ہوتا ہے۔ نیچے ہوٹل میں
ایک پتھر پھینک دینا کافی ہوتا ہے۔ باہر والا اوپر آ جاتا ہے۔"

"آپ لوگوں نے نہایت گھٹیا عمارت میں دفتر قائم کیا ہے۔ اگر یہی دفتر پوری شان و
شوکت کے ساتھ کسی عمدہ سی عمارت میں۔۔۔"

"بس بس۔ ایسی دل ہلا دینے والی گفتگو نہ فرمائیں مس شکیلہ۔ عمدہ دفتر کا کرایہ بھی دینا
پڑتا ہے اور دوسرے اخراجات بھی۔" سعدی نے جواب دیا۔ ظفری پتھر پھینک کر واپس آ گیا تھا۔

"پہلے یہ بتائیے آپ لوگوں نے خلوص دل سے مجھے اپنے کاروبار میں شریک کیا ہے یا
نہیں؟"

"اب اس میں کسی شک کی گنجائش کہاں ہے۔" ظفری بولا۔

"میں آپ کے اس کاروبار کو چمکا کر رکھ دوں گی۔ تنہا انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ ہم تین مل
کر یہاں دولت کے انبار لگا دیں گے۔"

"خدا کے لیے اس بلڈنگ میں نہیں۔ یہ زیادہ بوجھ نہیں برداشت کر سکتی۔" ظفری بولا
اور تینوں ہنسنے لگے۔

"اچھا اب مجھے دفتر کے حسابات چیک کرائیں۔ آمدنی اور اخراجات کی پوزیشن
بتائیں۔ ٹیلی فون کا بل باقاعدگی سے ادا ہو رہا ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔"

"یہ ٹیلی فون بغیر بل کا ہے۔ یعنی اس کا کنکشن کہیں نہیں ہے۔ ہمیشہ سے خراب ہے اور
ہمیشہ خراب رہے گا انشاء اللہ۔ دفتر کے کرائے کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ دس بیس سال تک نہ دیا
جائے تو کوئی حرج نہیں ہوگا۔ باقی سب خیریت ہے۔"

"خوب' خوب گویا کاروبار بڑی باقاعدگی سے جاری ہے۔ مطلق صاحب کی کیا
پوزیشن ہے؟"

"نہایت نازک۔ ہفتہ وار مشاعرہ۔ روٹی اور سر چھپانے کی جگہ کپڑوں وغیرہ کا
بندوبست خود ہی کرنا ہوگا۔"

"کوئی اور چکر؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔ ایسے مخلص اور معصوم لوگوں کو اس سے زیادہ تکلیف دینا ذلالت ہوگی۔ ہم
ضرورت مند ضرور ہیں ذلیل نہیں۔"

"عمدہ بات ہے۔ ضرورت مند کبھی ذلیل نہیں ہوتا۔ درحقیقت دونوں مخلص اور معصوم
لوگ ہیں اس سے زیادہ ان کے ساتھ زیادتی کمینگی کے مترادف ہوگی۔" شکیلہ نے کہا۔ اور دونوں
نے اس سے اتفاق کیا۔

"اچھا جناب! تو ایک پارٹنر کی حیثیت سے میں کچھ تجاویز پیش کروں گی۔ مثلاً اخبار

میں ایک اشتہار۔ اب تک آپ کے جو اشتہارات آتے رہے ہیں' وہ کسی قدر غیر موثر رہے ہیں۔ درحقیقت اشتہار بازی بھی ایک فن ہے۔ اشتہار کا مضمون ایسا ہونا چاہیے کہ لوگ متوجہ ہوں۔ آپ اگر اپنے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ اس کے پڑھنے سے بہت سوں کا بھلا ہوگا' کنوارے تو جوان اور لڑکیاں متوجہ ہوں' وغیرہ وغیرہ تو لوگ اسے ایک بازاری اشتہار سمجھ لیتے ہیں۔ اشتہار ہمیشہ ایسا ہونا چاہیے کہ لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرے۔ چنانچہ میرے خیال میں' میں ایک مضمون بنا کر اشتہار ریلیز کیے دیتی ہوں۔ اس کے بعد دیکھیے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔''

''مگر بی بی اشہار معمولی سے پیسوں کا نہیں ہوتا۔ ہم پہلے ہی اپنے ایک جرنلسٹ دوست کے کافی مقروض ہیں۔ اشتہار دینے کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے؟'' سعدی نے کہا۔

''ایسے کاروبار زیادہ پیسوں سے نہیں کیے جاتے۔ بہرصورت ایک پارٹنر کی حیثیت سے یہ ذمہ داری میں سنبھالے لیتی ہوں۔ البتہ آپ لوگوں کو ایک رعایت ضرور کرنی ہوگی میرے ساتھ۔''

''وہ کیا مس شکیلہ؟'' ظفری نے پوچھا۔

''بھئی دیکھیے دو سو بتیس روپے کی بات تو ہوگئی ہے آپ سے۔ وہ تو بہرصورت میرا حق بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی مجھے دو تین سو روپے درکار ہوں گے۔ جن کا مصرف میں آپ کو بتائے دیتی ہوں۔ مثلاً دو تین جوڑی کپڑے۔ اب تک میں مسز غیر کی بیٹی کے کپڑے استعمال کرتی رہی تھی۔ لیکن ظاہر ہے اب میں ادھر کا رخ نہیں کر سکتی۔ آپ جانتے ہیں لباس انسان کی پہلی ضرورت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میں نہایت احتیاط سے یہ رقم خرچ کروں گی۔ اور کلائنٹس کو ڈیل کروں گی۔ چنانچہ کم از کم مجھے تین سو روپے اور درکار ہوں گے۔'' شکیلہ نے کہا اور دونوں مسکرانے لگے۔

''ویسے حقیقت یہ ہے مس شکیلہ کہ ہم دونوں آپ کے ہاتھوں بیوقوف تو نہیں بنے البتہ آپ کی ذہانت نے ہمیں متاثر کیا ہے۔ رقم آپ کو ابھی ادا کر دی جائے گی۔ آپ کاروبار کا آغاز

کریں۔''

''بہت بہت شکریہ۔ تو آپ رقم عنایت فرمادیں اور رسید لے لیں تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔'' شکیلہ نے کہا۔ اور سعدی اور ظفری نے اپنے اپنے حصے کی رقم میں سے دو سو اڑسٹھ روپے نکال کر شکیلہ کے سامنے رکھ دیے۔ شکیلہ نے شکریہ ادا کر کے یہ رقم جیب میں ڈال لی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ ''اس کے بعد جو کچھ آمدنی ہوگی۔ اس کے تین حصے ہوا کریں گے۔''

''یقیناً۔ یقیناً بھلا سوچنے کی کیا بات ہے۔'' سعدی نے خلوص دل سے کہا اور یوں تینوں کے درمیان یہ کاروباری معاہدہ ہوگیا۔

مطلق صاحب اور ان کی اہلیہ کے بارے میں کچھ اصول طے پا گئے تھے۔ یہ بات بھی ایک دوسرے پر واضح کر دی گئی تھی کہ تعلیمی مشاغل کے سوا ان سے کسی اور بات کا تذکرہ نہ کیا جائے اور اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ دفتری معاملات گھر پر نہ پہنچیں۔

شام کو سب مختلف اوقات میں گھر پہنچے۔ شکیلہ تو دو بجے ہی واپس چلی گئی تھی۔ ساڑھے چار بجے ظفری اور سعدی بھی گھر پہنچے بیگم صاحبہ باورچی خانے میں مصروف تھیں۔ مطلق صاحب ابھی دفتر سے واپس نہیں آئے تھے۔ معلومات کرنے پر پتا چلا کہ جب بھی گھر میں جھگڑا ہوتا ہے۔ مطلق صاحب دیر سے آتے ہیں۔ ہنستے ہوئے بیگم صاحبہ نے بتایا۔

''میں ان کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ صبح کو گھر سے ناشتہ کر کے نہیں گئے۔ دفتر میں بھی کچھ نہ کھایا ہوگا۔ بھوک سے بیتاب ہو رہے ہوں گے۔ گھر واپس آئیں گے۔ اگر حالات بہتر نہ ہوئے تو رات کا کھانا بھی گول کر جائیں گے۔ ارے دو دن کا فاقہ کر لیتا ہے یہ آدمی' پتا نہیں کیسا ہے۔''

اور تینوں نے اظہار تشویش کرتے ہوئے اس کا حل پوچھا۔

''حل تو بس تھوڑی دیر کے بعد دیکھ لینا۔ میں نے انتظام کر لیا ہے۔ لیکن پیسے کچھ زیادہ خرچ ہو گئے۔'' بیگم صاحبہ نے ہنس کر کہا۔

"کیا مطلب چچی جان ہم نہیں سمجھے؟" ظفری بولا۔

"بھئی تین کلو مرغ لائی ہوں۔ جس کا قورمہ اور بریانی پکے گی جس وقت قورمہ بگھارا جائے گا اور اس کی خوشبو فضا میں منتشر ہوگی تو مطلق صاحب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔ بے چین ہوجائیں گے باورچی خانے میں آنے کے لیے۔ طرح طرح کے بہانے ڈھونڈیں گے۔ کھانا ان کی بہت بڑی کمزوری ہے اور ہے ہی کیا ہم لوگوں کی زندگی میں۔ قدرت نے اولاد سے محروم رکھا ہے۔ بس کھا پی کر بسر کی ہے اب تک۔ تم دیکھنا بس تھوڑی دیر میں آنے والے ہوں گے۔ جب وہ آئیں گے تب ہی میں یہ تمام چیزیں بگھاروں گی۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور تینوں ہنسنے لگے۔ ہوا بھی یہی مطلق صاحب دفتر سے تشریف لائے اور اپنے کمرے میں گھس گئے۔ شکیلہ تو ذرا دور دور ہی رہی تھی۔ کیونکہ بنائے فساد وہی تھی۔ لیکن سعدی اور ظفری عیادت کے لیے مطلق صاحب کے کمرے میں پہنچ گئے۔

"آؤ میاں آؤ۔" مطلق صاحب پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اور کمزور کمزور سے نظر آرہے تھے۔

"اوہ۔ جناب مطلق صاحب یہ کیا کیفیت ہوگئی ہے؟"

"کہاں میاں کہاں؟ ٹھیک ہوں بالکل۔ ہٹا کٹا ہوں۔ کیا سمجھتے ہو۔ اب بھی سو جوانوں پر بھاری ہوں۔ ایک ہفتے تک مستقل فاقہ کروں جب بھی کچھ نہیں بگڑے گا۔"

"لیکن جناب عالی۔ فاقہ کیا ہی کیوں جائے؟"

"بس بھئی یہ بیگم صاحبہ کی جہالت برداشت نہیں ہوتی۔ زندگی عذاب کر دی ہے۔ اب مرزا نوشہ کی یہ بے عزتی میں کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔ ارے وہ تو ایسا شاعر ہے کہ بچہ بچہ اس سے واقف ہونا چاہیے لیکن یہ خاتون خدا کی پناہ۔ میاں کہہ رہی تھیں کہ دونوں کو آمنے سامنے بٹھا لو۔ اور یہ لڑکی تو آفت کی پرکالہ ہے۔"

"اوہو۔ نہیں مطلق صاحب۔ شکیلہ تو دن بھر افسردہ رہی ہے۔ کہنے لگی میں نے ناحق

اتنے نفیس انسان کو ناراض کر دیا۔ بس کیا بتاؤں میں بھی سنک جاتی ہوں۔ بہت ہی شرمندہ تھی۔ نہ جانے کیا کیا تیاریاں کرتی رہی ہے آج دن بھر۔ ہمیں ہوا بھی نہیں لگنے دی۔"

"تیاریاں۔ کیسی تیاریاں؟" مطلق صاحب حیرت سے بولے۔

"پہلے تو کہہ رہی تھی میں یہاں سے چلی جاتی ہوں۔ میں ان نیک انسانوں کے درمیان بنائے فساد نہیں بن سکتی۔ کہیں بھی جا کر رہ لوں گی۔ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ لیکن بیگم صاحبہ نے بڑی مشکل سے اسے سمجھایا کہ مطلق صاحب دماغ کے تیز ضرور ہیں، لیکن دل کے بہت صاف اور نفیس انسان ہیں۔ چنانچہ جو کچھ انھوں نے کہا غصہ کے عالم میں کہا ہے۔ غصہ ٹھنڈا ہوجائے گا تو اپنی بیٹیوں کی طرح ہی تمھیں سینے سے لگالیں گے اور شکیلہ رونے لگی۔" سعدی نے کہا۔ اور مطلق صاحب چونک پڑے۔

"رونے لگی کیوں رونے لگی؟"

"بس نازک دل کی بچی ہے۔ شاید اس کا بھی اس جہاں میں کوئی نہیں ہے۔ آپ ہی لوگوں کو اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھی ہے۔ کہنے لگی زبان ہی خراب ہے کیا کروں۔ اس زبان نے مجھے در بدر کیا ہے اور آئندہ بھی نجانے کہاں کہاں پھرنا پڑے گا مجھے۔"

"لو۔ پھرنا کہاں پڑے گا۔ بے وقوف ہے۔ نالائق ہے بھلا۔ غصے سے اور گھر سے کیا تعلق۔ اس کا اپنا گھر ہے۔ جب تک دل چاہے رہے۔ ہمارا کیا جاتا ہے۔ ہماری اور کون سی اولاد بیٹھی ہوئی ہے۔ نہیں بھئی تم لوگ اسے روکو۔ ایسی کوئی حماقت نہیں ہونی چاہیے۔" مطلق صاحب بے چینی سے بولے۔

"چچی جان نے روک لیا ہے اسے۔ کہنے لگی رات کو بات ہوجائے گی۔ بات ہوجائے اس کے بعد تم چلی جانا۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ کہیں نہیں جائے گی وہ۔" مطلق صاحب جذباتی ہوگئے۔

"یقیناً آپ چاہیں گے تو نہیں جائے گی۔" ظفری نے تائید کی۔

اسی وقت باورچی خانے سے چھنن چھنن کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اور اس کے ساتھ ہی مصالحے کی خوشبوئیں فضا میں چکرانے لگیں۔ چچی جان نے خاموشی سے پہلا وار کر ڈالا تھا۔ خوشبو مطلق صاحب کی ناک تک پہنچی تو وہ چونک پڑے۔

"یہ یہ کیا پک رہا ہے؟" وہ رازداری سے بولے۔

"کچھ نہیں شاید چچی جان نے مرغی منگوائی تھی بازار سے۔ قورمہ پکا رہی ہیں اور مرغی کی بریانی۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ یعنی کے۔ یعنی کہ۔۔۔۔۔"

"جی ہاں۔ صبح سے چچی جان نے بھی کچھ نہیں کھایا۔ کہہ رہی تھیں رات کو بھی کھانا نہیں کھاؤں گی۔ بچوں کے لیے پکا رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ نہیں کھایا تو بہت اچھا کیا۔ اور ہم ہی کون سا کھائیں گے۔ ہم بھی ذات کے کھرے ہیں۔ کوئی دھنیے جلاہے نہیں ہیں جی ہاں۔ مگر یہ بریانی۔۔۔" وہ بے خیالی میں ہونٹ پر زبان پھیرنے لگے پھر چونک پڑے۔ "ہاں تو کیا گفتگو ہو رہی تھی؟"

"قورمہ اور بریانی۔" ظفری نے کہا۔

"نہایت نامعقول چیزیں ہیں دونوں کی دونوں۔ وہ شکیلہ کہاں ہے؟"

"وہ بھی کچن میں مصروف ہے۔"

"اور اس کا مطلب ہے تیاریاں زوردار ہیں۔ میرا خیال ہے دونوں چیزیں تیاری کے قریب ہوں گی؟"

"جی ہاں قطعی۔"

"اونہہ' ہوں گی ہمیں کیا۔ ہم بھی دھن کے پکے ہیں۔ ویسے بیگم صاحبہ کی کیا کیفیت ہے فاقہ کشی سے؟"

"ہلدی کی طرح پیلی پڑ گئی ہیں۔ پان بھی نہیں کھایا صبح سے۔" سعدی نے مطلق

صاحب کو چانس دیا۔ اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئے پھر بولے۔

"یہ ذرا تشویش کی بات ہے۔ بات دراصل یہ ہے میاں کہ ان کے والد صاحب قبلہ نہایت نفیس انسان تھے۔ ان کا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دیتے ہوئے انھوں نے رو کر کہا تھا' صاحبزادے خدا کے بعد تمھیں سونپ رہا ہوں۔ میں نے بڑے ناز ونعم سے پالا ہے۔ کبھی بھوکا نہ سونے دینا اور پھر نان نفقے کا کاغذ بھی لکھا ہے ہم نے ہم بھوکے رہیں کوئی بات نہیں ہے' لیکن انھیں بھوکا نہیں رہنا چاہیے۔ اور پھر مرغ بریانی۔ لاحول ولا۔ کوئی ہماری کمزوری تھوڑی ہے۔ بس ان کے والد صاحب مرحول کا خیال ہے ورنہ۔۔۔۔"

"ہم بات کریں چچی جان سے۔ صلح کرادیں آپ کی؟" ظفری نے پوچھا۔

"تمھاری مرضی ہے ورنہ میں تو۔ ٹھیک ہے' جاؤ کوشش کرلو۔" مطلق صاحب بولے اور سعدی اور ظفری اپنی جگہ سے اٹھ گئے بیگم صاحبہ واقعی مطلق صاحب کی رگ رگ سے واقف تھیں۔ قورمے اور بریانی کی وہ مار ماری تھی کہ حضرت مطلق چت ہوگئے تھے۔

بہرحال ان دونوں کی کوششوں سے صلح ہوگئی اور دسترخوان سج گیا۔ دوسرا دن حسب معمول تھا۔ شکیلہ پورے دن دفتر نہیں آئی تھی۔ وہ کاروباری مصروفیات میں گم رہی تھی جس کا نتیجہ تیسرے دن ظاہر ہوگیا۔ اخبار میں اشتہار چھپا ہوا تھا:

ایک حسین دوشیزہ کو ساتھی کی تلاش۔

نیچے لکھا تھا۔ "میری عمر انیس سال ہے۔ بے سہارا ہوں۔ دولت مند ہوں لیکن دل کا ہر گوشہ کسی کے پیار سے خالی ہے' کسی زندگی بھر کے ساتھی کی تلاش ہے۔ جو شوہر کی حیثیت سے میرا دوست اور میرا محافظ بن جائے۔"

رابطہ قائم کیجیے:

دفتر شادی۔ سویا رام سوجا رام بلڈنگ۔ کمرہ نمبر اٹھارہ۔

سعدی اور ظفری نے یہ اشتہار بیحد پسند کیا تھا۔ شکیلہ نے اپنی چند تصویریں بھی ان کے

حوالے کر دیں۔ اور اب دفتر میں اس کی موجودگی مناسب نہیں تھی۔ چنانچہ وہ چلی گئی۔

یہ دن تو خالی گیا لیکن دوسرے دن سے امیدوار آنے شروع ہو گئے بھانت بھانت کے جانور تھے۔

سرکاری دفتر کے ایک ہیڈ کلرک تھے۔ کنپٹیاں سفید تھیں لاغر۔ پتلون بشرٹ پہنے ہوئے آنکھوں پر موٹا چشمہ لگائے ہوئے۔ آواز نصف زنانہ نصف مردانہ۔ 'بفضل تعالیٰ چودہ سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ سرکاری کوارٹر میں رہتا ہوں۔ زندگی سکون سے گزر رہی ہے۔ کوئی پریشانی نہیں ہے۔''

''تو آپ پریشان ہونا چاہتے ہیں؟'' ظفری نے ان کے کوائف لکھتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں۔ شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''تجربہ ہے شادی کا؟''

''جی۔ جی ہاں۔ اہلیہ عزیزہ مرحومہ ہو گئی ہیں۔ پانچ سال پہلے داغ مفارقت دے گئی ہیں۔ تین بچے ہیں اور بس۔''

''بہتر ہے۔ آپ کے یہ کوائف خاتون کو پہنچا دیے جائیں گے۔ کوئی تصویر ہے آپ کے پاس؟''

''لایا ہوں۔ یہ ہے قبول فرمایئے۔'' ہیڈ کلرک صاحب نے ایک بوسیدہ تصویر نکال کر دیدی جو تقریباً پندرہ سال قبل کی ہو گی۔

''آپ کی تصویر درکار ہے حضرت۔''

''میری ہی ہے۔ میری ہی ہے۔ 'بس چند روز پرانی ہے آپ یہی دکھا دیں۔ عین نوازش ہو گی۔'' ہیڈ کلرک نے کہا۔ سعدی اور اس دوران رجسٹریشن فارم بھر چکا تھا۔ ہیڈ کلرک صاحب نے بخوشی رجسٹریشن فیس ادا کر دی تھی۔ دوسرے امیدوار ایک شاعر تھے۔ کہنے لگے۔

''اشتہار میں ایک درد بھری پکار ہے۔ تنہائی کرب سے چیخ رہی ہے۔ کسی محافظ کسی

ساتھی کو پکار رہی ہے۔ میں اس پکار کو سن کر چلا آیا۔ میں اس دوشیزہ کا ساتھ چاہتا ہوں۔ میں اس کا سائبان بنوں گا۔''

''بڑا نیک جذبہ ہے آپ کا' کیا کرتے ہیں؟''

''دردمندی' غمگساری۔ شاعری۔'' شاعر صاحب بولے۔

''خوب۔ تین تین کاروبار ہیں۔ آمدنی کیا ہے؟''

''بس عزت سے دال روٹی مل جاتی ہے۔''

''رجسٹریشن فیس لائے ہیں؟'' سعدی نے انھیں گھور کر دیکھا۔

''جی ہاں۔ کیا نذر کیا جائے؟''

''کل ایک سوتیس روپے چھ آنے۔''

''کچھ رعایت فرما دیں اتنے نہ دے سکیں گے۔''

''کتنے ہیں آپ کے پاس؟''

''اس وقت صرف تیس روپے ہیں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔''

''شام کا کھانا کہاں سے کھائیں گے؟'' ظفری بولا۔

''مشاعرہ ہے رات کو طعام کا بھی بندوبست ہے۔ اور پھر رازق حقیقی کا وعدہ بھی ساتھ ہے وہ بھوکا نہیں سلاتا۔''

''کوئی تصویر ہے آپ کے پاس؟''

''جی ہاں۔ یہ صبح وطن میں چھپی تھی۔ حاضر خدمت ہے۔'' شاعر صاحب نے اخبار کا ایک تراشہ پیش کر دیا جس میں کسی مشاعرے کا گروپ فوٹو چھپا تھا۔ ایک شاعر کی گردن پر موصوف کی تھوتھنی جھانک رہی تھی جو زبردستی گھسیڑ دی گئی تھی۔ بہرحال تیس روپے قبول کر لیے گئے۔

تیسری اور چوتھی شخصیت بھی رجسٹر کر لی گئی۔ البتہ پانچویں شخصیت ان سب پر بھاری تھی۔

یہ شخصیت جب دفتر کی عمارت کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی تو دور دور تک پتا چل رہا تھا کہ

کوئی آیا ہے۔ دروازہ کھلا اور وہ جھک کر اندر داخل ہو گئے۔

بیالیس انچ چوڑا سینہ' اڑتالیس انچ چوڑی توند۔ بوسکی کے شلوار کرتے میں ملبوس۔ گردن میں کالے ڈورے میں لٹکا ہوا تعویذ۔ بھنورے جیسے سیاہ بالوں میں خوشبو دار تیل پڑا ہوا۔ ہاتھ میں گولڈ لیف کا پیکٹ اور ماچس۔ بڑے ٹھسے سے مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔

ظفری اور سعدی نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور پہلوان جی نے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھنے کی کوشش کی لیکن اول تو کرسی ڈھیلی ڈھالی تھی۔ دوئم اس میں ہتھے لگے ہوئے تھے جو پہلوان جی کی چوڑائی سے کافی کم تھے۔ اس سے قبل کہ کوئی حادثہ ہو جاتا۔ ظفری نے جلدی سے دوسری کرسی لا کر پہلوان جی کے سامنے رکھ دی جس میں ہتھے نہیں لگے ہوئے تھے۔ پہلوان جی مسکراتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئے۔

"دولہا خاں ہے جی ہمارا نام۔" انھوں نے تعارف کرایا۔

"سبحان اللہ۔ صورت سے ہی دولہا معلوم ہوتے ہیں۔ فرمایئے ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"

"او جی اشتہار پڑھ کر آئے ہیں۔ شادی کرنی ہے۔"

"ضرور کریں۔ بغیر شادی کے آپ نامکمل دولہا ہیں۔"

"تو پھر کرا دو جی۔"

"ہو گئی' یوں سمجھیں بس ہو گئی۔ لڑکی بھی آپ جیسے تندرست اور توانا آدمی کی خواہشمند ہے۔"

"ضرور جی۔ آجکل کے مریل لونڈوں میں کیا رکھا ہے۔ گردن پکڑ لو تو دم نکل جائے۔ تو پھر کدھر ہے جی چھوکری موکری۔"

"چھوکری اپنی موکری کے ساتھ اپنے گھر میں ہے پہلوان صاحب' آپ اپنی کوئی تصویر لائے ہیں؟"

"او جی! اس ٹیم تو نہیں لائے۔ اب کے آئیں گے تو لے آئیں گے تو پھر کیا کرنا پڑے گا شادی کے لیے۔"

"اپنے بارے میں تفصیلات بتا دیں۔ اور بھی کئی امیدوار آئے ہیں اس اشتہار کے جواب میں۔ ہم ساری تفصیلات اس لڑکی کو پہنچا دیں گے۔ وہ جسے بھی پسند کر لے۔"

"اور بھی آئے تھے۔ اور ان میں رفیق تو نہیں تھا؟" پہلوان جی چونک کر بولے۔

"کون رفیق؟"

"او جی نہ پوچھو۔ نہ پوچھو اس کے بارے میں۔ اپنا پرانا دشمن ہے اکھاڑے میں چت کیا تھا ہم نے ایک بار اسے۔ بس اسی وقت سے دشمنی لگ گئی ہے۔ ہم نے دس بھینسیں پالیں تو اس سسرے نے بیس پال لیں۔ حرام کا مال آتا ہے اس کے پاس۔ تو وہ ہم سے پہلے ادھر آ گیا۔"

"نہیں رفیق نامی کوئی امیدوار نہیں آیا پہلوان جی۔ آپ مطمئن رہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ تصویر لا دیں گے ہم۔ چھوکری کی کوئی تصویر ہے تمھارے پاس؟" دولہا خاں نے پوچھا اور سعدی نے شکیلہ کی تصویر ان کے سامنے رکھ دی۔ پہلوان جی نے تصویر دیکھی اور مر مٹے۔ ان کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ تصویر پر عاشق ہو گئے ہیں۔

"لو جی پھر کرا دو شادی ہماری۔ ہمیں لڑکی پسند ہے۔"

"آپ کا کیا کاروبار ہے دولہا میاں؟" ظفری نے پوچھا۔

"دودھ بیچتے ہیں اور پہلوانی کرتے ہیں۔ مہینے میں دو چار جوڑ مار لیتے ہیں۔ اس سے بھی آمدنی ہوتی ہے۔ بڑی آمدنی ہے جی دولت کی کوئی فکر نہیں ہے۔ بس تم اس سے شادی کرا دو۔"

"ہم پوری کوشش کریں گے۔ آپ رجسٹریشن فیس ادا کر دیں۔"

"کتنی ہوئی جی؟"

"چار سو اسی روپے بنتے ہیں کل۔"

"لو جی یہ پانچ سو رکھو ہماری طرف سے۔ دولت کی کوئی کمی نہیں ہمارے پاس۔"

پہلوان جی نے پانچ سو روپے کے نوٹ نکال کر ان کے سامنے ڈال دیے اور تصویر جیب میں رکھ لی۔ "کام ضرور بننا چاہیے ہمارا۔ تم یوں کرو کہ دوسرے امیدواروں کی بات ہی نہ کرو اس سے اس طرح ہم اکیلے رہ جائیں گے اور ہمارا کام بن جائے گا۔"

"اس طرح مشکل ہو جائے گی پہلوان جی۔" سعدی بولا۔

"او کیا مشکل ہو جائے گی بھائی؟"

"دوسرے تین امیدواروں کی فیس واپس کرنی پڑے گی۔"

"تو کر دو واپس۔ تین امیدواروں نے پندرہ سو روپے دیے ہوں گے تمھیں۔ لو یہ ہم سے لو۔ دولت کی کوئی کمی نہیں ہے ہمارے پاس۔" پہلوان جی نے نوٹوں کی گڈی نکالی اور پندرہ سو روپے مزید ادا کر دیے۔

"ٹھیک ہے ظفری دوسرے امیدواروں کے فارم پھاڑ دو پہلوان جی کے سامنے۔" سعدی نے کہا اور ظفری نے فارم پھاڑ دیے۔ پہلوان جی مطمئن ہو گئے تھے۔ پھر وہ اٹھ گئے۔ اور پھر دیر تک ان کے قدموں کی دھمک سنائی دیتی رہی۔

سعدی اور ظفری ایک دوسرے کے گلے لگ گئے تھے۔ "یار ظفری یہ شکیلہ تو بڑی بھاگوان ثابت ہوئی ہے ہمارے لیے۔ یہ سب اس کی برکت ہے دو تین دن میں پانچ ہزار کما لیے۔ اگر اسی طرح یا کاروبار چلتا رہا تو۔۔۔۔۔"

"بس بس۔ خوش فہمی کا شکار مت بنو۔ یہ کاروبار چند روزہ ہے۔ جس روز کسی کے چنگل میں پھنس گئے تو نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

"اس وقت دیکھا جائے گا یا۔ فی الحال مستقبل کے اندیشوں کا شکار نہ بنو۔ اور پھر اس میں شکیلہ کی کارکردگی بھی تو ہوگی۔" سعدی نے کہا اور ظفری خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد کوئی اور امیدوار نہیں آیا۔ ہاں دفتر بند ہونے میں تھوڑی ہی دیر رہ گئی تھی کہ ایک بار پھر شاید پہلوان جی اس

بلڈنگ میں داخل ہوئے تھے۔ قدموں کی دھمک یہی بتا رہی تھی۔ اور پھر یہ گرج چمک انھی کے دروازے پر ختم ہوئی۔ لیکن اندر داخل ہونے والے پہلوان جی نہیں تھے بلکہ ابھی کا ہم پلہ ایک اور شخص تھا۔ یہ شخص بہترین تن و توش کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ کسی قدر خوفناک شکل کا مالک بھی تھا۔ اندر آ کر اس نے کرسی گھسیٹی اور بیٹھ گیا۔

"ایک بات بتاؤ بھائیو! تم میں سے اس دفتر کا مالک کون ہے؟"

"ہم دونوں ہیں۔ کیا بات ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ اب دوسری بات بتاؤ۔ دولہا خاں گھوسی ادھر آیا تھا؟"

"دولہا خاں۔ ہاں پہلوان دولہا خاں آئے تھے۔ انھوں نے رجسٹریشن کروایا ہے اپنا۔"

"کیسا رجسٹریشن؟"

"شادی کے لیے۔"

"لڑکی پسند آ گئی ہے اسے؟"

"بہت زیادہ۔" سعدی نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔ لڑکی کے گھر والوں سے بات ہو گئی اس کی؟"

"ابھی نہیں۔"

"پھر بن گیا کام۔ لو جی سگریٹ پیو باہر کا مال ہے۔" اس نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ان کے سامنے کر دیا اور دونوں کی معذرت کے بعد خود ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبا لی۔ "لالے کی جانو۔ تمھیں اپنا کام کرنا ہے ایک۔ مال کی پرواہ نہیں جتنی رقم لگے لگاؤ۔ پر شادی اس لڑکی کی ہم سے ہونی چاہیے۔"

"آپ کا نام رفیق ہے؟" سعدی نے پوچھا۔

"اوئے تمھیں کیسے معلوم؟" دوسرے پہلوان نے تعجب سے پوچھا۔

"دولہا خاں نے پوچھا تھا آپ کے بارے میں وہ آپ کو کشتی میں ہرا چکے ہیں۔"

"اوئے اس کے علاوہ وہ کیا کہہ سکتا ہے۔ بس ایک ہی تو غلطی ہوگئی تھی ہم سے۔ ننگوی پھنس گئی تھی پلٹی لگائی تو کمر لگ گئی مٹی سے۔ پر اب وہ نہیں لڑتا ہم سے۔ جان بچا کر بھاگا پھرتا ہے بہانہ یہ بنایا ہے کہ ہارے ہوئے سے وہ نہیں لڑتا۔ پر بہت ہی کمینہ انسان ہے۔ ہم نے اسے ہر جگہ شکست دی ہے جی دس بھینسیں اس کی ہیں تو بیس ہماری۔ آٹھ بیگھہ زمین اس نے خریدی ہے تو سولہ بیگھہ ہماری ہے۔ کہیں اس سے کچی نہیں کھائی۔ پر بس کیا کریں ننگوی پھنس گئی تھی۔ پلٹی کھائی تو کمر لگ گئی۔ ہاں تو دوستو پھر بولو اس لڑکی سے شادی کرنی ہے جسے اس نے پسند کیا ہے۔"

"مشکل کام ہوگا۔" سعدی بولا۔

"مال کی پروا مت کرو۔ تمھیں یہ کام کرنا ہے۔ کتنی رقم دی ہے اس نے؟"

"پانچ ہزار۔"

"ہم سے چھ ہزار لو۔ کام بن جانے پر ایک ہزار اوپر سے۔ مگر کام ہونا چاہیے۔"

"ہم کوشش کریں گے۔" ظفری بولا۔

"کام ہونا ہی چاہیے بادشاہو۔ یہ نوٹ سنبھالو اور کوشش شروع کر دو۔" رفیق پہلوان نے کہا اور چھ ہزار روپے گن کر رکھ دیے۔ ظفری اور سعدی کا دل دھڑک رہا تھا۔ رفیق پہلوان کے جانے کے بعد انھوں نے دفتر بند کیا اور نیچے اتر آئے۔ ان کے قدم لرز رہے تھے۔ ساری زندگی اتنی بڑی رقم ہاتھ نہیں آئی تھی۔

وہ ایک ریستوران میں داخل ہوگئے۔ گھر جانے سے پہلے کچھ گفتگو کرنی تھی۔ دونوں خاموش تھے۔ "کیا سوچ رہے ہو ظفری؟" سعدی نے پوچھا۔

"یار گھپلا نہ ہو جائے سعدی۔ میری رائے تو یہ ہے کل سے دفتر بند کر دو۔ امید وار خطرناک ہیں آسانی سے جان نہ چھوڑیں گے۔"

"اونہہ۔ ایسی بزدلی بھی اچھی نہیں ہے۔ شکیلہ سے بھی تو مشورہ کر لو۔ اگر وہ دونوں کو ناپسند کر دے تو یہ لوگ کیا بگاڑ دیں گے ہمارا؟"

"وہ تو ٹھیک ہے، بہرحال جیسی تمھاری مرضی۔ دیکھیں شکیلہ اس سلسلے میں کیا کہتی ہے۔" رات کو شکیلہ کے ساتھ میٹنگ ہوئی اور انھوں نے آج کی کمائی اس کے سامنے رکھ دی۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ آپ دونوں حضرات ہی بزدل ہیں۔ کہیں اس طرح کام ہوتا ہے، چلنے دیں دونوں کو جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" شکیلہ نے ہنس کر کہا اور رقم میں سے اپنا حصہ وصول کر لیا۔

"تو پھر اب کیا کیا جائے؟"

"رجسٹریشن کرتے رہیں۔ ان میں سے ایک کو کل بارہ بجے کا وقت دیدیں اور دوسرے کو پرسوں بارہ بجے کا۔" میں ان دونوں سے دفتر میں ہی ملاقات کر لوں گی۔" شکیلہ نے کہا۔ اور اس نے ان دونوں کو کافی تسلیاں دی تھیں۔

پہلوان دولہا خاں دوسرے دن ساڑھے دس بجے آئے تو انھیں بارہ بجے کا وقت دے دیا گیا۔ ٹھیک بارہ بجے شکیلہ دفتر میں داخل ہوئی تھی۔ خوبصورت لباس میں وہ واقعی حسین لگ رہی تھی۔ سعدی نے اسے اندر کمرے میں پہنچا دیا۔ کرسیاں کمرے میں ڈلوا دی گئی تھیں۔ پھر دولہا خاں پہنچ گئے۔

"لڑکی آ چکی ہے۔ آپ تشریف رکھیے ہم اسے یہاں بلائے لیتے ہیں۔" اور دولہا خاں بیٹھ گئے۔ ظفری شکیلہ کو بلا لایا تھا۔ پہلوان جی ریشہ خطمی ہو گئے۔ پھر انھوں نے شرمائے لہجے میں کہا۔

"آیئے جی۔ تشریف رکھیے۔ اور آپ لوگ اندر جاؤ جی۔ ہم ذرا تنہائی میں باتیں کریں گے۔"

"بہت بہتر۔" دونوں نے کہا اور اندر چلے گئے۔

"تو آپ ہیں دولہا خاں؟"

"پہلوان۔" دولہا خاں بولے۔

''وہ تو شکل سے لگتے ہیں۔'' شکیلہ بولی۔

''تو پھر کیا سوچا جی آپ نے؟'' دولہا خاں نے پوچھا۔

''بات دراصل یہ ہے دولہا خاں کہ میں نئے زمانے کی لڑکی ہوں۔ میرے شوہر کو بھی میری طرح ماڈرن ہونا چاہیے۔''

''ہو جائیں گے جی آپ کے لیے۔''

''آپ سوٹ نہیں پہنتے؟''

''ابھی تک تو نہیں پہنتے۔''

''مگر میں آپ کو سوٹ میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ کوٹ' پینٹ ٹائی۔ مجھے ایک اسمارٹ شوہر کی تلاش ہے۔''

''کل ہی لو جی' ارجنٹ بنوا لیں گے۔''

''تو پھر اس کے بعد آپ کو دیکھ کر فیصلہ کروں گی۔ ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' شکیلہ نے کہا۔

''کچھ تو کہو جی۔ ہم تو کل سے بہت پریشان ہیں۔ قسم خدا پاک کی بس تصویر دیکھ دیکھ کر جی رہے ہیں آپ کی۔''

''سوٹ پہن کر آئیں اس کے بعد بات ہوگی۔'' شکیلہ نے کہا۔

''ٹھیک ہے جی مگر ایک وعدہ تو کر لیں۔ جب تک ہم سے دوسری ملاقات نہ ہو کسی اور کو پسند نہ کریں۔'' پہلوان جی نے کہا اور شکیلہ نے وعدہ کر لیا۔ پہلوان جی رخصت ہو گئے اور سعدی اور ظفری باہر نکل آئے دونوں ہی مسکرا رہے تھے۔

''واہ شکیلہ تم نے تو نہایت آسانی سے مسئلہ حل کر دیا۔ مگر اب کیا ہوگا اگر وہ سوٹ پہن کر آ گئے تو؟''

''اس وقت دیکھا جائے گا۔ مستقبل کی فکر کیوں کرتے ہو۔'' شکیلہ نے لاپروائی سے

جواب دیا۔

طے یہ ہوا کہ زیادہ ہوس اچھی نہیں ہوتی۔ جب تک یہ سلسلہ نہ ختم ہو جائے کوئی دوسرا اشتہار نہ دیا جائے۔ یوں بھی اس دوران تین رجسٹریشن اور ہوئے تھے اور ابھی تک اس اشتہار کے اثرات باقی تھے۔ دولہا خاں تو اس دن کے بعد ابھی تک نہیں آئے تھے لیکن رفیق پہلوان تین دفعہ آ چکے تھے۔ چوتھے دن ان سے ملاقات کا پروگرام بن گیا تھا۔

مطلق صاحب کے ہاں کے معاملات حسب معمول چل رہے تھے۔ بیگم صاحبہ سے اس کے بعد کوئی نئی جھڑپ نہیں ہوئی تھی اور حالات پر سکون تھے۔ بہرحال چوتھے دن رفیق پہلوان اس وقت دفتر میں داخل ہوئے جب شکیلہ بھی پہنچ چکی تھی۔ تینوں بیٹھے انہی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔

''آیئے رفیق صاحب۔ آپ ہی کا انتظار ہو رہا تھا۔'' سعدی نے خوش اخلاقی سے کہا۔ رفیق صاحب کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ کسی اور کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوئے تھے۔

''تو آپ ہیں شکیلہ بی بی؟''

''جی ہاں میں ہوں۔ تشریف رکھیے۔''

''شکریہ جی ان لوگوں نے۔۔۔۔''

''مجھے آپ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔''

''تو پھر کیا خیال ہے جی؟''

''ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ آپ کو دیکھوں گی' پرکھوں گی اس کے بعد ہی فیصلہ کر سکتی ہوں۔ اس دفتر کی معرفت آپ سے ملاقات ہو گئی۔ اس کے بعد ہم دوسری ملاقات یہاں سے باہر کریں گے۔''

''ضرور جی! فلم دیکھتی ہیں آپ؟''

''ہاں۔ لیکن تنہا۔ آج تک کسی اور کے ساتھ فلم دیکھنے نہیں گئی۔''

"ہمارے ساتھ تو چلیں گی جی۔" رفیق صاحب دانت نکال کر بولے اور شکیلہ مسکرانے لگی۔

"ابھی نہیں رفیق صاحب پہلے میں۔۔۔" ابھی شکیلہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ دروازے سے ایک عجیب الخلقت انسان اندر داخل ہو گیا۔ گہرے نیلے رنگ کے چوخانے کے سوٹ میں ملبوس جو اس کے بدن پر ٹائٹ تھا۔ گردن میں ٹائی بھی تھی جو لٹک کر ڈھیلی ہو گئی تھی۔ بری حالت تھی اس گرم سوٹ میں ان کی، اور یہ دولہا خاں تھے۔

وہ مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔ لیکن انھیں دیکھ کر بقیہ لوگوں کی مسکراہٹ کافور ہو گئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے سب کے سب گم صم ہو گئے تھے۔ لیکن پھر ظفری نے اپنے آپ کو سنبھال کر پرتپاک انداز میں کہا۔

"اوہ دولہا خاں صاحب آپ؟"

"اوئے رفیقے تو۔ تو یہاں کیا کر رہا ہے؟" دولہا خاں صاحب باقی تمام لوگوں کو بھول گئے۔ رفیق کو دیکھ کر ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ رفیق بھی تن کر کھڑا ہو گیا۔ سعدی ضروری سامان سمیٹنے لگا تھا۔

"ہاں تمھارا یار رفیق چوہدری۔"

"تو یہاں کیسے آیا؟"

"سیڑھیاں چڑھ کر دولہا خاں۔ شادی ہو رہی ہے اپنی اس بی بی سے۔" رفیق نے شکیلہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ شکیلہ بھی اس اچانک افتاد سے گھبرا گئی تھی۔ دولہا خاں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"یہ نہیں ہو سکتا رفیقے۔ وہ میری جورو بننے والی ہے۔"

"ایسا تو ہو گا دولہا خاں۔ بلکہ دو ایک دن میں ہو جائے گا۔ رفیق چوہدری کسی سے کم نہیں ہے مگر یہ تمھیں کیا ہو گیا دولہا خاں یہ پہنے کیا ہوئے ہو؟" رفیق ہنس پڑا۔

"دانت نکال دوں گا رفیقے۔ اپنی اوقات میں رہ کر بات کر۔"

"اوئے تو اپنی اوقات کی بات کر دولہا خاں۔ ہمیشہ مجھ سے بھاگتا ہے۔ ایک بار ٹنگڑی لگ گئی۔ بار بار تھوڑی لگے گی۔ شادی تو اب میری ہی ہو گی شکیلہ سے۔"

"اوئے تم لوگوں نے رفیقے سے بات کیوں کی جب میں نے تمھیں رقم دی تھی۔" دولہا خاں کو اچانک ان دونوں کا خیال آ گیا۔

"یہ دفتر شادی ہے جناب۔ یہاں سب کو آنے کی اجازت ہے۔" سعدی بولا۔

"تمھاری بھینسوں کا باڑہ نہیں ہے دولہا خاں۔ میری بیس بھینسیں ہمیشہ تمھاری دس بھینسوں پر بھاری رہیں گی۔"

"ان سالوں سے تو میں بعد میں نمٹ لوں گا رفیقے۔ آج تیری شامت ضرور آئے گی۔ آ کھڑا ہو جا فیصلہ ابھی ہو جائے گا۔"

"اوئے سوٹ پہن کر فیصلہ کرو گے۔ دولہا خاں؟ آ جاؤ تمھاری مرضی۔" رفیق پہلوان بھی کھڑا ہو گیا۔

"پوزیشن۔ پوزیشن پلیز۔ کرسیاں ایک طرف ہٹا دی جائیں۔" ظفری بولا اور اس نے خود ہی درمیان سے کرسیاں ہٹا دیں۔ رفیق اور دولہا خاں ایک دوسرے کے مقابل آ گئے تھے اور ظفری ان دونوں میں ریفری کی طرح کھڑا ہوا تھا۔ شکیلہ اور سعدی کو اس نے دروازے کی طرف کھسکنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ دونوں غیر محسوس انداز میں دروازے کی طرف کھسک رہے تھے۔

پہلوان ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے پینترے بدل رہے تھے اور ظفری خود ان دونوں کی لپیٹ میں آنے سے بچنے کے لیے چوکس تھا۔ جونہی دونوں پہلوان ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوئے سعدی اور شکیلہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں طے کر رہے تھے اس بلڈنگ کا کیا ٹھکانہ۔

اور ہوا بھی یہی۔ بلڈنگ میں بھونچال آ گیا تھا۔ لوگ اپنے اپنے دفتروں سے نکل

آئے تھے اور ایک دوسرے سے احوال پوچھ رہے تھے۔ "شاید زلزلہ آگیا ہے بھاگو۔" سعدی نے کہا اور اس کے بعد بلڈنگ میں بھگدڑ مچ گئی۔ ظفری بھی نیچے اتر آیا تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے صورتحال بتائی۔

"رفیق پہلوان اکھاڑے میں اپنی شکست کا بدلہ لے رہا ہے۔ ابھی تک وہ دولہا خاں پر حاوی ہے۔ میز درمیان سے دو ٹکڑے ہو چکی ہے دونوں کرسیاں فرش بوس ہیں اور ان کے اعضاء بکھر گئے ہیں۔ غرض یہ کہ فرنیچر نام کی اب کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے پھر اب دیواروں اور کھڑکیوں کی باری آنے والی ہے۔"

"گویا یہ دفتر ختم؟" سعدی گلوگیر آواز میں بولا۔

"دفتر ختم نہ ہوا تو پھر ہمیں ختم ہونا پڑے گا۔ دونوں بگڑے ہوئے سانڈ جب تھک جائیں گے تو ہمارے بارے میں سوچیں گے اور پھر اس رقم کے بارے میں جو ہمیں دے چکے ہیں۔"

"پھر کیا کیا جائے؟"

"آؤ یہاں سے چلیں' بلڈنگ کی حالت بہت خراب ہوگئی ہے۔ ممکن ہے کچھ دیر بعد ہماری تلاش شروع ہوجائے۔" ظفری نے کہا اور تینوں واپس چل پڑے۔ رخ مطلق صاحب کے مکان کی جانب تھا بلکہ پہلے وہ کسی جگہ پہنچ کر تھوڑی دیر سکون کی سانسیں لینے کے خواہش مند تھے تاکہ اس ناگہانی سے نمٹنے کے لیے کوئی موثر ترکیب سوچی جاسکے۔

ایک چھوٹے سے ریستوران کی میز کے گرد تینوں جا بیٹھے۔ ٹھنڈے مشروبات طلب کیے گئے اور انھیں معدے میں اتارنے کے بعد تینوں گفتگو کے لیے تیار ہوگئے۔

"ہاں تو صاحبان علم ودانش اس حادثے سے کئی سوال پیدا ہوگئے ہیں جن پر غور کرنا ضروری ہے۔ اول بلڈنگ والوں پر اس حادثے کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ دوئم ان دونوں کی کیا کیفیت رہی کہیں ان میں سے کوئی شدید زخمی نہ ہوگیا ہو۔ اگر یہ صورت حال رہی تو ہم پریشانی کا شکار ہوسکتے ہیں۔ ہر چند کہ لوگوں کو ہمارے بارے میں کچھ معلومات حاصل نہ ہوسکیں گی لیکن

اس کے باوجود اس خیال کو مدنگاہ رکھا جائے کہ ہم اس شہر میں ہیں اور یہیں رہنا ہے۔ کسی مشکل میں پھنسے تو بیچارے مطلق صاحب بھی پریشانیوں کا شکار ہوں گے۔ اور یہ بات کسی قیمت پر برداشت نہیں کی جاسکتی۔"

"بیشک۔" تائید کی گئی۔

"تو پھر ان حالات کی روشنی میں کیا کیا جائے؟"

"دفتر کا خاتمہ ضروری ہے۔ یوں بھی اس بلڈنگ کی کیفیت بیحد مخدوش تھی کسی بھی وقت کوئی خوف ناک حادثہ ہوسکتا تھا۔ دفتر شادی کی ہی کی بات ہے تو کہیں اور بھی قائم کیا جاسکتا ہے۔" شکیلہ نے کہا۔

"ضروری نہیں ہے کہ دفتر شادی ہو۔ کہیں بھی اور کوئی کاروبار کیا جاسکتا ہے۔ بس سوال اس دفتر کا ہے۔"

"کون سا دفتر؟" ظفری بولا۔

"میں اسی دفتر شادی کی بات کررہا ہوں۔" سعدی نے کہا۔

"تمھیں کیا ہوگیا ہے سعدی۔ نہ جانے کون سے دفتر کی بات کررہے ہو۔ ہمارا کوئی دفتر نہیں تھا۔ رہی سویا رام سوجا رام بلڈنگ کی بات تو اب بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کیا جائے ورنہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ اور دینے کے لیے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ کیوں مس شکیلہ؟" ظفری نے کہا۔

"میں آپ سے متفق ہوں ظفری۔"

"چنانچہ اب ہمیں کسی دوسرے کاروبار پر غور کرنا ہے۔ ویسے چند روز آرام بھی کیا جاسکتا ہے۔ یونیورسٹی اچانک بند ہوگئی ہے اس لیے اب گھر پر گزارا کرنا پڑے گا۔"

"ہاں بیگم صاحبہ کی خدمت بھی تو فرض ہے۔ آخر جنت کمانی ہے۔ ٹھیک ہے بہت سے کام رکے ہوں گے۔ ہماری وجہ سے ہمیں چاہیے کہ انھیں انجام دیں۔ بلڈنگ کے سلسلے میں جو ہوگا

دیکھا جائے گا۔"

اور یہ بات طے ہو گئی لیکن ابھی وہ تینوں ریستوران میں ہی تھے کہ ایک نوجوان شخص ریستوران میں داخل ہوا اور ظفری اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ "اوہ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی۔ ہاں ہاں پلٹ کر مت دیکھنا۔"

"کون ہے؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"زاہد۔ آپ کے عاشق نامدار۔" ظفری نے جواب دیا۔

"زاہد؟" شکیلہ نے دہرایا۔ اور پھر چونک پڑی۔ لیکن اس نے پلٹ کر اب بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ پھر اس نے پوچھا۔ "کہاں ہیں حضرت؟"

"بیٹھ چکے ہیں تھکے ہوئے ہیں شاید۔ ابھی تک انھوں نے مجھے نہیں دیکھا ہے۔"

"ہیں کون یہ موصوف کچھ مجھے بھی تو معلوم ہو؟" سعدی نے بے چینی سے پوچھا۔

"اُفوہ۔ سمجھتے کیوں نہیں سعدی۔ مسز تیمر کے صاحبزادے جو شکیلہ سے عشق کا دعویٰ رکھتے ہیں اور جو ہمیں ڈھائی ہزار روپے ادا کر چکے ہیں۔"

"تم نے ان سے کوئی وعدہ کیا تھا؟" سعدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔ بس ڈھائی ہزار روپے اور ایک سوٹ لے کر زبان بند کر لی تھی۔"

"کیا خیال ہے شکیلہ؟"

"میں بھی انہی لائنوں پر سوچ رہی ہوں بھائی جان۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"بھائی جان؟" سعدی چونک پڑا۔

"تو اور کیا۔ پرسوں ہی تو آپ سعودی عرب سے آئے ہیں اور بڑی مشکل سے میں آپ کو ملی ہوں۔ آہ کس قدر تکلیفیں اٹھائی ہیں میں نے آپ کی غیر موجودگی میں۔" شکیلہ نے درد بھرے لہجے میں کہا اور ظفری ہنس پڑا۔

"ونڈرفل آئیڈیا۔ بس سعدی زیادہ تر خاموش رہنا ہماری گفتگو سے تم نتیجہ تو اخذ کر رہی

سکتے ہو۔ ان حالات کی روشنی میں۔"

"مگر کوئی پروگرام؟" سعدی نے دانت پیس کر کہا۔

"ابھی کوئی پروگرام ذہن میں نہیں ہے۔ لیکن کچھ نہ کچھ بن ہی جائے گا۔" ظفری نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"ارے کہاں چلے؟" سعدی بولا۔

"پہلے باتھ روم اور وہاں سے واپسی پر جناب زاہد تیمر سے ملاقات کروں گا۔" ظفری نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ سعدی پر خیال نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا تھا اور باتھ روم ریستوران کے دوسرے کونے پر تھا وہاں سے واپسی میں ظفری نے جان بوجھ کر ایسا راستہ اختیار کیا کہ زاہد سے اس کا سامنا ہو جائے اور یہی ہوا۔ زاہد نے خود ہی اسے مخاطب کیا تھا۔

"ارے اوہ فاروقی صاحب۔ اوہ فاروقی صاحب۔" اس نے پکارا اور ظفری چونک کر رک گیا۔ پھر وہ مسکراتا ہوا زاہد کے پاس پہنچ گیا۔

"اوہ زاہد صاحب! خوب ملاقات ہوئی آپ سے کیسے مزاج ہیں؟"

"جی رہے ہیں بس۔ کٹ رہی ہے زندگی۔ آپ سنائیے۔ شکیلہ سے دوبارہ ملاقات ہوئی یا نہیں؟"

"بڑے انوکھے اتفاقات ہوئے ہیں ان دنوں۔ آپ سنیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔"

"خیریت ویسے شکیلہ سے آپ کی ملاقات ہوئی؟"

"ہاں۔" ظفری گہری سانس لے کر بولا۔

"کہاں۔ وہ خیریت سے تو ہے؟"

"تھوڑے دن قبل خیریت سے نہیں تھی لیکن اب سب ٹھیک ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"طویل کہانی ہے پھر کبھی تفصیل سے۔" ظفری بولا۔

"نہیں فاروقی صاحب تشریف رکھیے۔ آپ کو قسم ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ ان دنوں میں اس کی تلاش میں کس قدر پریشان رہا ہوں۔ براہ کرم تشریف رکھیے بیرا۔ اے بیرا۔" زاہد نے بیرے کو بلا کر ظفری کے لیے بھی ایک مشروب کا آرڈر دے دیا۔ اور ظفری بیٹھ گیا۔

"کیا آپ کو شکیلہ کی قیام گاہ معلوم ہے؟" زاہد نے پوچھا۔

"دونوں بھائی بہن شاید کسی ہوٹل میں مقیم ہیں۔"

"بھائی بہن؟"

"ہاں شکیلہ کے سعدی فاروقی سعودی عرب سے واپس آ گئے ہیں۔ میں نے کہا نا ایک لمبی کہانی ہے۔"

زاہد کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس نے طویل سانس لے کر لجاجت سے کہا۔ "بھائی نوید فاروقی۔ تم سے میری ملاقات ایک دلچسپ اتفاق کے تحت ہوئی تھی۔ لیکن اب تو ہم دونوں ایک دوسرے کے شناسا ہیں۔ کیا ہم گہرے دوست نہیں بن سکتے؟"

"بن سکتے ہیں بلکہ کسی قدر بن گئے ہیں۔" ظفری نے کہا۔

"میں تمہیں دل کی بات کسی حد تک پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ مزید سن لو کہ میں شکیلہ سے عشق کرتا ہوں۔ دل و جان سے چاہتا ہوں اسے۔ وہ ہمارے گھر ٹیوشن کرنے آتی تھی لیکن میرا بس چلتا تو اسے اس گھر کی مالکہ بنا دیتا۔ تاہم میں اس سے شادی کا خواہشمند ہوں۔ کیا تم اس سلسلے میں میری مدد نہیں کر سکتے؟"

"سو فیصدی کر سکتے ہیں۔" ظفری نے گردن ہلا دی۔

"آہ پیارے بھائی۔ اس سلسلے میں میری مدد کرو میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ مجھے ان دونوں سے ملا دو۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔" زاہد بیتابی سے بولا۔

"لیکن مسٹر زاہد! کیا آپ کی والدہ آپ کو اس شادی کی اجازت دے دیں گی۔ ظاہر ہے آپ بڑے لوگ ہیں اور آپ کی والدہ شکیلہ کو ایک معمولی لڑکی کی حیثیت سے جانتی ہے۔ پھر یہ

کیسے ممکن ہے؟"

"میں کسی نہ کسی طرح اسے ممکن بنا لوں گا۔ بس تم ان لوگوں سے ملاقات کرا دو۔"

"یہ کام میں بہت جلد کر دوں گا۔ دراصل بیچاری شکیلہ نے بڑی مشکل زندگی گزاری ہے۔ وہ اپنے والد کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کا بھائی سعدی فاروقی باپ سے ناراض ہو کر ملک سے باہر چلا گیا تھا۔ اس کے بارے میں شکیلہ کو کوئی اطلاع نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے۔ پھر اچانک باپ کا انتقال ہو گیا اور بیچاری شکیلہ دربدر ہو گئی۔ عزت کی زندگی اس کے لیے دشوار ہو گئی۔ ایک تنہا اور بے سہارا لڑکی نہ جانے کس کس طرح زندگی گزارتی رہی۔ باہمت تھی اس لیے عزت و عفت بچا کر زندگی کے برے وقت کو ٹالتی رہی اور۔۔۔ پھر تقدیر کی سیاہی چھٹ گئی۔ شکیلہ کی زندگی کی تاریک رات ڈھل گئی۔ اس کے بھائی کو کسی طرح اپنے باپ کی موت کا علم ہو گیا اور وہ سعودی عرب سے واپس آ گیا۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا یہ۔۔۔"

ظفری کو کسی فلم کا ریڈیو پروگرام یاد آ گیا تھا۔ چنانچہ اس کا لہجہ ویسا ہی ہو گیا تھا۔ لیکن زاہد اس کہانی سے بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے تھے۔ اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"بہت درد بھری کہانی ہے اس کی۔ آہ کاش وہ مجھے بتا دیتی' سب کچھ بتا دیتی۔"

"سعدی یہاں آ گیا لیکن وہ بے حد پریشان ہے۔"

"کیوں؟" زاہد نے پوچھا۔

"اجنبی ہے یہ ملک اس کے لیے۔ بچپن ہی سے گھر سے باہر رہا ہے۔ نہ کوئی پرسان ہے اور نہ شناسا۔ کوئی کاروبار کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے لیے بھی جگہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی دفتر جہاں بیٹھ کر وہ زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھانے کا کاروبار شروع کرے۔ تم نہیں جانتے زاہد عزت دار آدمی کے لیے عزت بچانا کتنا مشکل کام ہے۔"

"بالکل ٹھیک' لیکن اس سلسلے میں میں ان کی مدد کر سکتا ہوں۔"

"تم؟"

"ہاں۔ میں انھیں دفتر مہیا کر سکتا ہوں۔ یہاں کے ایک بہترین کاروباری علاقے میں میرا ایک دفتر جو خالی پڑا ہے۔ ایک بلڈنگ تعمیر ہو رہی تھی میں نے اس میں دفتر حاصل کر لیا جو خالی پڑا ہے۔"

"آہ۔ مگر وہ خوددار۔ وہ غیور آدمی تمھاری مدد کیسے قبول کرے گا؟"

"میں بھی تو ان کا اپنا ہوں۔" زاہد شرمیلے لہجے میں بولا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن مسٹر زاہد! کچھ اور قربانی دینی ہوگی آپ کو۔" ظفری کے ذہن میں فوری طور پر ایک پلان آ گیا تھا۔

"کیا؟"

"وہ میں ابھی نہیں بتاؤں گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ سعدی اور شکیلہ سے ملاقات کرنا چاہتے ہو؟"

"تمھاری نوازش ہوگی دوست۔" زاہد لجاجت سے بولا۔

"تب اٹھو۔ تم خوش قسمت ہو۔ میری طرف سے اس خوش بختی کی مبارک باد قبول کرو میں تمھیں ابھی اور اسی وقت ان لوگوں سے ملوا سکتا ہوں۔ اٹھو۔" ظفری نے کہا اور زاہد جلدی سے اٹھ گیا۔

ظفری کے ساتھ چند قدم چل کر وہ اس میز پر پہنچا جہاں سعدی اور شکیلہ بیٹھے ہوئے تھے اور پھر ان دونوں کو دیکھ کر اس کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ شکیلہ نے اسے دیکھ کر چونکنے کی اداکاری کی تھی۔ لیکن زاہد منہ پھاڑے کھڑا رہا تھا۔

"جناب سعدی فاروقی صاحب۔ میں آپ کو اپنے ایک عزیز ترین دوست سے ملانا چاہتا ہوں۔" ظفری نے کہا۔

"ضرور ضرور۔ تشریف رکھیے آپ لوگ۔" سعدی نے کہا۔

"بیٹھو بھئی۔" ظفری بے تکلفی سے بولا۔ اور زاہد احمقوں کی طرح بیٹھ گیا۔ "یہ ہیں زاہد نیر۔ شکیلہ صاحبہ چند ماہ ان کے گھر میں ٹیوشن پڑھا چکی ہیں۔"

"کیسے مزاج ہیں زاہد صاحب؟" شکیلہ نے کہا۔

"ایں۔ اتنی جلدی؟" زاہد بولا۔

"کیا مطلب؟ میں نہیں سمجھی؟"

"اوہ۔ کچھ نہیں مس شکیلہ۔ میرے اور زاہد کے درمیان ایک بات تھی۔ ویسے زاہد میاں ہم جیسے بزرگوں کے ساتھ رہو گے تو یہی عیش ہوں گے۔" ظفری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر سعدی سے بولا۔ "تو جناب سعدی فاروقی صاحب یہ زاہد نیر ہیں اور خادم سے تو آپ واقف ہیں آپ کا دوست نوید فاروقی۔"

"آپ لوگ خیریت سے ہیں؟" سعدی نے پوچھا۔

"کرم گستری ہے آپ کی میرے دوست! زاہد آپ سے ملاقات کے بہت خواہشمند تھے۔ میرے خیال میں یہ نیک انسان آپ کی مشکلات کا حل بن سکتا ہے۔ یوں بھی اس دور میں زاہد جیسے سعادت مند اور مخلص لوگ ملنا مشکل ہیں۔ بس ایک ذرا سا تذکرہ کیا تھا میں نے فوراً ہی ایک پیش کش کر دی زاہد صاحب نے۔"

"اوہ کیسی پیشکش؟" سعدی نے پوچھا۔ پھر بولا۔ "پہلے یہ بتایئے کیا پئیں گے آپ؟"

"میں ابھی زاہد صاحب کے ساتھ ایک مشروب پی چکا ہوں۔ ہاں تو زاہد صاحب وہ پیشکش آپ خود کر دیں اپنے دہن مبارک سے۔"

"اوہ میں کس قابل ہوں جناب۔۔۔ بس وہ فاروقی صاحب نے ذکر کیا تھا۔ بریٹو روڈ پر ایک آفس خالی پڑا ہے۔ آپ کے کسی کام آ جائے تو اس سے زیادہ مسرت کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟"

"آفس۔ اوہ کیا واقعی؟" سعدی خوشی سے اچھل پڑا۔ یہ مسرت حقیقی تھی۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ظفری نے کوئی کام دکھا دیا ہے۔

"جی ہاں مجھے آپ کی یہ خدمت کر کے مسرت ہوگی۔" زاہد نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"ہم آپ کے اس احسان کا بدلہ کیا دے سکیں گے زاہد صاحب۔ آپ نے تو ہماری بہت بڑی مشکل حل کر دی ہے۔"

"ارے نہیں۔ وہ اس میں احسان کی کیا بات ہے۔ یہ تو فرض تھا میرا۔ میں دو چار دن میں آفس تیار کرا دوں گا۔"

"ہمیں کیا پیش کرنا ہوگا اس سلسلے میں؟" سعدی بولا اور زاہد برا مان گیا۔

"خلوص اور محبت میں جو کچھ پیش کیا جا سکتا ہے آپ دیدیں۔ باقی تو مجھے کچھ نہیں چاہیے۔"

"اوہ زاہد میاں! میں اس احسان کو کبھی نہیں بھولوں گا۔ بڑی تکلیف دی ہے ہم نے تمہیں۔" سعدی مسکرانے لگا۔

"وہ شکیلہ صاحبہ! آپ کو شاید کہیں جانا تھا۔ میرا خیال ہے زاہد صاحب آپ کو چھوڑ دیں گے۔ میں ذرا سعدی صاحب سے کچھ باتیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" شکیلہ نے صورت حال کی نزاکت سمجھ کر کہا اور پھر وہ اٹھ گئی۔ "تو ہم جائیں بھائی جان؟"

"ایں ہاں بھئی اگر زاہد صاحب کو تکلیف نہ ہو تو چلی جاؤ۔ تو زاہد میاں آپ سے کب ملاقات ہوگی؟"

"میں معلوم کرلوں گی بھائی جان۔" شکیلہ نے کہا اور زاہد نے گردن ہلا دی۔

"ہاں یہ معلوم کرلیں گی۔" زاہد احمقانہ انداز میں بولا۔ اور پھر دونوں باہر نکل گئے۔

جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو سعدی گہری سانس لے کر بولا۔ "واقعی تم نے ایک معرکہ سر انجام دیا ہے ظفری۔ کسی دفتر کے بغیر ہم بالکل بے سایہ ہو گئے تھے۔"

"ہم جیسے درویشوں کے ساتھ رہو گے تو ایسے ہی عیش کرو گے۔" ظفری نے جواب دیا۔

شکیلہ زاہد کے ساتھ اس کی کار میں جا رہی تھی اور زاہد کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی ہے۔ "زہرہ کیسی ہے؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"تمہارے سامنے کچھ بھی نہیں۔" زاہد جلدی سے بولا۔

"کیا مطلب؟ میں زہرہ نیر کی بات کر رہی ہوں۔" شکیلہ تعجب سے بولی۔

"ارے اوہ! ہاں۔ میں سمجھا تم زہرہ بیگ کے بارے میں پوچھ رہی ہو۔ لاحول ولا۔ میرے منہ سے بھی کیسی فضول باتیں نکل جاتی ہیں۔" زاہد بوکھلا کر بولا۔

"میرے بارے میں کیا گفتگو ہوتی ہے؟"

"میں نے سب ٹھیک کر لیا ہے۔ امی کو میں نے بتایا تھا کہ وہ شخص فراڈ تھا اور میں اسے پولیس کے حوالے کر آیا ہوں۔"

"کون شخص؟" شکیلہ نے پوچھا۔ اور زاہد کو خیال آ گیا کہ وہ کیا بک گیا ہے نوید فاروقی تو اس کا محسن تھا۔ ظاہر ہے شکیلہ کو یہ بات نہیں معلوم ہوگی کہ اس کے اور نوید فاروقی کے درمیان کیا طے پایا تھا۔

"ایسے ہی بس ایک واقعہ یاد آ گیا تھا۔"

"آپ کچھ الجھے ہوئے ہیں زاہد صاحب کیا بات ہے؟"

"کوئی۔ کوئی خاص بات نہیں شکیلہ بس وہ۔ بس وہ میں آپ سے محبت کرنے لگا ہوں۔ اور۔ اور میں شکیلہ باقی باتیں میں نے فاروقی بھائی کو بتا دی ہیں۔ آپ مس شکیلہ۔ آپ برا تو نہیں مانیں؟"

"نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ کبھی کبھی انسان کو ایسا ہو جاتا ہے ویسے آپ نے میرے بھائی جان کی بہت بڑی مشکل حل کر دی۔"

"کون سی مشکل؟"

"وہی دفتر والی۔ کہیں وہ مذاق تو نہیں تھا؟"

"ارے نہیں۔ میں بھلا ان سے مذاق کروں گا۔ تم فکر مت کرو شکیلہ میں بہت عمدہ دفتر بنا کر دوں گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس کل ہی سے میں اس کی تیاری شروع کر دوں گا۔ ٹیلی فون

بھی موجود ہے اس میں۔ میں نے لکھوایا نہیں تھا لیکن اب لکھوا دوں گا۔" زاہد نے کہا۔

"لیکن زاہد صاحب۔ اگر مسز نیر میرا مطلب ہے آپ کی امی کو معلوم ہو گیا تو؟"

"اول تو معلوم نہیں ہوگا۔ دوسرے یہ کہ میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔ میں کہہ دوں گا کہ میں نے وہ دفتر سعدی صاحب کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔"

"یہ بہت اچھا رہے گا۔ آپ وہ دفتر میرے نام کر دیں۔ ظاہر ہے میں اور آپ الگ الگ تو اب نہیں ہیں۔"

"کل ہی۔ کل ہی۔" زاہد نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ کہا۔ شکیلہ کے ان جملوں نے اسے نہ جانے کون سے جہانوں کی سیر کرا دی تھی۔

"تو پھر اب کہاں ملاقات ہوگی آپ سے؟"

"جہاں آپ کہیں۔" زاہد بولا۔

"مجھے دفتر دکھا دیں۔ کل وہیں آ جاؤں گی میں اور آپ مل کر دفتر سجائیں گے۔ کیا خیال ہے؟"

"بالکل نفیس۔ نہایت عمدہ۔ پہلے دفتر چلتے ہیں۔" اور تھوڑی دیر کے بعد بریٹو روڈ کی ایک خوبصورت بلڈنگ کے سامنے زاہد نے کار روک دی۔ دفتر بہت کشادہ اور شاندار تھا۔ شکیلہ اس کی ڈیکوریشن کے بارے میں بتاتی رہی اور زاہد نے تمام تفصیلات نوٹ کر لیں۔

"آپ مجھے کوئن اسکوائر چھوڑ دیں۔ کل دن میں گیارہ بجے میں دفتر پہنچ جاؤں گی۔" شکیلہ نے کہا اور زاہد نے گردن ہلا دی۔

کوئن اسکوائر کے چوک کے قریب زاہد نے کار روک دی اور شکیلہ نیچے اتر گئی۔ نزدیک ہی بس اسٹاپ تھا لیکن بس اسٹاپ پر کھڑے ایک شخص کو دیکھ کر شکیلہ اچھل پڑی تھی۔ طویل القامت شخص دولہا خاں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ دولہا خاں نے بھی اسے دیکھ لیا۔ اور دوسرے لمحے وہ شکیلہ کی طرف لپکا۔ "مکار، چار سو بیس۔ اب کہاں بھاگ رہی ہو۔ کہاں گئے تمھارے دونوں ساتھی؟"

شکیلہ نے بے بسی سے زاہد کی کار دیکھی جو اب دور نکل چکی تھی۔ قرب و جوار میں بھی کوئی نہیں تھا جو اس کی مدد کر سکتا۔ پھنس گئی تھی، لیکن ذہین لڑکی تھی۔ اس نے گردن جھکا لی اور اس کی ناک کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

"جواب دو لڑکی۔ میں نے تمھارے لیے بڑی رقم خرچ کی ہے۔"

"تم بھی ایسی باتیں کرو گے دولہا خاں۔ میرے لیے اب اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ میں خودکشی کر لوں۔" شکیلہ نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔

"ارے ارے اب رونا شروع کر دیا۔ رونے کی کیا بات، مجھے ان دونوں کا پتا بتا دو میں نمٹ لوں گا۔"

"رفیق سے کیا بات ہوئی دولہا خاں؟" شکیلہ نے ناک سے شرپ شرپ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بھی پانچ ہزار روپے دے چکا ہے ان دونوں کو، سالے چار سو بیس کہیں کے۔ مجھ سے بھی تین ہزار لے گئے۔"

"آہ دولہا خاں تم نے میرے لیے اتنے پیسے خرچ کر دیے، لیکن میں، میں اس وقت بھی در بدر ماری ماری پھر رہی ہوں۔ خیر تقدیر میں یہی ہے کیا کر سکتی ہوں۔" شکیلہ پھر رونے لگی۔

"روؤ نہیں لڑکی۔ میں بہت نرم دل انسان ہوں۔ مجھے بتاؤ تمھیں کیا پریشانی ہے اور وہ دونوں کہاں مر گئے؟"

"تھانے میں بند ہیں۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔ اور دولہا خاں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"کیوں؟ کیوں بند ہیں؟"

"نیچے اترے تو پولیس نے ہم تینوں کو گرفتار کر لیا۔ تھانے لے گئی بیانات لیے۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ دونوں فراڈ ہیں۔ میرے نام سے اشتہار دیا اور پیسے کمائے جبکہ میں ان

کے پاس نوکری کی تلاش میں گئی تھی۔ آہ زمانہ کتنا خراب ہوگیا ہے کسی پریشان حال انسان کے لیے تو اس دنیا میں کوئی جگہ ہی نہیں ہے۔"

"تو وہ اشتہار تمھاری طرف سے نہیں تھا؟" دولہا خاں نے گردن ہلا کر کہا۔

"میں ایسا اشتہار دوں گی۔ میں جو تین دن کے فاقے سے ہوں۔ آہ مجھے یوں لگ رہا ہے۔ جیسے جیسے میں بے ہوش ہو جاؤں گی۔ میں نے ان سے نوکری مانگی تھی۔ مگر میرے ساتھ کیسا سلوک ہوا۔ تم نے دیکھ لیا دولہا خاں؟"

"مجھے بہت افسوس ہوا ہے بی بی۔ میں تمھاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟" دولہا خاں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور سو روپے کے دو نوٹ نکال لیے۔" اس وقت یہی ہیں میرے پاس۔ تم میرے ڈیرے پر مجھ سے مل لینا وہاں آرام سے باتیں کریں گے۔ لو رکھ لو تمھارے کام آئیں گے اور ان سالوں سے تو میں اچھی طرح نمٹ لوں گا۔ نکلنے دو تھانے سے۔"

شکیلہ نے نوٹ قبول کر لیے، پھر بولی۔"ان دونوں نے تمھارا اور رفیق کا نام بھی تھانے میں لکھوا دیا ہے۔ جانتے ہو انھوں نے کیا بیان دیا؟"

"ایں۔ میرا نام بھی لکھا دیا۔ کیا کہا تھا انھوں نے؟"

"یہی کہ دولہا خاں ایک اوباش انسان ہے اور اکثر انھیں پریشان کرتا رہتا ہے۔ وہ اس لڑکی کو ساتھ لے جانے پر مصر تھا اور رفیق اس کی عزت بچانا چاہتا تھا۔"

"یہ کہا انھوں نے؟ مگر تمھارے بیان نے میری پوزیشن صاف کر دی ہوگی؟"

"پولیس نے یقین نہیں کیا میرے بیان پر۔ انسپکٹر نے چار پولیس والوں کو تمھاری اور رفیق کی تلاش میں بھیجا ہے۔" شکیلہ نے کہا اور دولہا خاں کا چہرہ اتر گیا۔

"پپ۔۔۔ پولیس میری بھی تلاش میں ہے؟" اس نے کسی قدر خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ وہ دیکھو۔ وہ دونوں پولیس والے تمھاری طرف اشارے کر رہے ہیں۔"

شکیلہ نے کہا۔ اس کی نگاہ اتفاق ہی سے ایک طرف اٹھ گئی تھی جہاں دو پولیس مین کھڑے ہوئے تھے۔

دولہا خاں بدحواس ہو گئے۔ پھر انھوں نے کہا۔"اچھا میں چلتا ہوں۔ دو چار دن کے بعد میرے ڈیرے پر ضرور آنا۔ میں تمھاری مدد کروں گا۔ آؤ گی نا؟" اور شکیلہ نے گردن ہلا دی۔ دولہا خاں تیز تیز قدموں سے ایک طرف چل پڑے تھے۔

مطلق صاحب اور بیگم صاحبہ بہت خوشگوار موڈ میں تھے۔ تین شعر سنا چکے تھے مطلق صاحب موقع کے۔ لیکن بیگم صاحبہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ سعدی اور ظفری موجود تھے۔ چائے پر شکیلہ کا انتظار ہو رہا تھا۔

"لو وہ آ گئی شکیلہ۔ اب اس موقع کا کوئی شعر بھی پڑھ دو۔"

"بخدا نظر لگ جائے گی بیگم۔ اس طرح فرمائش نہ کرو۔ ویسے ظفری میاں تقدیر کچھ بدل رہی ہے۔ ممکن ہے تم لوگوں کے قدموں کی برکت سے اپنے حالات کچھ بہتر ہو جائیں۔ آؤ شکیلہ بیٹی بہت تھکی ہوئی لگتی ہو؟"

"ہاں خالو جان۔ بہت تھک گئی ہوں۔ خالہ جان میری چائے۔" اور بیگم صاحبہ چائے بنانے لگیں۔

رات کو شکیلہ نے دن کی رپورٹ دی۔ اور خصوصی انکم ان کے سامنے رکھ دی۔ ظفری نے سر پکڑ لیا تھا۔ پھر اس نے سعدی سے کہا۔"یا سعدی میرے خیال میں ہمیں پورے خلوص سے پیرومرشد کی مریدی میں آ جانا چاہیے۔ اگر پیرومرشد کی نظر کرم رہی تو میرے خیال میں بہت جلد ہمارے دن پھر جائیں گے۔"

"ایسا ہی لگتا ہے۔ بہرحال شکیلہ بی بی اس لکڑی کے گھوڑے کو ہینڈل کرنے کا پورا پروگرام ترتیب دینا ہے۔"

"لکڑی کا گھوڑا؟"

"ہاں۔ میری مراد وزاہد نیر سلمہٗ سے ہے۔"

"دفتر میں دیکھ چکی ہوں۔ کل گیارہ بجے سے کام شروع ہو جائے گا۔ میرے خیال میں۔ یہ دفتر ہمارے مستقبل کے لیے بہت بڑا سہارا ہوگا۔"

"انشاءاللہ۔ انشاءاللہ۔ لیکن کاروبار؟"

"دفتر شادی کے علاوہ کچھ بھی۔ یہ سب کچھ دفتر میں بیٹھ کر ہی سوچیں گے۔" شکیلہ نے جواب دیا اور تینوں مستقبل کے خوش آئندہ خیالوں میں کھو گئے۔

☆......☆......☆

ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی ہنگامہ آرائیاں ختم ہو چکی تھیں۔ درحقیقت یہ ادارہ خوب چمکا تھا۔ اور یہ بھی درست تھا کہ انھوں نے اس مختصر عرصہ میں خوب کمایا تھا۔ ان کے پاس اتنا تھا کہ سال دو سال میانہ روی سے زندگی گزارتے تو کوئی مشکل پیش نہ آتی لیکن زندگی کو جو ڈگر مل گئی تھی اس سے ہٹنے کے بعد وہ بڑی تکلیف محسوس کر رہے تھے۔

ڈیڑھ ماہ ہو چکا تھا کھیاں مارتے ہوئے۔ گو اس ڈیڑھ ماہ میں انھوں نے خود پر اداسی مسلط نہیں ہونے دی تھی۔ خوب مشاعرے ہوئے تھے' خوب تفریحات کی گئی تھیں۔ لیکن زندگی میں جو ایک خلا پیدا ہو گیا تھا اسے پر کرنے کی کوئی شکل نظر نہیں آ رہی تھی اور وہ اس بارے میں بڑی سنجیدگی سے غور کر رہے تھے۔

گروہ ٹوٹ گیا تھا۔ اسٹاف کو چھٹی دے دی گئی تھی۔ لیکن چند لوگ ایسے تھے جنھیں چھٹی نہیں دی جا سکی تھی۔ مثلاً مضطرب صاحب۔

"آپ کا اب کیا پروگرام ہے مضطرب صاحب؟"

"جو آپ لوگوں کا۔"

"فی الحال تو ہم ڈنڈے بجا رہے ہیں۔"

"دو ڈنڈے میں بھی کہیں نہ کہیں سے تلاش کر لوں گا بجانے کے لیے۔" مضطرب صاحب نے سکون سے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"دیکھو میاں، سچی اور کھری بات یہ ہے کہ مضطرب کیا تھا؟ تم نے اسے کیا کچھ نہیں دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ سالوں بیٹھ کر کھا سکتا ہوں۔ لیکن بیٹھوں گا تمھارے ہی ساتھ میں کہاں جاؤں گا کوئی ٹھور ٹھکانہ اور پھر تم میں دل ایسا لگ گیا ہے کہ اب کہیں اور نہ لگے گا۔ دو روٹیوں کا ہی معاملہ ہے نا؟ وہ کہیں سے بھی مل جائیں گی تو پھر یہیں کیوں نہ کھاؤں۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

"ممکن ہے۔ میں مطلق صاحب سے بات کر چکا ہوں۔"

"کیا بات کر چکے ہیں؟"

"مضطرب صاحب کا کہنا ہے کہ وہ کچن سنبھال لیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ وہ بہت اچھے باورچی بھی ہیں اور کل وہ پہلی ٹرائی دے رہے ہیں۔" دروازے سے مطلق صاحب کی آواز سنائی دی۔ پھر وہ اندر آ گئے۔ "اور میں نے ان کی یہ پیشکش قبول کر لی ہے۔ معاوضے کے طور پر وہ صرف ہماری ہانڈی سے اپنا حصہ نکال لیں گے اور ہمیں اس میں کوئی دقت نہ ہوگی۔" مطلق صاحب کا لہجہ فیصلہ کن تھا چنانچہ اب کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

"اور پھر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ جب شروع کرو گے تو مضطرب بھی ساتھ ہوگا۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

چھمو کے للوا نے ایک بینک میں گن مین کی نوکری تلاش کر لی تھی لیکن وہ کہہ کر گیا تھا کہ جب بھی اس کی ضرورت ہو اسے طلب کر لیا جائے اور اس سے وعدہ کر لیا گیا تھا۔

کیا زندگی گزر رہی تھی۔ ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا تھا مستقبل کے بارے میں لیکن اکثر وہ سر جوڑ کر بیٹھ جاتے تھے اور اس مسئلے پر غور ہوتا۔ بیکاری انھیں بری طرح کھل رہی تھی۔

"بھئی ہماری ذمہ داری بھی کیا ہے۔ بیوی نہ بچے۔ لے دے کر ایک مطلق صاحب ہیں، اور ایک چچی جان۔ انھیں پنشن ملتی ہے مکان کا کرایہ آتا ہے۔ ان کی گزر ہو جاتی ہے۔ رہ گئے

و مرشد تو ان کے لیے کوئی احمق تلاش کر کے اس کی تقدیر پھوڑ دی جائے۔ چھٹی ہو۔ ہمارا کیا ہے ایک بار پھر فٹ پاتھ پر آباد کر لیں گے۔" ظفری نے کہا۔ اس وقت بھی وہ اس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔

"کیا کہا۔ دماغ تو درست ہے تمھارا ظفری؟" شکیلہ بھڑک بولی۔

"میں نے کچھ غلط کہا؟"

"شادی کراؤ گے میری؟" شکیلہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"اے۔ اس موضوع پر شرما کر گفتگو کی جاتی ہے۔ شرمانا آتا ہے تمھیں؟" ظفری نے کہا۔

"سر پھوڑنا آتا ہے مجھے۔ سمجھے تم؟"

"شوہر کا۔ صرف شوہر کا سر پھوڑنے کی مہارت ہونی چاہیے۔ باقی سب چلتا ہے۔" ظفری بولا۔

"سعدی اسے منع کر لو۔ مجھے واقعی غصہ آ جائے گا۔" شکیلہ ناک چڑھا کر بولی۔

"بھئی ظفری بور مت کرو کوئی کام کی بات سوچو۔" سعدی نے کہا۔

"مستقبل کے فیصلے تو کرنے ہی ہوں گے سعدی۔ جوان جہاں لڑکی کو گھر میں بٹھائے رکھو گے تو لوگ کیا کہیں گے۔" ظفری بوڑھیوں کے سے انداز میں بولا۔

"سعدی اس موضوع کو پھر کسی وقت کے لیے ملتوی کر دو۔ یہ ظفری سنجیدہ نہیں ہے۔" شکیلہ نے کہا۔

"ارے نہیں نہیں بیٹھو۔ میں سنجیدہ ہوں۔"

"پھر صرف کام کی بات ہوگی۔"

"کام، کام، کام۔ میں کہتا ہوں یہ سکون کے شب و روز تمھیں کیوں کھل رہے ہیں یا پھر اس موضوع کو پر اثر بنانے کے لیے وہی نکلسن والی بات کر رہی ہو۔"

"نکلسن والی۔" سعدی دل چسپی سے بولا۔

"صاحبزادی جوان ہو چکی تھیں۔ والدین کو شادی کی فکر تھی ایک دن سو رہی تھیں کہ والدین نے دبی تذکرہ نکالا۔ امی جان بولیں۔ "اے اب کوئی لڑکا تلاش کرو لڑکی جوان ہے۔ کروں تو سہی۔ بھاگوان مگر پاس پلے تو کچھ ہو۔ بھئی زیور کی تم فکر مت کرو۔ میرے پاس ایک نکلس موجود ہے۔ اسے تڑوا کر پورا سیٹ بنوالیں گے اور رہی دوسری چیزوں کی بات۔۔۔۔"

"اوں ہوں۔ لڑکی کے سامنے تو ایسی باتیں مت کرو۔ ممکن ہے جاگ جائے۔" ابا میاں بولے۔ صاحبزادی کی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ بڑی دل جمعی سے یہ گفتگو سن رہی تھیں۔ بی اماں خاموش ہو گئیں تو انھیں بڑی کوفت ہوئی۔ دیر تک انتظار کرتی رہیں پھر صبر نہ ہو سکا تو بول پڑی۔

"امی ابو آپ آرام سے نکلس کی باتیں کریں میں تو گہری نیند سو رہی ہوں۔"

"تم باز نہیں آؤ گی ظفری" شکیلہ غصے سے کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھو شکیلہ! ظفری سنجیدہ ہو جاؤ۔"

"چلو بھائی ہو گیا کام کی بات کرو۔ ویسے شادی کی بات پر خیال آیا۔ کیوں نہ وہی پرانا کاروبار دوبارہ جاری کر دیا جائے۔"

"کون سا کاروبار؟"

"دفتر شادی۔"

"نہیں یار۔ یہ اب ممکن نہیں۔ یہ نئے ڈی آئی جی صاحب تو خاصے مخلص ہیں کسی کا نقصان ہوتے نہیں دیکھ سکتے پھر پیچھے لگ جائیں گے اور پھر ہم لوگ واقعی اتنے ذہین نہیں ہیں کہ پولیس کو چکمہ دے سکیں۔ ہم پر جو چھاپ لگی ہے اسے ذہن میں رکھا جائے گا۔"

"لیکن یہ کوئی غیر قانونی کام تو نہیں ہے۔"

"شادیوں میں اکثر فراڈ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی فراڈ ہمارے ذریعے ہو گیا تو پھنس جائیں گے اپنا ریکارڈ ویسے بھی خراب ہے۔"

"سعدی کا خیال درست ہے ظفری۔" شکیلہ نے کہا۔

"تو دیکھو بی بی۔ ظفری کسی دفتر میں کلرکی تو زندگی بھر نہیں کرے گا' خواہ فٹ پاتھ پر سونا پڑے۔ کرنا کوئی اپنا ہی کاروبار ہے اسے لکھ لو تم لوگ۔"

"نوکری تو ہم میں سے کوئی نہیں کرے گا۔" سعدی نے کہا۔

"تو پھر کریں گے کیا؟"

"ایک آئیڈیا ہے غور کر لو۔" شکیلہ بولی۔

"ارشاد ارشاد۔" ظفری بولا۔

"ایک فلم بنا ڈالی جائے۔" شکیلہ نے کہا اور سب بھونچکے ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ظفری نے آگے بڑھ کر شکیلہ کے پاؤں پکڑ لیے۔

"پیر و مرشد بات دل کو لگتی ہے۔"

"سنجیدہ ظفری سنجیدہ گڈ آئیڈیا۔ پسند آیا۔ واقعی کام بن جائے گا۔"

"گفتگو آگے بڑھائی جائے پیر و مرشد۔" شکیلہ بولی۔

"دفتر۔ اشتہار۔ اور پھر کوئی لمبا ہاتھ۔" شکیلہ بولی۔

"ظفری پنسل کاغذ۔" سعدی چیخا اور ظفری جلدی سے ایک رائٹنگ پیڈ اور بال پوائنٹ لے آیا۔

"ہاں شکیلہ پورا آئیڈیا بتاؤ۔"

"فلم کمپنیوں کے معاملات تم سے سن رکھے ہیں۔ سرمایہ لوگوں کا عیش دوسروں کے۔ اب بھی لوگ اس چکر میں پھنستے ہیں۔"

"سو فیصد پھنستے ہیں۔ لیکن ابتداء؟"

"سب سے پہلے تو یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ دفتر وہی رہے گا یا بدلا جائے گا۔"

"میٹنگ۔" ظفری نے سر آگے بڑھایا اور سعدی مسکرانے لگا۔ چند لمحات وہ سوچتے

رہے پھر شکیلہ ہی نے کہا۔

"میرا خیال ہے وہ دفتر مناسب نہیں رہے گا۔ قرب و جوار کے لوگ ہمیں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نمائندوں کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے اشتہارات بھی کیونکہ چھپتے رہے ہیں ابھی تمام لوگوں کو تو علم نہیں ہوگا کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ختم ہو گیا ہے۔ چنانچہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ ہمارے پاس پہنچیں۔ ممکن ہے' خود ڈی آئی جی صاحب اور پولیس کے کچھ لوگ ہی اس چکر میں ہوں کہ ہماری آئندہ مصروفیات کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ اپنا بھی کوئی نمائندہ وہاں بھیجیں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ ہم وہ کاروبار جاری رکھے ہوئے ہیں یا ہم نے بند کر دیا ہے۔ پھر پاس پڑوس کے آدمی تمسخرانہ نگاہوں سے بھی دیکھیں گے۔ بہر طور ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی رروائیاں خاصی آگے کی چیز رہی ہیں۔"

"بات درست ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ دفتر کہیں اور بنایا جائے اور لیکن اس میں یہ بھی قباحت ہے کہ اس دفتر پر پولیس کی نگاہ بہر طور پڑ سکتی ہے۔"

"پڑ جائے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کے بعد پولیس چھان بین کرتی رہے۔ ظاہر ہے ہم وہ سب کچھ تو نہیں کر رہے جو کرتے رہے ہیں۔"

"ہوں۔" ٹھیک ہے میں تم سب سے متفق ہوں۔ لیکن دفتر کسی عمدہ سی عمارت میں ہونا چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اس دفتر کو فروخت ہی کر دیں۔ اچھی خاصی رقم وصول ہو جائے گی۔ دفتر کی رقم دفتر پر ہی لگا دی جائے گی کچھ رقم بچ بھی بچ جائے گی جو دوسرے لوازمات میں کام آئے گی۔"

"اس سلسلے میں ڈھولا رام جی بلڈنگ بہترین رہے گی وہاں کئی فلم کمپنیوں کے دفاتر بھی ہیں اور وہاں دفتر حاصل کرنے میں بہت زیادہ دقت بھی نہیں ہوگی کیونکہ کافی بڑی بلڈنگ ہے اور ابھی اس کی بہت سی منزلیں پوری کی پوری خالی پڑی ہیں۔"

"ٹھیک ہے فی الحال یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ڈھولا رام بلڈنگ میں ہمارا دفتر یعنی ہماری

فلم کمپنی کا دفتر موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے اس کے بعد؟" ظفری نے پوچھا۔

"اس کے بعد فلم کی پبلسٹی شروع کر دی جائے۔ یہ دور پبلسٹی کا ہے۔ ہم خواہ مخواہ ایک دو فلموں کے نام اناؤنس کر دیتے ہیں۔ دس پانچ ہزار روپے ان کی پبلسٹی پر خرچ آئیں گے لیکن اس طرح پبلک کی توجہ حاصل ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے فلم کی پبلسٹی منظور کر لی گئی لیکن اس کے بعد؟"

"اس کے بعد ہیرو اور ہیروئن کی تلاش ہوگی کہانی نویس کی ضرورت ہوگی فلم کے لیے ڈائریکٹر کی ضرورت ہوگی اور جب یہ تمام حضرات جمع ہو جائیں گے تو پھر فنانسر"

"کیا مطلب؟" ظفری حیرت سے بولا۔

"فنانسر جو اس سلسلے میں سب سے اہم چیز ہوتی ہے۔"

"لیکن۔ لیکن کیا ہم لوگ اپنے طور پر فنانسر نہیں بنیں گے؟"

"دماغ خراب ہوا ہے تمہارا۔ ہم بھلا ایک فلم میں پیسہ کہاں سے لگا سکتے ہیں۔ یہ چند روپے جو ہمارے بینکوں میں بیلنس کی حیثیت سے پڑے ہوئے ہیں' کیا فلم بنانے کے کام آ سکتے ہیں' ارے بھائی یہ تو ہمارا مستقبل ہے ان میں سے تو ایک پیسہ بھی خرچ کرنا مناسب نہیں ہوگا چنانچہ اس کے لیے کسی فنانسر کی ضرورت ہوگی۔ بس کام ذرا ایسے سائنٹیفک انداز میں ہونا چاہیے کہ لوگ پھنسیں اور پھنستے رہیں۔"

"مگر رقم کی وصولیابی کا کیا طریقہ ہوگا؟"

"دیکھو سعدی رقم فوراً وصول نہیں ہوگی۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ یہ ذہنی جمود ٹوٹے گا خالی بیٹھ کر جو ہم بوریت کا شکار ہو رہے ہیں وہ دور ہو جائے گی۔"

میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا ہے آجکل ہر تیسرا نوجوان ہیرو ہے' نہیں ہے کم از کم اپنے آپ کو سمجھتا ہے لڑکیوں کا معاملہ خیر تم چھوڑ دو وہ ابھی اس قدر پاگل نہیں ہوئی ہیں لیکن

لڑکے سڑکوں پر، فٹ پاتھوں پر، تفریح گاہوں پر ہیرو نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنے آپ کو کسی نہ کسی ہیرو سے مشابہ کر لیتا ہے۔ ان میں اچھے خاصے خاندانوں کے لڑکے بھی ہیں۔ ہم ہیرو کا چانس دینے کے لیے جس لڑکے کا انتخاب کریں گے وہ ہمارے معیار پر پورا اترنا چاہیے۔ مثلاً یہ کہ باپ زندہ ہو تو بالکل گاؤدی ہو یا ملک سے باہر رہتا ہو۔ اگر نہ ہو تو یہ بات قابل ترجیح ہو گی لیکن شرط یہ ہو گی کہ کم از کم چالیس پچاس لاکھ روپے کا بینک بیلنس چھوڑ کر مرا ہو اور پھر ظاہر ہے فلم کے بنانے میں جو کچھ اخراجات آئیں گے ہیرو کم از کم اس میں کچھ نہ کچھ تعاون کرے گا ہی ورنہ پھر وہ کیسا ہیرو ہو گا۔"

"ٹھیک گڈ ویری گڈ۔"

دوسری چیز ایک فلم ڈائریکٹر جو دو چار فلمیں بنا چکا ہو کامیاب ہوئی ہوں یا نہ ہوئی ہوں بلکہ ناکام ہوئی ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ ناکام فلموں کا ڈائریکٹر کچھ زیادہ مستعد ہوتا ہے اور وہ اپنی ساکھ بنانے کے لیے ہاتھ پاؤں بھی مار سکتا ہے۔ مثلاً اس کے ہاتھ پاؤں مارنے میں فنانسر کی تلاش بھی شامل ہو گی۔ تیسری بات کہانی نویس کے لیے ہے۔ اشتہار دیں گے تو کہانی نویس آئیں گے۔ ہم ان کی کہانی سنیں گے اور اس سلسلے میں ہمارے ساتھ کچھ اور افراد بھی موجود ہوں گے۔"

"بات ٹھیک ہے لیکن رقم دینے والا ان میں سے کوئی نہیں ہو گا۔ میرا مطلب ہے ڈائریکٹر کو تو تنخواہ دینی پڑے گی اور کہانی نویس کو بھی معاوضہ دینا پڑے گا۔ بات صرف ہیرو کی رہ جاتی ہے۔"

"ہاں ہیرو اور اس کے بعد نمبر دو فنانسر بلکہ اگر ہیرو اتنا ذہین ہو کہ اپنے باپ کو فنانسر بنا سکے یا خود کسی فلم کو فنانس کر سکے تو پھر تو مزے ہی مزے۔"

"چھتی ہے۔ چھتی ہے خدا کی قسم چھتی ہے۔"

"تو پھر طے۔"

"یقیناً۔ اس فارمولے کو آخری شکل دے دی جائے گویا ہماری کاغذی کارروائیاں آج

ہی مکمل ہونی چاہئیں۔"

"اب اس میں کاغذی کارروائی کوئی نہیں رہ گئی۔ مرحلے وار تمام کاموں کو رکھ لو۔ سب سے پہلے کل دن میں ڈھولا رام بلڈنگ میں کوئی دفتر تلاش کر لیا جائے۔"

"یہ کام خادم اپنے ذمے لیتا ہے۔" ظفری نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

"بس تو خادم صاحب کل آپ یہ کام کر لیں بقیہ گفتگو اس کام کی تکمیل کے بعد فرنیچر ہمارے پاس موجود ہے۔ کم از کم ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے فرنیچر کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر کی فروخت کے لیے بھی کوئی اشتہار دے دیا جائے تاکہ اس کا کام بھی چلتا رہے۔ اس دوران اگر کوئی دفتر مل جاتا ہے تو ہم اپنی جیب سے اخراجات کر لیں گے۔ بعد میں وہ بیلنس پورا کر لیا جائے گا۔"

"نہایت مناسب۔" یہ فیصلہ کرنے کے بعد یہ میٹنگ برخاست ہو گئی۔ مطلق صاحب ایک مصرعہ طرح دے چکے تھے اور ہر شخص کو دعوت دے دی گئی تھی کہ اس پر اس زمین میں کچھ کہے۔ چنانچہ لوگ کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے اور رات کو اس مشاعرے کا اہتمام کر لیا گیا تھا۔

دوسرے دن ظفری اپنے کام پر چل پڑا۔ ڈھولا رام بلڈنگ نئی نئی بنی تھی۔ اس میں بہت سی فلم کمپنیوں کے وکیلوں کے کچھ امپورٹ ایکسپورٹ کی فرموں کے دفاتر قائم تھے لیکن ابھی اس کے بہت سے دفتر خالی پڑے ہوئے تھے۔

نیچے بنے ہوئے آفس میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی اور جب ظفری نے دفتر لینے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ صاحب اس کی راہ میں بیٹھ گئے انھوں نے فوراً ظفری کے لیے ٹھنڈا منگایا اور ٹھنڈے کے دوران ٹھنڈی ٹھنڈی گفتگو ہونے لگی۔ ظفری نے دوسری منزل پسند کی تھی۔ دوسری منزل کا کارنر کا دفتر ظفری کو مل گیا۔ اس سلسلے میں اس نے دو ہزار روپے ایڈوانس دے دیے تھے۔ باقی اٹھارہ ہزار روپے کی رقم اس نے کہا کہ دفتر کی پوزیشن لینے کے بعد ادا کر دی جائے گی۔"

یہ رقم زیادہ نہیں تھی حیرت انگیز بات تھی کہ ڈھولا رام بلڈنگ میں دفتر اتنا سستا مل گیا جبکہ یہ بلڈنگ شہر کے ایک مصروف ترین علاقے میں تھی۔ بہرطور اس سنہری موقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا۔ پھر ظفری نے ان لوگوں سے ملاقات کر کے دفتر کے حصول کی اطلاع دی اور پھر فلم کمپنی کا نام تجویز کیا جانے لگا۔ اس سلسلے میں مطلق صاحب کو بھی دعوت دے دی گئی کیونکہ اب وہ لوگ جو کچھ بھی کرنا چاہتے تھے اس سے مطلق صاحب کو باخبر رکھنا چاہتے تھے۔ مطلق صاحب نے فلم کمپنی کا شاعرانہ نام شاخ گل فلمز تجویز کیا تھا کیوں تجویز کیا تھا۔ اس کی کوئی وجہ تسمیہ وہ خود بھی نہ بتا سکے۔ لیکن بہرطور ان کی خواہش تھی کہ یہ نام رکھ لیا جائے۔ چنانچہ فلم کمپنی کا نام تجویز کر لیا گیا۔ سعدی نے کہا کہ کل دن میں وہ ایک خوبصورت سا بورڈ بنوا کر لگوا دے گا۔ شکیلہ کو دوسرے کام سونپے گئے۔ اور ظفری نے فرنیچر منتقل کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔

چنانچہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا تھوڑا سا فرنیچر وہاں سے ہٹا کر شاخ گل فلمز میں منتقل کر دیا گیا۔ بورڈ چند گھنٹوں کے نوٹس پر تیار ہوا تھا لیکن بہت خوبصورت تھا۔ چنانچہ اسے سعدی نے اپنی نگرانی میں آویزاں کرا دیا اور دفتر سیٹ ہو گیا۔ جب دفتر کھل گیا تو بھلا مضطرب صاحب باورچی خانے میں کیوں رہتے۔ چنانچہ شاخ گل فلمز کا افتتاح مضطرب صاحب کے ہاتھوں ہی ہوا تھا۔

مضطرب صاحب مسرت سے پھولے نہیں سما رہے تھے اس نئے دفتر کے قیام کے بارے میں انھیں تفصیلی اطلاعات نہیں تھیں لیکن اب انھیں سب کچھ بتا دیا گیا تھا اور فلم کے نام پر تو ان کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔

"فلم بنے گی کیا سچ مچ فلم بنے گی؟" انھوں نے پرمسرت انداز میں پوچھا۔

"مضطرب صاحب۔ بس! آپ کی دعائیں چاہئیں اس سلسلے میں آپ متحیر کیوں ہیں؟"

"نہیں نہیں۔ میں خالی دعائیں نہیں دوں گا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ تو موقعہ ملا ہے کچھ کر دکھانے کا۔"

"کیا مطلب؟ فلم میں آپ کیا کریں گے؟"

"میاں گیت لکھوں گا۔ چھوٹے موٹے رول کروں گا۔ ذرا دیکھو تو سہی مضطرب صاحب کے ہاتھ کیا کیا ہاتھ دکھاتے ہیں۔"

"فی الحال آپ ہاتھ نہ دکھایئے بلکہ ہاتھ کی صفائی دکھایئے۔ دفتر اتنا ہی خوبصورت ہونا چاہیے جتنا آپ کی موجودگی سے رہنا چاہیے۔"

"ایسا ہی ہوگا ایسا ہی ہوگا۔" مضطرب صاحب نے جواب دیا۔ فلم کمپنی کا دفتر باقاعدگی سے جاری ہو گیا۔ شکیلہ نے کچھ اشتہارات اخبارات کو دے دیے تھے۔ بڑے باقاعدہ اشتہارات تھے جس میں شاخ گل فلمز کی طرف سے ایک نئی فلم کے بارے میں تفصیلات دی گئی تھیں۔ اس میں کچھ ضرورتوں کے اشتہارات دیے گئے تھے چنانچہ تانتا لگ گیا۔

آنے والوں میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے۔ ہیرو، ولن، ایکسٹرا رول کرنے والے۔ ہیروئنیں، ہیروئنوں کی امائیں۔ غرض طرح طرح کے اور بھانت بھانت کے لوگ تھے ان لوگوں کو سنبھالنا بے حد مشکل کام تھا۔ مضطرب صاحب کی ذمہ داریاں ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔

بہرطور چونکہ کافی دنوں کے بعد کوئی کام شروع ہوا تھا اس لیے ان ذمہ داریوں سے کوئی بھی اکتا نہیں رہا تھا۔ سب سے پہلے ڈائریکٹر کی تلاش ہوئی اور یہ اتفاق ہی تھا کہ گلزار بھائی انھیں مل گئے، وہ پھر ایک فلم کمپنی کے دفتر سے نیچے اتر رہے تھے کہ اس نئے دفتر کا بورڈ دیکھا اور اندر داخل ہو گئے۔ ظفری، سعدی اور شکیلہ اپنے آفس میں میزوں کے گرد بیٹھے خواہ مخواہ مصروف تھے۔ فلم کی کہانی کے آئیڈیے تجویز کیے جا رہے تھے کہ گلزار بھائی مضطرب صاحب کے ساتھ اندر داخل ہوئے انھوں نے شاید مضطرب صاحب سے اپنا تعارف کرا دیا تھا۔

"گلزار بھائی فلم ڈائریکٹر ہیں۔ بہت سی فلمیں ڈائریکٹ کر چکے ہیں اور آپ لوگوں سے ملنا چاہتے تھے۔" مضطرب صاحب نے کہا۔ اور ان تینوں نے کھڑے ہو کر ان لوگوں کا استقبال کیا۔

"آیئے گلزار بھائی آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی تشریف رکھیے نا۔"

"اے مسرت تو ہمارے کو بھی ہوا بابا' اپن کا کام ہی یہ ہے۔ اور پھر تعارف پھر مار پھو تو ہونا ہی چاہیے۔ ذری اپن کو یہ بتاؤ کہ تم کون سا پھلم بنا تا پڑا۔" گلزار بھائی نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

"بس گلزار بھائی اس کا سلیکشن تو آپ ہی لوگ کریں گے۔ میری مراد یہ ہے کہ سب سے پہلے ہمیں ایک فلم ڈائریکٹر کی ضرورت تھی۔ ایک ایسے فلم ڈائریکٹر کی جس کی فلمیں ہٹ ہوئی ہوں۔"

"یا ہونے والی ہوں۔" گلزار بھائی نے ٹکڑا لگایا اور پھر مسکراتے ہوئے بولے۔

"اپن سمجھ گیا۔ اپن صحیح جگہ آیا ہے۔ گلجار بھائی کے بارے میں اگر معلوم کرنا ہے تو پھلم انڈسٹریز میں جا کر معلوم کرو۔ لوگوں سے پوچھو گلجار بھائی کیا ہے۔ ابھی اپن چار پھلم ڈائریکٹ کرتا پڑا اور چاروں ہٹ ہوگا۔"

"اس سے پہلے آپ نے کون کون سی فلمیں ڈائریکٹ کی ہیں گلزار بھائی۔"

"اے ٹائم ہی کدھر ملا بابا اپن بہت مصروف آدمی ہے۔ اپن کا بہت بڑا کاروبار ہے۔ پھر تھوڑا تھوڑا کر کے اس پھلم انڈسٹری کے شوق میں کھتم کر دیا۔ لاکھوں روپیہ کھرچ کرنے کے بعد بس اپن کو تجربہ حاصل ہوا۔ اور اب اپن اپنے اس تجربے سے کروڑوں روپیہ کمائے گا کروڑوں۔"

"گویا اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ چار فلمیں آپ نے حال ہی میں شروع کی ہیں۔"

"ہاں بابا اپن شروع کیا اور اس کے بعد میں کھتم کرے گا تم دیکھنا ہٹ پھلم ہوں گا۔"

"کوئی فلم ابھی نہیں لگی آپ کی؟"

"ابھی لگیں گا لگیں گا۔ جرا دیکھتے رہو کیسا لگیں گا اور کیسا باکس آفس پر ہٹ ہوئیں گا۔" گلزار بھائی نے کہا۔

"آہ۔ گلزار بھائی ہمیں آپ ہی جیسے فلم ڈائریکٹر کی ضرورت تھی۔ کیا آپ ہمارے لیے کام نہیں کریں گے؟"

"ارے کائے کو نہیں کریں گا بابا۔ اپن اتنا پھلم کمپنی کا دفتر کھلوایا گلزار بھائی بہت رحم دل آدمی ہے اپن تمہارے ساتھ کام کریں گا۔ پن ایک بات سن لو۔ لین دین کے معاملے میں اپن کھرا آدمی ہے۔ ابھی اپن تم سے پانچ ہجار روپیہ ایڈوانس لیں گا اور اس کے بعد پانچ ہجار روپیہ اپن کا پگار ہوئیں گا۔"

"ٹھیک' ایک بات بتایئے گلزار بھائی کہ آپ کام کیا کریں گے؟"

"کیا نہیں کریں گے بابا پھلم کمپنی سے متعلق جو باتیں اپن کو معلوم ہیں تم کو نہیں معلوم۔ ابھی تم لوگ کوئی اور پھلم بنایا ہے؟"

"نہیں۔ میں نے کہا نا کہ ابھی تو ہم ابتداء کر رہے ہیں۔"

"تو بس سمجھ لو گلجار بھائی کے اور آنے کے بعد کسی اور کا جرورت نہیں رہیں گا۔ اپن تمہارے کو ہر آدمی جیسا کریں گا۔ ابھی بیٹھو اور امارے سے بات کرو کیا کیا کام تم لوگ کرتا پڑتا ہے کیا کر لیا اے اور کیا کرنے کو منگتا۔"

"گلزار بھائی سب سے پہلے تو ہمیں فلم کے لیے کہانی کی تلاش ہے۔ کہانی مل جائے تو پھر اس کے لیے کرداروں کو تلاش کرنا پڑے گا کردار مل جائیں تو پھر ہمیں فنانسر کی تلاش ہوگی۔"

"اے کیا بولتا ہے بابا ابھی تم پھلم فنانس بھی نہیں کرے گا؟"

"کہاں سے کریں گا بھائی جب اپن پانچ ہزار روپے تنخواہ دیں گا تو پھر فلم کے لیے پیسہ کدھر سے لائیں گا۔"

"اوہ۔ ایسا ایسا مافق بولتا' ابھی گلجار بھائی کو اگر تم پانچ ہجار دیں گا تو پھر تم کو فنانسر بھی ضرور ملیں گا۔ گلجار بھائی کا ہاتھ بہت لمبا ہے۔"

"ٹھیک ہے گلزار بھائی آپ کو پانچ ہزار روپے پے منٹ مل جائے گا لیکن ایک ہفتے

"خیر کوئی بات نہیں اپن ایک ہفتے بعد لے لیں گا تو پھر معاہدہ سائن کرلو بابا۔" فوری طور پر ایک سادہ کاغذ پر ایک معاہدہ سائن ہو گیا اور گلزار بھائی شاخ گل فلمز کے لیے ایک فلم کے ڈائریکٹر بن گئے۔ انھوں نے اپنے لیے ایک میز تلاش کر لی اور آج ہی سے اپنا کام شروع کر دیا۔

شاید فلم کمپنیوں کے دفاتر کے چکر لگاتے لگاتے کافی دن گزر گئے تھے اور بیٹھنے تک کی کوئی جگہ نہیں ملی تھی لیکن صورت حال ذرا مختلف ہو گئی تھی۔ پانچ ہزار روپے ایڈوانس ملنے کا چانس مل گیا تھا اور پھر فلم کے لیے بھی چانس دکھانے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ چار فلمیں جنھیں وہ ڈائریکٹ کر رہے تھے یا کرنے والے تھے یا کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ابھی تک منظر عام پر نہیں آئی تھیں۔ ان کا کوئی نام نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ یہ تمام تفصیلات معلوم ہو گئیں۔ لیکن گلزار بھائی بہر طور کام کے آدمی تھے۔ کم از کم فلمز انڈسٹریز کے چکر لگاتے لگاتے انھیں پورے فلم انڈسٹری کے تجربات حاصل ہو گئے تھے۔ جتنی باتیں انھوں نے ان لوگوں کو بتائی وہ سب کام کی باتیں تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا سعدی اور ظفری کے علاوہ شکیلہ نے بھی اسے تسلیم کیا۔

ہر چند کہ یہ اس ماحول سے بالکل ناواقف تھے لیکن بہر طور اس ماحول کی کہانیاں تو ان کے علم میں آئی تھیں اور گلزار بھائی انھی کہانیوں کا ایک جیتا جاگتا کردار تھے۔

انھوں نے باقاعدگی سے کام شروع کر دیا تھا اور ایسے ایسے مفید مشورے دیے تھے ان لوگوں کو کہ ان کی آنکھیں کھل کر رہ گئی تھیں۔ فلم انڈسٹری کے ڈھول کا پول ان کے سامنے آ رہا تھا۔ گلزار بھائی نے انھیں بہت سی کہانیاں سنائی تھیں۔ اور بتایا تھا کہ بڑے بڑے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر کس طرح فلم بنا لیتے ہیں۔"

بہر طور گلزار بھائی کی آمد کو بہتر سمجھا گیا۔ چند روز میں ان کا جائزہ لے لیا گیا اور اس کے بعد پانچ ہزار روپے انھیں عطا کر دیے گئے۔ دراصل تھوڑی بہت رقم خرچ کر کے یہ لوگ اپنے اس نئے کاروبار کے بارے میں تمام تفصیلات حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ پھر کہانی کے سلیکشن کا

پروگرام بنایا گیا اور یہ کام گلزار بھائی کے سپرد کیا گیا تھا۔ باقی گلزار بھائی نے ایک چھوٹی سی تختی لگا دی تھی اور اس پر لکھ دیا گیا تھا کہ جن لوگوں کو بلایا گیا ہو وہی آئیں باقی حضرات تکلیف نہ کریں۔

چنانچہ آج مصنفین کے انٹرویو کا پروگرام بنایا گیا۔ انٹرویو کے لیے آنے والے حضرات کو باہر کمرے میں بٹھا دیا گیا تھا۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ اور گلزار بھائی' چار افراد پر مشتمل یہ پینل انٹرویو لینے کے لیے تیار تھا۔ باہر کے کمرے میں مصنفین حضرات آپس میں گفتگو کر رہے تھے اور ان کے ناموں کی فہرست ان لوگوں کے سامنے پہنچا دی گئی تھی دفعتاً ظفری نے کہا۔

"گلزار بھائی۔"

"ہاں۔ جھمری بھائی بولو کیا بولتا پڑا؟"

"جن لوگوں کے ناموں کی یہ فہرست ہے' ان میں سے پہلے بھی کسی نے کوئی فلمی کہانی لکھی ہے؟"

"اے کیا بولتا جھمری بھائی ہم سب فالتو لوگ چھانٹی کیا ایسا لوگ جس نے پہلے کبھی کوئی فلمی کہانی نہیں لکھا یہ سب وہ لوگ ہے جو ایک دم ہٹ اسٹوری لکھتا پڑا اے بابا۔" سعدی نے چونک کر گلزار بھائی کی شکل دیکھی۔ اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔ تب اس نے ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"گلزار بھائی ایک بات غور سے سن لو۔ وہ لوگ جو فلمیں بنا رہے ہیں' فلمیں لکھ رہے ہیں' ان میں کام کر رہے ہیں ان میں سے ایک بھی ہمارے معیار کا نہیں ہے جیسی فلمیں وہ لوگ بنا رہے ہیں ہمیں ان سے نفرت ہے۔ پھر ان لوگوں نے اس صنعت پر قبضہ کر رکھا ہے۔ نئے ذہن' نئے چہرے صرف اس لیے پیچھے جا پڑے ہیں کہ آپ جیسے لوگ انھیں آگے نہیں آنے دیتے۔ آپ جانتے ہیں گلزار بھائی کہ فلم بنا کر ہم دولت نہیں سمیٹنا چاہتے ہمارا مقصد کچھ اور ہے۔ چنانچہ آپ خیال رکھیں یہاں آنے والوں کے ساتھ عام فلم کمپنیوں کا سا سلوک نہیں ہونا چاہیے جو بھی آئے اسے ہمارے پاس ضرور بھیجا جائے اگر زیادہ لوگ آ گئے اور وقت کا معاملہ ہوا تو ہم انھیں پھر آنے کا

وقت دے دیں گے۔"

"ٹھیک ہے بابا خیال رکھیں گا۔" گلزار بھائی نے اتفاق کیا۔

"نہیں گلزار بھائی پریشانی کی بات نہیں ہے ہم نے آپ کو بتا دیا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں بس آپ اس پر عمل کرتے رہیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے بابا ابھی اپن ایک آدمی کو بلا تا پڑا ہے۔ اس سے ملو۔" گلزار بھائی نے کہا۔ اور ایک مشہور اسٹوری رائٹر کا نام پکار لیا گیا۔ فرقان فرقانی اندر داخل ہوئے تو ان کو دیکھ کر سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کہاں سے فرقان ہیں کہاں سے فرقانی۔ قد ساڑھے چار فٹ' گھٹنوں تک لمبی بشرٹ پہنے جس پر دو فلمی اداکاروں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ کالے رنگ کی پتلون پیروں میں اسفنج کی چپل' جسامت کے لحاظ پھیلاؤ کچھ زیادہ بھدے خدوخال' پیشانی مدارد' آنکھوں سے کچھ اوپر بے بی اسٹائل کے کترے ہوئے بال پڑے ہوئے تھے اور سر پر ایک پورا بیابان نظر آ رہا تھا۔ الٹے ہاتھ میں بریف کیس پکڑے سیدھے ہاتھ سے لکھنوی انداز میں سلام کرتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ اتفاق کی بات تھی کہ سب سے پہلی نگاہ سامنے بیٹھی ہوئی شکیلہ پر پڑی۔ بے تکلفی سے اس کے سامنے پڑی ہوئی کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ پہلے بریف کیس میز پر رکھا اور پھر ایک کہنی میز کی سطح پر ٹکا کر اس کی طرف جھکے اس کی آنکھوں میں دیکھتے رہے' دیکھتے رہے' دیکھتے رہے' دیکھتے رہے' دیکھتے رہے۔ پھر ایک دم پیچھے ہٹ گئے اور اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے تھے۔ سعدی' ظفری اور گلزار بھائی کو انھوں نے ایک دم نظر انداز کر دیا تھا۔

"پیشانی کی چمک۔" فرقان فرقانی کی آواز ابھری۔ "ابرو کا خم' ہونٹوں کی مسکان انداز نشست' تیرے وقار' تیرے عزوجلال کی خبر دے رہا ہے۔ اے حسینہ ہم اہل خرد مستقبل کے دریچوں میں جھانک لیتے ہیں اور پیش گوئی کرتے ہیں کہ شاخ گل پر سجا ہوا یہ آشیانہ فلمی دنیا کی پیشانی کا نور بن جائے گا لیکن اسے فرقان کا پسینہ درکار ہے تو حاضر ہے تیرے لیے سمجھ لے اور فرقان ایک

ایسی کہانی تشکیل دے گا جو آفاقی ہو گی لوگوں پر سحر طاری کر دے گی۔ میں اس سے بڑا اخراج تیرے حسن کو نہیں پیش کر سکتا۔" انھوں نے دو قدم پیچھے ہٹ کر کہا پھر دو قدم آگے بڑھ کر دوبارہ کرسی گھسیٹی۔ شکیلہ اس طرح نیچے جھکی جیسے پاؤں کی جوتی اتار رہی ہو۔ اور فرقان فرقانی بیٹھتے بیٹھتے پھر کھڑے ہو گئے ایک لمحے کے لیے ان کے چہرے پر تردد کے آثار نظر آئے تھے۔ جب شکیلہ اپنا پیر کھجا کر سیدھی ہو گئی تب ان کی جان میں جان آئی اور وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئے۔

سعدی اور ظفری نے شکیلہ کی یہ حرکت دیکھی تھی اور ان کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی تھی بہر طور انھوں نے اس سلسلے میں کوئی مداخلت نہیں کی۔ معاملہ شکیلہ پر آ پڑا تھا تو اب وہی اس فرقان فرقانی سے نمٹ سکتی تھی۔

"کیا لکھتے ہیں آپ؟"

"ایں۔ کیا نہیں لکھتے ہم۔ یہ فرمائیے کیا نہیں لکھتے۔"

"کچھ لکھ کر لائے ہیں؟"

"اوہ۔ شاید تم فرقان فرقانی سے واقف نہیں ہو۔ خوبرو لڑکی۔ فرقانی نے جو بھی کہانی لکھی وہ کبھی ناکام نہیں ہوئی تم بتاؤ شاخ گل کے لیے ہم کیا کریں؟"

"میری مانیں گے؟" شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آہ۔ تمھاری نہ مانیں گے تو اس دنیا میں کس کی مانیں گے۔ کہو۔ بے تکلفی سے کہو جو کچھ کہنا چاہتی ہو کہو۔"

"ذرا یہ بریف کیس اٹھائیے۔" اور فرقان فرقانی نے سامنے رکھا ہوا بریف کیس اٹھا لیا۔

"ذرا کرسی سے اٹھیے۔" فرقان فرقانی کرسی سے اٹھ گئے۔

"اب دروازے تک جائیے۔"

"ایں ہم سمجھ نہیں سکے۔"

"جائیے جائیے پلیز جائیے تو سہی۔" شکیلہ نے لجاجت سے کہا اور فرقان فرقانی

دروازے تک پہنچ گئے۔

"اب دروازہ کھولیے اور باہر نکل جائیے۔"

"ایں ہم سمجھے نہیں۔"

"گیٹ آؤٹ۔" شکیلہ حلق پھاڑ کر دھاڑی اور فرقان فرقانی بے اختیار دروازے سے باہر نکل گئے۔ گلزار بھائی کا قہقہہ چھوٹ گیا تھا۔ سعدی اور ظفری بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے تھے۔ "گڈ گڈ ویری گڈ۔ پہلا انٹرویو نہایت کامیاب رہا۔" ظفری نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ رائٹر تھا یا بھانڈ۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"اوہ۔ ممیں ممیں شکیلہ بی بی۔ آپ نہیں سمجھتا۔ ابھی خدا کا قسم میرے کو معلوم نہیں تھا کہ اپنا پھرکان پھرکانی اتنا پہنچا ہوا ہجرک ہے۔ امارے کو آج تک نہیں معلوم تھا۔"

"گلزار بھائی فضول باتوں سے پرہیز کیجیے دوسرے رائٹر کو بلائیے۔" شکیلہ نے کہا۔

"ابھی بلاتا پڑا ہے۔ ابھی بلاتا پڑا ہے۔" گلزار بھائی نے فہرست دیکھی اور پھر آواز لگائی۔

"ناجک دلبری۔"

"جی کیا فرمایا آپ نے؟"

"ناجک دلبری کئی پھلم لکھا۔ اچھا رائٹر ہے اچھا رائٹر ہے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد نازک دلبری اندر تشریف لے آئے۔ نام ہی سے نازک نظر آتے تھے۔ دیکھنے میں بھی دھان پان سے تھے۔ پورا منہ اگالدان بنا ہوا تھا۔ دانتوں کو چھالیہ سمجھ کر کتر چکے تھے۔ صرف ان کے نشانات باقی رہ گئے تھے جو کتھے کی کتری ہوئی ڈلیاں معلوم ہوتے تھے۔ قدیم دور کے پاجامے اور شیروانی میں ملبوس تھے۔ بغل میں فائل دبی ہوئی تھی اور چال میں بڑی نزاکت اور لچک تھی۔ شرماتے ہوئے اندر آئے اور جھک جھک کر کئی سلام کر ڈالے۔

"اللہ اکبر۔" ظفری نے زوردار آواز میں کہا۔

"وعلیکم سلام وعلیکم سلام حضور۔ وعلیکم سلام۔" وہ دونوں ہاتھ لیے ہوئے مصافحے کے لیے لپکے اور فائل بغل سے نکل کر نیچے گر پڑی۔ مصافحہ بھول کر فائل کی طرف لپکے اور اسے سمیٹنے میں لگ گئے لیکن شیروانی کی جیب سے فاؤنٹین پن نکل کر نیچے گر پڑا تھا۔ سماعت بھی کمزور تھی اور شاید بصارت۔ اس لیے اللہ اکبر کو السلام علیکم سمجھے تھے۔ اس لیے جواب دے کر مصافحے کے لیے دوڑ پڑے تھے۔ بھلا ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں جو سلام کرنے میں پہل کریں۔ بہرحال بمشکل تمام وہ اپنا سامان سمیٹنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس دوران مصافحہ بھول چکے تھے۔ فائل سمیٹتے ہی میز کے نزدیک آ کھڑے ہوئے۔

"تشریف رکھیے۔" ظفری نے کہا۔

"الحمدللہ دعائیں ہیں آپ کی۔" نازک صاحب نے نزاکت سے کہا۔

"سبحان اللہ میں نے کہا تشریف رکھیے۔" اس بار ظفری نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

شکیلہ پھر مسکرا پڑی تھی۔

"اوہ نوازش نوازش۔" نازک صاحب کرسی پر بیٹھ گئے۔

"ناجک صاحب ذرا اونچا سنتے ہیں۔" گلزار بھائی نے کہا۔

"فرمائیے ناجک صاحب آپ کیا لائے ہیں۔" اس بار سعدی اونچی آواز میں بولا۔

"بندہ پروری ہے آپ کی۔ ورنہ خادم کس لائق ہے۔"

"سنبھالیے گلزار بھائی آپ ہی سنبھالیے۔" ظفری گہری سانس لے کر کرسی پر ٹک گیا اور گلزار بھائی اپنی کرسی کے پیچھے سے نکل کر نازک صاحب کے پاس پہنچ گئے۔

"اے ناجک صاحب کیا منگج پھر گیا ہے تمھارا۔ ارے وہ تمھارا سننے والا آلہ کدھر ہے۔ ادھر کیسے بات کریں گا تم؟" نازک صاحب سوالیہ انداز میں گلزار بھائی کی طرف دیکھ رہے تھے پھر وہ مڑ کر رازدارانہ انداز میں ظفری سے بولے۔

"کیا کہہ رہے ہیں گلزار بھائی؟" اور ظفری قہقہہ ہضم نہ [illegible] وہ بری طرح ہنس پڑا

تھا۔سعدی اور شکیلہ بھی ہنسنے لگے۔

''آہ' ساعت کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔'' ظفری نے بمشکل تمام ہنسی روک کر کہا۔

''محبت۔'' نازک صاحب نے مسکرا کر کہا۔ ''حضرت محبت کے بغیر کوئی کہانی مکمل نہیں ہوتی۔ میری کہانی میں محبت کا سمندر موجزن ہے۔ ایک پاکیزہ رومان' وہ کپڑے دھوتی تھی۔ اس نے دنیا کو بہت نیچے رہ کر دیکھا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ گاؤں کا سب سے بڑا زمیندار لاکھوں روپے کی جائیداد کا مالک اس کے قدموں پر قربان کر دے گا لیکن معاشرہ اس دھوبن کو کیسے قبول کر سکتا تھا۔ درجات کی پابندیوں نے دلوں کے اصولوں کو کیسے سل کیا ہے۔ اندھے سماج کو کیا معلوم کہ دلوں کی دھڑکنیں کیوں ہم آہنگ ہوتی ہیں۔ اس کی نگاہیں دلوں کے اندر کب پہنچتی ہیں۔''

''او ناجک صاحب ناجک' خدا کے واسطے کائے کو مسکری کرتا اے۔'' گلزار بھائی چیخ کر بولے۔

''حسین واقعات پر مشتمل پاکیزہ کہانی محبت کے جذبات سے مزین۔''

''ابے اتم اٹھو ادھر سے نکل پڑو۔'' گلزار بھائی کی قوت برداشت جواب دے گئی تھی۔ انھوں نے نازک صاحب کا بازو پکڑا اور طاقت لگا کر انھیں کھڑا کر دیا۔ نازک صاحب تعجب سے انھیں دیکھنے لگے تھے۔

''چند ٹکڑے اور ہیں انھیں سنا دوں۔'' انھوں نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

''ارے تم اٹھتا ہے ادھر سے یا تمھیں دھکا مارے۔ خدا قسم اگر تم نے اور پریشان کیا تو ہم تمھارے ٹکڑے کر دیں گا۔'' گلزار بھائی نازک صاحب کو کھینچ کر اٹھاتے ہوئے بولے اور نازک صاحب بمشکل کھڑے ہو گئے۔

''تو حضور خیال رکھیے گا خدا حافظ۔'' انھوں نے پھر مصافحہ کرنے کے لیے لپکنے کی

کوشش کی لیکن گلزار بھائی نے ان کی کمر پکڑ لی تھی۔ اب صورت حال یہ تھی کہ نازک صاحب مصافحہ کرنے کے لیے زور لگا رہے تھے اور گلزار بھائی انھیں باہر نکالنے کے لیے جب دونوں میں کوئی کامیاب نہ ہوا تو نازک صاحب نے خود ہی مسکراتے ہوئے گلزار صاحب کی طرف دیکھا اور شرما کر بولے۔

''بڑے ظریف الطبع ہیں اپنے گلزار بھائی۔''

''اے جرچسو کا بچہ کائے کو ہماری اجت کے پیچھے پڑ گیا ہے باہر جاؤ خدا کے واسطے باہر جاؤ۔'' بالآخر گلزار بھائی نازک صاحب کو باہر کھینچ کر لے گئے تھے۔ شکیلہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی تھی ظفری اور سعدی بھی بے تحاشہ ہنس رہے تھے۔ اور کچھ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو کم از کم ان دو آدمیوں سے ملاقات نے طبیعت صاف کر دی تھی لیکن باہر گلزار بھائی کسی باقاعدہ مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ کھینچ تان کی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید نازک صاحب کو اپنی توہین کا احساس ہو گیا تھا۔ پھر دروازہ بڑی زور سے کھلا اور ایک نئی شکل نظر آئی لیکن دوسرے لمحے اسے کسی نے پیچھے سے باہر کھینچ لیا تھا اس کے بعد پھر وہی شکل اندر گھس آئی۔ اس کے پیچھے گلزار بھائی اور مضطرب صاحب دوڑے ہوئے آئے تھے انھوں نے دونوں طرف سے اس نئے آدمی کو پکڑ لیا۔

''میں نے تیرے کو بولا ابھی اندر نہیں آنے دیں گا جبردستی کائے کو کرتا پڑا۔'' گلزار بھائی نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے گلزار بھائی' کیا بات ہے؟'' سعدی نے پوچھا۔

''حضور میں ایک انقلابی ادیب ہوں' انقلابی کہانیاں لکھتا ہوں اور خود بھی انقلابات کا شکار ہوں۔ سماج کے ٹھیکے دار یہ ظالم سرمایہ دار کسی غریب کو ابھرنے نہیں دیتے۔ میرا داخلہ بند کیا جا رہا ہے جبکہ میں بھی اپنی کہانی آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔'' گلزار بھائی کے بجائے نووارد نے کہا۔

''او بابا میں نے تیرے کو کدھر منع کیا ہے اپنا باری تو آنے دے بھائی۔'' گلزار بھائی

بولے۔

"حق چھیننے سے ملتے ہیں مانگنے سے نہیں۔ میں انتظار نہیں کر سکتا۔ انسان صدیوں سے انتظار کر رہا ہے۔ اور صدیوں تک انتظار کرتا رہے گا کیا انتظار کبھی ختم نہیں ہوگا۔ میری نئی کہانی کا نام انتظار ہے۔"

"چھوڑ دو گلزار بھائی اسے چھوڑ دو۔" ظفری نے کہا اور گلزار بھائی اور مضطرب صاحب نے نووارد کو چھوڑ دیا۔

"شکریہ جناب۔ ذرا غور فرمایئے کیا انوکھا خیال ہے۔ انقلابی حیثیت کے مالک لوگ محلوں اور کوٹھیوں کی بات کرتے ہیں۔ لاکھوں میں کھیلنے والوں کی بات کرتے ہیں۔ ملوں اور فرموں کی بات کرتے ہیں۔ وہ غریبوں کے مسائل سے بالکل ناواقف ہیں انھوں نے پسماندہ بستیوں سے بالکل آنکھیں بند کر لی ہیں۔ میں نے ایک نان بائی کے مسائل پیش کیے ہیں وہ چھبیس سال کا ایک بانکا نوجوان تھا تندور پر روٹیاں پکاتا تھا۔ گرمی میں، سردی میں، برسات میں، بھری دنیا میں تنہا تھا اور پھر اس کی دنیا میں رانو آئی چیتھڑوں میں ملبوس ایک شرمیلی بھکارن اس نے ہاتھ پھیلایا اور نوجوان نے دل نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا وہ بے سدھ ہو گیا۔ اسے دنیا کی خبر نہ رہی اور بھکارن کی جھیل سی جیسی آنکھوں میں ڈوب کر بے گانہ ہو گیا۔"

"کیا آئیڈیا مارا خدا قسم ارے بابا تندور میں جو روٹیاں جلیں گا اس کا پیسہ کون دے گا؟" گلزار بھائی طنزیہ انداز میں بولے اور نووارد نے اداس نگاہوں سے گلزار بھائی کو دیکھا پھر بولا۔

"عشق دیوانہ کسی نقصان کی پروا کب کرتا ہے۔ گلزار بھائی آگے سنو۔"

"ایک منٹ ایک منٹ۔" ظفری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا محترم۔"

"خادم کو ٹھاکر تلواری کہتے ہیں۔"

"خدا کی پناہ، آپ کی زبان بھی تلوار ہی کی مانند چلتی ہے۔"

"سنیے سنیے، کہانی سنیے۔"

"اے بھائی نان بائی نہیں چلیں گا۔" گلزار نے دخل دیا۔

"کیسے نہیں چلے گا۔ تم لوگ پیسے کے اعتبار سے انسان کی حیثیت پر دباؤ نہیں ڈال سکتے۔ عشق ایک انقلابی حقیقت ہے اور انقلاب دبائے نہیں جا سکتے۔ رانو اس کی زندگی بن گئی تھی۔ بھکارن بھوکی تھی وہ پیٹ بھرنا چاہتی تھی اور عشق سے پیٹ نہیں بھرتا۔"

"عزت خدا قسم عزت، ابھی ادھر سارا شاعر ماعر بولتا لوگ کہتا پڑا کہ جب انسان کو عشق ہو جاتا ہے تو کھانا مانا چھوٹ جاتا ہے خیر۔"

"جھوٹ بولتے ہیں بکواس کرتے ہیں، پیٹ ایک آسمانی حقیقت ہے بھوک ہر جذبے کو فنا کر دیتی ہے۔" ٹھاکر تلواری زوردار لہجے میں بولے اور پھر کہنے لگے۔

"اور جب بھکارن نے اسے اپنا پیٹ کھول کر دکھایا تو۔ تو نان بائی کا دل لرز کر رہ گیا۔ آہ اس کی محبوبہ بھوکی تھی۔ اس کا پیٹ اس کی پیٹھ سے چپکا ہوا تھا۔"

"کٹ کٹ۔ یہ سین سنسر اڑا دے گا۔ سیکس مارتا پڑا! ہے یار فلم ڈبے میں بند کرائیں گے۔" گلزار بھائی چیخے۔

"نہیں کاٹ سکے گا تم کب تک بھوک کو چھپاتے رہو گے ایک نہ ایک دن یہ اس زور سے ابھرے گی کہ انسان انسان کو کھانا شروع کر دے گا بھوک ایک انقلاب۔ انقلاب ایک ازلی بھوک۔" ٹھاکر تلواری نے مکا لہرا کر کہا اور گلزار بھائی نے جلدی سے اپنا منہ پیچھے کر لیا ورنہ ان کا منہ اس مکے کی زد میں تھا۔ دفعتاً ظفری بولا۔

"معاف کیجیے گا تلواری صاحب کیا آپ ناشتہ کر چکے ہیں؟"

"جی۔" تلواری صاحب ایکدم چپ ہو گئے پھر شرما کر بولے۔

"کر لوں گا جی۔"

"گلزار بھائی۔" ظفری نے گلزار بھائی کو مخاطب کیا۔

"جی سرکار۔" گلزار بھائی جلدی سے بولے۔

"آپ ایسا کریں سامنے والے ہوٹل میں لے جا کر تلواری صاحب کو ناشتہ کرا دیں اور باقی لوگوں سے معذرت کر لیں ہم ذرا آپس میں تبادلہ خیال کریں گے۔"

"بہت اچھا صاحب۔" جیسی آپ کی مرضی اور باقی لوگ جو ادھر بیٹھا پڑا ہے بڑا رائٹر ہے صاحب ابھی آپ ان سے ملیں گا تو طبیعت خوش ہو جائیں گا۔"

"ہماری طبیعت خوش ہو چکی ہے گلزار بھائی بس اتنا ہی کافی ہے آپ لے جائیے۔"

"جو آپ کا حکم۔ گلزار بھائی پانچ ہزار کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ اپنا سارا کروفر بھول گئے تھے اور مالکان کے حکم کو مانتے تھے چنانچہ تلواری صاحب کو لے کر باہر نکل گئے۔

"خدا کی پناہ۔" شکیلہ نے ہنستے ہوئے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ ظفری اور سعدی ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"کیا خیال ہے پیر و مرشد اس ماحول کے بارے میں؟"

"پاگل کر دینے والی حقیقتیں سامنے آ رہی ہیں۔ کیا سچ مچ یہ لوگ اس دنیا سے تعلق رکھتے ہیں سعدی۔" شکیلہ نے پوچھا۔

"ہاں اس دنیا سے فلم انڈسٹری کی دنیا کسی سیارے کی دنیا ہے یہاں عام انسان نہیں ہوتے۔ ان کا ہلکا سا مظاہرہ تو تم نے دیکھ لیا ہوگا ابھی تو ہمیں نہ جانے کیا کیا دیکھنا پڑے۔"

"فلم تو خیر ہم کیا بنائیں گے۔ بس یوں لگتا ہے کہ ہنستے ہنستے پیٹ کے مریض بن جائیں گے۔" شکیلہ نے کہا۔

"ویسے شکیلہ یہ تفریح بری نہیں لگ رہی۔"

"تفریح تو بری نہیں لگ رہی لیکن تفریح کے ساتھ ساتھ کچھ کام کی باتیں بھی ہونی چاہئیں نا۔" شکیلہ نے کہا۔

"ہو جائیں گی بھئی وہ بھی ہو جائیں گی۔ اب جب شاخ گل فلمز قائم کیا ہے تو ان نازک دلبری اور ٹھاکر تلواری جیسے لوگوں سے بھی ملنا ہی پڑے گا ابھی تو بہت سے کردار باقی ہیں ہماری نئی فلم کے سلسلے میں۔"

"تو کیا طے کیا؟"

"دیکھیں گے دیکھیں گے ہم کسی ایسے ادیب کی کہانی لیں گے جو غیر معروف ہو تو ہو لیکن ہوشمند ضرور ہو۔"

"قصور ان لوگوں کا بھی نہیں ہے سعدی لیکن بہرحال یہ اہل قلم ہیں لیکن دولت خرچ کرنے والے دنیا کے سب سے بڑے عقلمند ہوتے ہیں۔ وہی مناسب اور موزوں ہوتا ہے جو وہ سوچتے ہیں ان کے قلم پر انہی کی سوچ مسلط ہوتی ہے یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ خود سوچنے لگتے ہیں کہ ان کا علم ان کا ادب بے کار شے ہے کارآمد وہی ہے جو سیٹھ ڈھولر بھائی بولتا ہے۔"

"بہرحال کہانی تو مل جائے گی۔ اصل بات تو اس لائن کے لوگوں سے ملاقات تھی۔ واقعی بڑے بڑے تماشے ہوتے ہیں اس زندگی میں۔ ابھی تو اور بھی بہت سے شعبے باقی ہیں ان میں بھی نایاب لوگوں سے ملاقات ہوگی۔ ان لوگوں کا یہ خیال درست تھا کہ کہانی کی تلاش جاری رہی۔ اخبارات میں اشتہارات نکلتے رہے تھوڑے دن بعد انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ ان لوگوں سے نمٹنا بڑی جان جوکھم کا کام ہے ہر شخص اپنے فن میں یکتا۔ ہیرو ہیروئن ولن اور نہ جانے کون کون سے ادا کار آ رہے تھے اور دفتر میں اداکاری کے مظاہرے ہوتے اور روز نیا ہنگامہ دیکھنے میں آتا۔

بلاشبہ یہ سارے ہنگامے دل چسپی کا باعث تو تھے لیکن ابھی تک ان میں آمدنی کی کوئی صورت نہیں نکل پائی تھی اور مالکان کا گروہ جو تین افراد پر مشتمل تھا سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہونا چاہیے۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم ان آنے والوں پر کوئی فیس لگا دیں تو ان سے بھی

معقول آمدنی ہو جائے گی لیکن یہ فیس کس شکل میں لگائی جائے۔"

"مجھے اس سے اختلاف ہے۔" سعدی بولا۔

"کیوں؟" ظفری نے سوال کیا۔

"بھئی اس لیے کہ اس طرح یہ ادارہ ان فراڈ اداروں میں شمار ہو جائے گا جو عموماً کھلتے رہتے ہیں اور بند ہو جاتے ہیں۔ مختلف لوگوں سے فلم بنانے کا لالچ دے کر کسی نہ کسی شکل میں کچھ نہ کچھ وصول کرتے ہیں اور اس کے بعد رفو چکر ہو جاتے ہیں۔ ہماری ساکھ اس طرح بنے گی کہ ہم ان لوگوں سے کچھ نہ لیں۔"

"کچھ نہ لیں تو یہاں بیٹھنے کا فائدہ کیا ہوگا سعدی صاحب۔" ظفری نے سوال کیا۔

"میں سمجھ رہی ہوں سعدی کی بات۔ دراصل سعدی کا کہنا یہ ہے کہ ایسے بہت سے ادارے تو کھلتے ہی رہتے ہیں۔ ہم خود اخبارات میں اشتہارات دیکھ کر ان کی طرف توجہ نہیں دیتے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ کسی کو ہیرو بنا دیں گے کسی کو ہیروئن بنا دیں گے۔ سنہری مستقبل کے نغمے دے کر وہ تھوڑا بہت پیسہ بٹور لیتے ہیں۔ عموماً ایسے اداروں کی طرف رخ نہیں کیا جاتا لیکن چونکہ ہمارے ادارے نے کوئی ایسی شرط نہیں رکھی اس لیے لوگ دھڑا دھڑ آ رہے تھے ممکن ہے کوئی فنانسر بھی اس طرح متوجہ ہو ہی جائے۔ اصل مسئلہ فنانسر کا ہے۔ اگر وہ ہمارے ہاتھ لگ گیا اور کوئی صحیح چیز ہاتھ لگ گئی تو پھر یوں سمجھ لو کہ ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ ورنہ اس سے پہلے ایسے اداروں کی طرف فنانسر متوجہ نہیں ہوتے۔"

"ہوں بات کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی ہے۔" پھر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن انتظار طویل انتظار۔"

"دیکھو ظفری انتظار تو کرنا ہی ہے فلم کمپنی کا یہ دفتر کم از کم ہمارے لیے دل چسپی کا باعث ضرور ہے۔ اگر اس سے کچھ بات بنی تو ٹھیک ہے ورنہ کچھ اور سوچیں گے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے گویا ابھی اپنی جیب سے خرچ کیا جا رہا ہے؟"

"ہاں یوں سمجھو کہ ابھی ہم آرام کر رہے ہیں اور اس آرام کے دوران جو یہ تفریحات ہو رہی ہیں وہ بری نہیں ہیں سب سے بڑا مسئلہ تو مطلق صاحب کا ہے جن کو میں آجکل بڑی مشکل سے ٹال رہی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی مطلق صاحب کہتے ہیں کہ ان کے لیے بھی اس دفتر میں جگہ بنائی جائے تم اندازہ لگا لو اگر مطلق صاحب یہاں پہنچ گئے تو پھر یہ تفریحات ختم ہو جائیں گی۔"

"ہاں واقعی اس میں کوئی شک نہیں تو پھر کیا طے پایا ہے۔ مطلق صاحب سے؟"

"میں نے یہی کہا ہے کہ ابھی وہ آرام سے بیٹھیں ابھی ان کی ضرورت نہیں ہے ان کے بہت اصرار پر میں نے ان سے کہا کہ کاروبار چلانے کے لیے جو چالیں چل رہے ہیں اس میں اگر وہ موجود ہوئے تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ اس بات پر مطلق صاحب خاموش ہو گئے۔"

"واقعی انھیں تو یہاں سے دور رہنا چاہیے۔ یہاں ان کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔" ظفری نے کہا اور سعدی مسکرانے لگا۔

بہت سے نئے نئے تجربات ہوئے تھے انھیں گلزار صاحب کے بارے میں پتا چلا کہ انھوں نے آج تک کوئی فلم ڈائریکٹ نہیں کی۔ ہاں کچھ ڈائریکٹروں کے ساتھ لگے لگے ضرور پھرتے رہے ہیں اور کوشش کرتے رہے ہیں کہ کم از کم انھیں اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہی مقرر کر لیا جائے لیکن کوئی بھی ڈائریکٹر اس بات پر رضامند نہیں ہوا البتہ ایکسٹرز لائٹ مینوں سے کیمرہ مینوں سے فلم ڈائریکٹروں سے‘ فلم پروڈیوسروں سے‘ فلم فنانسروں سے ان کے کافی تعلقات تھے۔ ہر شخص کے پیچھے لگنے والوں میں سے تھے۔ چرب زبان آدمی تھے اس لیے چل ہی جاتی تھی کہیں نہ کہیں تھوڑی بہت۔

لیکن ابھی تک وہ کسی فلم کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکے تھے۔ بہر طور کم از کم گلزار بھائی کی یہ کوالٹی بھی ان لوگوں کے لیے قابل قبول تھی کہ وہ ہر شخص سے بے تکلفی سے بات ضرور کر لیتے

تھے اور خود کو خواہ مخواہ فلم ڈائریکٹر سمجھا کرتے تھے' اگر گلزار بھائی پانچ ہزار کے عوض کسی فنانسر کو پھانسنے میں کامیاب ہو ہی جاتے ہیں تو پھر کیا برا ہے' سعدی کو یقین تھا کہ وہ ایسی کسی کوشش میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے' چنانچہ وہ انھیں بھی باقاعدہ تربیت دے رہا تھا۔ اور گلزار بھائی آج کل فنانسر کی تلاش میں تھے۔ اس دوران دوسرے بہت سے کردار بھی سامنے آتے رہتے تھے۔

چنانچہ ایک دن اس فلم کے لیے جس کا ابھی کوئی نام نہیں تھا کوئی کہانی نہیں تھی' ہیرو کے رول کا کردار انجام دینے کے لیے چند نوجوانوں کو مدعو کر لیا گیا اور آج ان کے انٹرویو کا دن تھا۔

ہیرو حضرات باہر ہال میں انٹرویو کے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ فلم انڈسٹری کے نامور ہیرو تو خیر اس طرح انٹرویو میں آنا پسند نہیں کرتے تھے' ان کی دال روٹی خوب چل رہی تھی' ہاں وہ لوگ جو ہیرو بننے کے خواہشمند تھے' آگئے تھے۔ گلزار بھائی ان سب کو باہر ریسیو کر رہے تھے۔ انھوں نے سعدی وغیرہ سے پورا پورا تعاون کیا تھا اور اس بات پر آمادہ ہو گئے تھے کہ بالکل نئے لوگوں کی ٹیم بنا کر کام شروع کیا جائے۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ تیاریوں میں مصروف تھے۔

مضطرب صاحب ہماری آواز کے منتظر تھے' تھوڑی دیر کے بعد گلزار بھائی اندر آ گئے اور انھوں نے ڈائریکٹر کی سیٹ سنبھال لی۔ پھر انھوں نے گھنٹی بجائی اور مضطرب صاحب نے پہلے ہیرو کو اندر بھیج دیا۔

دروازے سے ایک بانکے چھبیلے نوجوان اندر تشریف لے آئے' بالوں میں خوب تیل چپڑا ہوا تھا' سینہ چھبیس انچ' کمر اٹھارہ انچ' قد ساڑھے پانچ فٹ' گال پچکے ہوئے' دانت پیلے' سرخ رنگ کی بشرٹ اور نیلے رنگ پتلون' چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں جوانی کا خمار زبردستی بھرے ہوئے لچکتے مٹکتے' اندر داخل ہو گئے۔

''خادم کو حسین مہ جبیں کہتے ہیں۔'' انھوں نے اپنا تعارف کرایا۔

''خوب خوب۔ اس سے قبل کسی فلم میں کام کیا ہے؟'' سعدی نے پوچھا۔

''جی۔''

''کون سا رول ادا کرتے ہو؟''

''جی وہ بس' پہلی فلم میں' میں بار والا بنا تھا اور پھر اس کے بعد۔۔۔''

''اس کے بعد کیا ہوا؟'' ظفری نے تمسخرانہ لہجے میں پوچھا۔

''پھر چانس نہیں ملا۔ لیکن یہ میرے پاس کچھ تصویریں ہیں' دیکھیے میں نے ان میں اداکاری کے جوہر دکھائے ہیں۔'' انھوں نے جیب سے ایک پیکٹ نکال کر میز پر پٹخ دیا اور تصویریں بکھر گئیں۔ کسی تصویر میں موصوف بوتل ہاتھ میں لیے ناچتے نظر آ رہے ہیں' کسی میں بڑا عشقیہ پوز بنائے ہوئے تھے' کسی میں اپنے ہی جیسے دو چار لوگوں سے نبرد آزما تھے۔

''اٹھائیے انھیں۔'' ظفری کڑک کر بولا۔

''جی وہ ایک بار چانس دے دیجیے۔ پھر اداکاری دیکھیے۔'' وہ جھجکتے ہوئے بولے۔

''تصویریں اٹھاؤ۔'' گلزار بھائی گرجے اور موصوف نے جلدی جلدی تصویریں سمیٹنا شروع کر دیں' پھر وہ انھیں پیکٹ میں بھرتے ہوئے بولے۔

''تو پھر کیا فیصلہ کیا حضور نے۔''

''فیصلہ یہ کیا ہے کہ اگر آپ دو منٹ کے اندر اندر اس عمارت سے باہر نہ نکلے تو اٹھا کر پھنکوا دیے جاؤ گے۔'' ظفری کرسی کھسکاتا ہوا بولا۔

''اوہ آپ بہت زندہ دل ہیں مذاق فرما رہے ہیں۔'' لیکن ظفری ان کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''اے جاؤ نا بابا پہلے اپنا کمر سیدھا کر کے آؤ ٹانگیں ٹیڑھا ہوتا پڑا اور ہیرو بننے کر آیا۔ اے جاؤ نا یار۔'' گلزار بھائی کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔ اور حسین مہ جبیں نے موقع کی نزاکت کا خیال کر لیا۔ اس لیے وہ تیزی سے دروازے کی طرف لپکتے ہوئے بولے۔

''دیکھیے اگر کوئی چانس ہو تو مجھے نہ بھولیے گا۔''

''نہیں بھولیں گے' کبھی نہیں بھولیں گے' جاؤ شاباش جاؤ۔'' ظفری نے کہا اور مہ جبیں باہر نکل گیا۔

"جی گلزار بھائی' دوسرے کو بلایئے۔" گلزار بھائی نے پھر گھنٹی بجادی۔

اس کے بعد جو شخص آیا وہ قبول صورت ضرور تھا لیکن لباس اس کا بھی نا قابل قبول تھا' اندر آکر اس نے بڑے پروقار انداز میں کہا۔

"جاوید رحیم شوقین۔"

"ہائے اس جان ناتواں پر تین تین ناموں کا بوجھ۔ کیا آپ ایک نام سے کام نہیں چلا سکتے بھائی صاحب۔" ظفری تمسخرانہ انداز میں بولا۔

"جاوید میرا نام ہے جناب' رحیم بخش باپ کا نام ہے۔ اور شوقین میرا تخلص ہے' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شاعری بھی کرتے ہیں؟"

"نہیں نہیں بس لوگ مجھے اسی نام سے پکارتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے اداکاری کون سے نام سے کریں گے؟"

"میرے بہت قریبی جاننے والے مجھے مستانہ ماہی کہتے ہیں اگر آپ اجازت دیں گے تو میں یہ نام اختیار کرلوں گا۔"

"صرف ماہی سے کام چلائیں تو آپ کے بارے میں کچھ سوچا جاسکتا ہے۔" ظفری بولا اور شکیلہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"کوشش کروں گا! کوشش کروں گا۔"

"اداکاری آتی ہے آپ کو۔" سعدی نے پوچھا۔ لیکن اس سوال کے نتائج کا اسے کوئی احساس نہیں تھا کیونکہ مستانہ ماہی کی مشینری ایک دم سے خراب ہوگئی۔ ایک جھٹکے سے انھوں نے گھٹنا زمین پر ٹکایا' ایک ہاتھ سینے پر رکھا اور رخ شکیلہ کی طرف کرلیا۔ پھر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"صنوبر۔ آہ صنوبر' مجھے ان آنکھوں سے نہ دیکھ۔ میں نے جرم محبت کیا ہے' ہاں میں نے پیار کیا ہے۔ اگر تو پیار کو پیار سمجھ لے تو مجھے پیار کی ہر سزا قبول ہے۔ صنوبر۔ صنوبر تجھے کیا معلوم دیوانی میری راتوں کا سکون برباد ہوگیا ہے' ہر وقت تو ہی نگاہوں کے سامنے رہتی ہے۔ میں مرجاؤں گا صنوبر میں مرجاؤں گا۔" انھوں نے چیخ مار کر کہا اور شکیلہ کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ پھر انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش بھی کی' لیکن دوسرے لمحے سامنے رکھا ہوا پیپر ویٹ ان کے سر پر پڑا تھا۔ چنانچہ جاوید رحیم شوقین گرتے گرتے بچے' انھوں نے دونوں ہاتھوں کا سہارا لے کر اپنے آپ کو روکا تھا۔

"آئی' آئی' آئی ایم سوری میڈم۔ یہ اداکاری تھی۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولے۔

"جایئے چلے جایئے۔" ظفری نے کہا۔

"مم۔ میرا خیال ہے مجھ سے کچھ غلطی ہوگئی۔" مستانہ ماہی ہکلائے۔

"جاؤ بیٹا جاؤ' شاباش باہر نکل جاؤ۔ ورنہ پھنکوا دیے جاؤ گے۔" ظفری نے کہا۔

"اوہ' آپ لوگ آج۔ آج میرے فن کی قدر نہیں کررہے ہو بہت بڑے خسارے میں رہیں گے آپ' ایک دن' ایک دن میں آسمان فلم پہ ستارہ بن کر جگمگاؤں گا' وہ وقت دور نہیں ہے۔" اس نے کہا اور سست قدموں سے باہر نکل گیا۔

"گلزار بھائی۔" ظفری نے تھکے تھکے انداز میں پکارا۔

"جی۔"

"اس سے بھی معقول آدمی کوئی اور ہے؟"

"دو اور بیٹھے ہیں حضور۔"

"تو پھر دونوں کو ایک ساتھ ہی بلالو۔" ظفری نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔ اور گلزار بھائی اس بار خود اٹھ کر باہر نکل گئے۔ پھر وہ باہر بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کو ساتھ لے کر اندر آئے تھے۔ ان میں سے ایک زنانی سی شکل' لیکن اچھے تن و توش کا آدمی تھا' دوسرا اچھی سی شکل کا چھریرے بدن کا نوجوان تھا۔ اسے دیکھ کر یہ لوگ ایک لمحے کے لیے چونک گئے تھے۔ پہلی بار ایک

معقول شکل نظر آئی تھی۔ اس کا لباس بھی سادہ تھا' سفید معمولی پتلون' سفید قمیض چہرے پر بھی سادگی' عمر ستائیس اٹھائیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔

"تشریف رکھیے۔" سعدی نے دونوں کو اشارہ کیا اور پھر زنانی شکل والے کی جانب متوجہ ہو کر بولا۔ "آپ کا نام؟"

"دلیر خان۔" اس نے بھاری لہجے میں جواب دیا۔

"اس سے پہلے کسی فلم میں کام کیا ہے؟"

"نہیں صاحب پر اپن فلموں میں کام کرنے کا بہت شوق رکھتے ہیں۔ اداکاری بھی جانتے ہیں اور جوڈو بھی جانتے ہیں اور مار کٹائی میں تو اپن کا جواب ہی نہیں۔"

"مگر ہماری فلم مار کٹائی والی نہیں ہوگی۔ وہ سوشل فلم ہے۔"

"کوئی بات نہیں' اپن رونے پیٹنے میں بھی ایکسپرٹ ہے جناب۔ اگر آپ بولو تو اپن اداکاری کا جوہر دکھائیں۔" اس نے کہا۔

"دکھائیے۔" ظفری بولا۔ اور وہ ایک دم کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ پھر اس کے چہرے کے زاویے بدل گئے۔ منہ ٹیڑھا ہو گیا اور ڈائیلاگ ادا ہونے لگے۔

"اگر یونہی ٹھکرانا تھا تو میری زندگی میں کیوں آئی تھیں۔ بولو جواب دو۔ میں زندگی کا بوجھ لیے کہاں کہاں پھرتا رہوں۔ خدا کے لیے اپنے ہاتھوں سے مجھے زہر دے دو۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔" پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ شکیلہ نے بڑی مشکل سے اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر خود ہنسنے سے روکا تھا۔

"دوسرا ایکشن۔" اس نے اکڑ کر کہا۔ پھر اس کے حلق سے دھاڑ نکلی۔ "اوئے چیونٹے کے بھی پر نکل آئے ہیں ہٹ جا سامنے سے' اوئے دلیر خان کے سامنے آتا ہے تو لوہے کے چنے چبا کر آؤ۔ نہیں جائیں گا' تو یہ لے۔ ہا۔ ہو۔" اس نے جوڈو کے داؤ دکھانا شروع کر دیے۔ "ہی ہا ہو۔ ہی ہا ہو۔" اس نے کرسی پر بیٹھے ہوئے دوسرے نوجوان کی گردن پکڑ لی اور وہ گھبرا کر کھڑا

ہو گیا۔

"سوری ماسٹر' اپن بھڑک بھی لگا سکتا ہے۔ یا۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہو گیا۔

"بس بس اب تم باہر جاؤ۔ اگر تمھارا سلیکشن ہو گیا تو تمھیں اطلاع دے دی جائے گی۔" سعدی نے کہا۔

"او کے تھینک یو۔ بس ذرا خیال رکھیے گا اپن کا۔" اس نے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"اب آخری آدمی رہ گیا تھا۔ سعدی نے اس آخری آدمی کی طرف دیکھا اور پوچھنے لگا۔ "آپ کا نام؟"

"جی مجھے سلطان کہتے ہیں۔"

"اداکاری کا شوق کب سے ہے آپ کو؟" ظفری نے پوچھا۔

"پیدائش کے فوراً بعد سے۔ بھوکا تھا' ماں سے دودھ مانگنے کے لیے رونے کی اداکاری کی اور کامیاب رہا۔ اس کے بعد جوں جوں زندگی کی منازل طے کرتا رہا۔ حقیقت پر لبادے پڑتے گئے اور اداکاری آتی گئی۔ کیونکہ اس کے بغیر زندگی نامکمل رہتی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"تعلیم کتنی ہے؟"

"بی اے ہوں۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ ایک کامیاب اداکار بن سکیں گے؟"

"جی نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"کامیاب اداکار ہوتا تو اب تک ملازمت مل گئی ہوتی' میں لوگوں کو اپنی پریشانی' اپنی ضرورت اپنی قابلیت کا یقین دلانے میں کبھی کامیاب نہیں ہوا۔"

"خوب' پھر فلمی دنیا میں آپ کو کامیابی کا یقین کیوں ہے؟" ظفری نے دلچسپی سے پوچھا۔

"یقین نہیں ہے' لیکن کوشش کرنے میں کوئی ہرج بھی نہیں سمجھتا' میں ہیرو بننے کے لیے نہیں آیا۔ بلکہ ایک کہانی لکھی ہے میں نے۔ دراصل ہر شخص کو ادیب بننے کا خبط ہوتا ہے۔ بلکہ ہر شخص جو پڑھنے لکھنے سے ذرا بھی دل چسپی رکھتا ہے' سمجھتا ہے کہ وہ خود بھی کہانیاں لکھ سکتا ہے۔ میں نے بھی ایک کہانی لکھی ہے۔ صرف ایک' میں جانتا ہوں کہ میں دوسری کہانی نہیں لکھ سکتا' کیونکہ اس کہانی کا تعلق میری زندگی سے نہیں ہوگا' لیکن یہ کہانی اگر آپ زحمت فرمائیں تو ممکن ہے آپ کو پسند آجائے۔"

"اول تو آپ ہیرو کے رول کے لیے نہیں آئے؟"

"نہیں۔ اس لیے کہ میں اداکاری نہیں کرسکتا۔ میں اپنی پریشانیوں کا شکار ہوں۔ مسکراتے ہوئے مجھے دکھ ہوگا۔ میں مصنوعی طور پر رو بھی نہیں سکتا' محبوب کا تصور میری زندگی کے کسی گوشے میں نہیں ہے میرا محبوب میری ماں ہے' میرا باپ ہے اور میری چھوٹی بہن ہے۔ میں ان کے لیے کچھ کرنے کا خواہشمند ہوں اور اس وجہ سے جگہ جگہ پھر رہا ہوں۔"

"ٹھیک' کہانی ہے آپ کے پاس؟"

"جی' لایا ہوں!" اس نے کہا اور مسودہ ان لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔

"لیکن سلطان صاحب آپ ہمیں یہ مسودہ پڑھنے کا موقع تو دیں گے؟"

"یقیناً' جب آپ فرمائیں گے حاضر ہوجاؤں گا اور اگر آپ کو یاد نہ آؤں تو شکایت نہیں کروں گا کیونکہ اس مسودے کی بہت سی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں میں نے کرالی ہیں۔"

"گڈ گڈ۔ ہم آپ کا بہت زیادہ وقت نہیں لیں گے' آج سے تیسرے دن آپ تشریف لے آیئے جو بھی صورت حال ہوگی ہم بتادیں گے۔"

"خدا حافظ۔" اس نے کہا اور خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

شکیلہ' ظفری اور سعدی اس سے متاثر نظر آرہے تھے۔ "رکھا جاسکتا ہے اس شخص کو کسی نہ کسی شکل میں' لیکن ابھی نہیں' بہتر یہ ہے کہ ہم اس کی کہانی کا جائزہ لے لیں۔"

"تو پھر آج کے ہیرو تو ختم ہوگئے' پہلے کہانی پڑھ لی جائے۔" ظفری بولا اور یہ لوگ اس بات پر متفق ہوگئے۔ کہانی واقعی حیرت انگیز طور پر اچھی تھی۔ ایک ایسے گھرانے کی کہانی تھی جو مصائب کا شکار تھا' بڑی ہی خوبصورت بندشوں کے ساتھ یہ کہانی آگے بڑھتی تھی۔ محبوبہ کا ذکر بھی تھا اس میں' یعنی ہیروئن کا موقع بھی نکل آیا تھا۔ لیکن حقیقت سے اس قدر قریب کہ ان واقعات کو جھٹلایا نہیں جاسکتا تھا۔ تینوں کو یہ کہانی بے حد پسند آئی تھی۔ چنانچہ طے یہ کیا گیا کہ کہانی خرید لی جائے۔ سلطان تیسرے دن حسب وعدہ آیا تو اس سے کہانی کا سودا کیا گیا۔ "کیا واقعی وہ آپ کو پسند آئی ہے؟"

"ہاں اچھی کہانی ہے۔ کیا معاوضہ ہوگا اس کا۔"

"میرے چھوٹے سے مکان کا چھ ماہ کا کرایہ۔ دکاندار کے آٹھ سو چالیس روپے۔ ایک جوڑی جوتے اور پانچ سو روپے نقد۔ کیا خیال ہے۔ زیادہ تو نہیں۔"

"کیا ٹوٹل بنا؟" ظفری نے پوچھا۔

"دو سو روپے ماہوار کرائے سے بارہ سو روپے آٹھ سو چالیس دکاندار کے' دو ہزار چالیس' ایک سو بیس روپے کا جوتا' دو ہزار دو سو ساٹھ روپے اور پانچ سو نقد کل دو ہزار سات سو ساٹھ روپے بنتے ہیں۔"

"یہ پانچ ہزار روپے قبول فرمایئے۔ اس کے علاوہ آپ ملازمت تلاش کرتے رہیں۔ ہفتے میں ایک دن کوئی بھی وقت ہمیں دے دیا کریں اگر کہانی میں کوئی ردوبدل کرنے کی ضرورت پیش آئی تو آپ کو زحمت کرنی ہوگی۔ ہر ہفتے دو سو روپے آپ کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے۔" سعدی نے کہا۔

سلطان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اس نے آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہر انسان پر ایک وقت ایسا ضرور آجاتا ہے۔ جب وہ تقدیر سے مایوس ہوکر انسانوں کے سہارے قبول کرنے لگتا ہے۔ آپ کی اس عنایت کو میں یاد رکھوں گا۔ خدا حافظ۔ وہ باہر نکل

گیا۔ اس کے جانے کے بعد کافی دیر تک تکدر کا شکار رہے تھے۔"

کہانی گلزار بھائی کو سنائی گئی تو وہ دیر تک خاموش بیٹھے رہے تھے۔

"کیوں گلزار بھائی کیا بات ہے؟"

"صاحب کہانی تو بڑھیا ہے پن۔ پبلک ٹیسٹ نہیں بنتا۔"

"پبلک ٹیسٹ آپ نے خراب کیا ہے گلزار بھائی۔ بے ہودہ اور لچر فلمیں دکھا دکھا کر آپ نے ایک بڑے طبقے کی فلم سے دلچسپی کھو دی ہے۔ چند گھٹیا لوگوں کے ٹیسٹ کو آپ پبلک ٹیسٹ کیوں کہتے ہیں؟"

"اس لیے مائی باپ کو انھی گھٹیا لوگوں کا رش ہوتا ہے سینما پر۔ بڑھیا لوگ تو ڈسکو ہال، کلب اور ہوٹلوں میں نظر آتے ہیں پن ٹھیک ہے آپ کو پسند ہے کہانی تو ہمیں بھی پسند ہے۔"

"بس تو اب آپ فنانسر کی تلاش شروع کر دیں۔"

"کوشش کرتا ہے صاحب۔ اللہ مالک ہے۔" گلزار بھائی نے کہا۔ گلزار بھائی کی کوششیں رنگ لائیں نہ جانے کس طرح انھوں نے ایک فنانسر کو پھانس لیا۔

سیٹھ ربڑی والا کا نام کئی فلموں کے سلسلے میں سنا ہوا تھا۔ وہ انھیں وقت دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ لیکن یہ وقت ان کے دفتر میں نہیں تھا۔ بلکہ ایک فلم کی شوٹنگ ہونے والی تھی۔ سیٹھ ربڑی والا نے انھیں وہاں وقت دیا تھا۔ بہر حال انھوں نے اس میں حرج نہیں سمجھا تھا۔

چنانچہ مقررہ دن وہ لوگ تیار ہو کر چل پڑے۔ شکیلہ آسمانی رنگ کی ساڑھی میں بے حد حسین نظر آرہی تھی۔

"یار سعدی، شکیلہ کی حفاظت کا معقول بندوبست کرنا ضروری ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس آسمانی رنگ میں وہ آسمان سے ہی اتری ہوئی معلوم ہو رہی ہے اور تم نے اب تک دیکھا ہے کہ تان یہیں ٹوٹتی ہے۔"

"گدھے ہو تم ظفری۔ فنانسر کو آج اس فلم میں پیسہ لگانے کے لیے مجبور ہی کرنا ہے اور تم جانتے ہو کہ میں اس کام میں ماہر ہوں۔"

"آہ نہیں۔ ہم اس طرح اپنی عزت نیلام نہیں کر سکتے!" ظفری نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بکواس کی تو تھپڑ مار دوں گی۔ خاموش رہو۔" شکیلہ نے کہا اور سعدی مسکرانے لگا۔

شوٹنگ پوائنٹ بے حد خوبصورت تھا۔ چاروں طرف شامیانے لگے ہوئے تھے۔ رنگین چہرے اور رنگین لباس ہر طرف جگمگا رہے تھے۔ مہمانوں کی نشستوں کا الگ بندوبست کیا گیا تھا۔ گلزار بھائی نے بہت سے لوگوں سے ان کی ملاقات کرائی۔ شاخ گل فلمز کے اشتہارات کافی نگاہوں سے گزر چکے تھے۔ چنانچہ ذرا سی دیر میں مجمع جمع ہو گیا۔ ہیرو، ہیروئنیں اور ایکسٹرا لڑکیاں ان کے گرد چکرانے لگیں ان کے انداز میں بڑی اپنائیت تھی۔

"اللہ اکبر سعدی، اور کچھ ہو یا نہ ہو لیکن پزیرائی۔ یہ جان نثاری بڑی قیمتی ہے۔"

"گدھے مت بن جانا۔ یہاں چاروں طرف سنہرے جال بکھرے ہوئے ہیں قلعی کھلنے میں دیر نہیں لگے گی۔" سعدی آہستہ سے بولا۔

"او ہو یہ گلزار بھائی کو دیکھو۔ جوانی کی یادیں تازہ کر رہے ہیں شاید۔ آؤ ذرا قریب سے سنیں۔" ظفری نے کہا۔ گلزار بھائی ایک ادھیڑ عمر خاتون پر نثار ہو رہے تھے۔

"ظفری، شکیلہ کو دیکھو۔" اور ظفری کی نگاہ بھی اس طرح اٹھ گئی۔ شکیلہ کا انداز نہایت خطرناک تھا۔ وہ ایک گنبد نما شخص کے پاس بیٹھی ہوئی تھی جو تھری پیس سوٹ میں ملبوس ایک عجیب شے نظر آرہا تھا۔ وہ بار بار قہقہے لگا رہا تھا۔

"یا خدا۔ یہ کیا ہوا؟"

"ایک منٹ۔" سعدی نے کہا اور پھر گلزار بھائی کو آواز دی۔ گلزار بھائی جلدی سے ان کے پاس آگئے تھے۔

"سیٹھ ربڑی والا کون سے ہیں؟" سعدی نے پوچھا۔

"ایں۔" گلزار بھائی ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ پھر انھوں نے تھری پیسو گنبد کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "وہ کیا بیٹھا پڑا ہے۔"

"ہوں۔" سعدی نے گہری سانس لی۔ پھر آہستہ سے ظفری سے بولا۔ "ظفری پیرو مرشد نے میدان مار لیا۔" ظفری گردن ہلانے لگا تھا۔

"اور تم کیا کر رہے ہو گلزار بھائی؟"

"اپن بھی پور پھٹ کرتا ہے جفری بھائی۔ ابھی اسے دیکھو یہ ننی کا ماں ہے۔"

"ننی کون ہے؟"

"ابھی بھوت بڑا ہیروئن ہے۔ اسے پھلم میں لو سب پھٹ۔ ابھی تم گلجار بھائی کا آلاٹ دیکھو۔ اجازت دو میرے کو۔" گلزار بھائی آگے بڑھ گئے۔ سعدی اور ظفری اس عجیب و غریب ماحول کو دیکھتے رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد شکیلہ نے اشارے سے انھیں پاس بلایا اور یہ دونوں آگے بڑھ گئے۔

"ارے سعدی ظفری ان سے ملو۔ یہ سیٹھ ربڑی والا ہیں۔ ہماری فلم کے فنانسر۔ اتنے دل چسپ آدمی ہیں کہ کیا بتاؤں۔ ہنساتے ہنساتے پیٹ میں بل ڈال دیے ہیں۔"

"ابھی ان لوگ کو بھی ہنسائیں گا۔ بیٹھو پاپے بیٹھو۔"

"پاپے۔" ظفری نے سعدی کو دیکھا اور سعدی نے آنکھیں نکالیں۔ دونوں بیٹھ گئے تھے۔

"سیٹھ صاحب ہماری فلم فنانس کریں یا نہ کریں لیکن ہمیں ایک ایسا دلچسپ دوست مل گیا کہ بس جواب نہیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"اے تم بھی تو میرے کو مل گیا۔ پھلم کیسے نہیں پھائنس ہوئیں گا۔ ابھی کل میں تمھارے آفس آئیں گا کیوں پپو؟" انھوں نے شکیلہ کو دیکھا۔

"مہربانی ہے آپ کی۔" شکیلہ نے تھوک نگل کر کہا۔ لیکن اس پپو پر ظفری کو مزہ ہی آ گیا تھا۔ واپسی پر اس نے شکیلہ کو پپو کہہ کہہ رلا دیا۔ وہ جھلا کر بولی۔

"اب اگر بکواس کی تو سر پھاڑ دوں گی ہاں۔ خود تو مرے ہوئے چوہے کی طرح منہ لٹکائے پھرتے رہے۔ میں نے کام کیا تو اب مذاق اڑا رہے ہو وہ روہانسے انداز میں بولی۔

"اور ظفری سنبھل گیا۔ دوسرے دن گیارہ بجے سیٹھ ربڑی والا دفتر میں موجود تھے۔ گلزار بھائی ان کے قدموں میں بچھے جا رہے تھے۔

"ایک لطیفہ سنو۔" ربڑی والا نے شکیلہ سے کہا۔

"جی ضرور ضرور۔" شکیلہ بولی۔

"اے نسے میں فنٹی لگائے ایک للّو گلی میں پڑیلہ۔ اسے اپنا گھر بھی نہیں مالوم تھا۔ ایک آدمی بولا۔" اے بابا کائے کو ادھر پڑیلہ؟ للّو بولا۔ "جا بابا اپنا کام کر۔ اور سارا گھر گھومتا پڑا۔ جب اپن کا گھر سامنے آئیں گا اپنا گھس جائیں گا۔" ربڑی والا نے گھن گرج قہقہہ لگایا اور وہ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہے۔ لیکن شکیلہ بے اختیار ہنس پڑی۔ وہ بری طرح ہنس رہی تھی۔ وہ ہنس رہ تھی کافی تھا۔ دوسرے ہنسیں یا نہ ہنسیں۔ ربڑی والا نے کئی لطیفے سنائے جو کسی کی سمجھ میں نہیں آئے تھے سوائے شکیلہ کے۔ بڑی مشکل سے انھیں مطلب پر لایا گیا۔

"آپ کے پاس وقت ہوگا سیٹھ صاحب۔ ہم اپنی فلم کی کہانی آپ کو سنانا چاہتے ہیں۔"

"اے میڈم سکیلہ اس کی جرورت نہیں ہے۔ اپن تمھارے کو بول دیا۔ تمھارا پھلم بنے گا جرور بنیں گا۔"

"بہت بہت شکریہ سیٹھ صاحب۔ لیکن کہانی' دراصل ہم آپ کے تجربے سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔" سعدی بولا۔

"سناؤ پاپے سناؤ۔"

"ہیرو ایک درمیانے طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ امیر نہ غریب وہ وکالت کا امتحان

پاس کرتا ہے۔ اور ایک ایماندار وکیل کی حیثیت سے ایسے کیس لینا چاہتا ہے۔ جو غلط نہ ہوں۔ تب اس کے پاس زمانے کا ستایا ہوا ایک شخص آتا ہے۔ یہ ایک بیٹی کا باپ ہے۔ ایک غریب سے محلے میں رہتا ہے۔ ایک بدمعاش نے اس کی زندگی تلخ کر رکھی ہے اور ہیروئن کا باپ چاہتا ہے کہ اس کی بیٹی کی عزت کے ساتھ اس کے گھر سے رخصت ہو جائے۔ اس بدمعاش کے سلسلے میں وہ قانونی تحفظ چاہتا ہے لیکن کوئی ایسا قانون نہیں ہے جو جرم ثابت ہونے سے قبل مظلوم کی فریاد سنے۔ وکیل کے لیے یہ ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ وہ قانون سے سوال کرتا ہے۔"

"کیا کرتا ہے؟" سیٹھ صاحب نے پوچھا۔

"سوال۔"

"اے کیا بولتا بابا۔ اس کو سوال کرنے کا کیا جرورت ہے۔ ابھی وہ جوڈو کراٹے ماسٹر ہے۔ وہ بدمعاش کے پاس جاتا ہے اور بولتا ہے۔ اوئے لفنگے۔ او تیری موت آئی ہے میرے ہاتھوں اور پھر وہ غنڈے کا پٹائی کرتا ہے۔ ہیروئن اسے دیکھتا ہے اس پر مرمٹتا ہے۔ اور غنڈہ بولتا ہے اپن تیرے کو دیکھیں گا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے سیٹھ صاحب۔ ہیرو صرف وکیل ہے۔ جوڈو فائٹر نہیں ہے۔" سعدی نے کہا۔

"کوئی وکیل نئیں ہے۔ یار۔ ابھی جوڈو کراٹے سب جاننا پڑا ہے۔ گاؤں کا دیہاتی ہے۔ شہر میں جوڈو لڑنا پڑا ہے۔ ساری جندگی ہل چلایا مگر لڑائی کے ٹیم وہ سب کر لیتا پڑا۔ ابھی اس میں جوڈو ڈالو۔ چلنے کو منگتا ہے۔"

"کہانی میں تبدیلی کرانی پڑے گی۔ ڈانس کدر ہے؟"

"ڈانس کی کیا ضرورت ہے سیٹھ صاحب؟"

"پھلم ڈبے میں بند کریں گا کیا بابا۔ دو سیکسی ڈانس جرور ڈالو اس میں۔"

"مگر اس کی گنجائش؟"

"نکل آئے گی میرے سے پوچھو۔ ہیرو کو غنڈہ کلب میں بلاتا ہے ادھر ہیرو گانا گاتا ہے اور کلب ڈانسر ڈانس مارتا ہے پھر غنڈہ بولتا ہے کہ اب بولو بولنا پڑا۔"

"مگر غنڈہ کلب نہیں جاتا۔"

"کیوں؟"

"وہ ایک گھٹیا سا آدمی ہے۔"

"کٹ کٹ۔ وہ اس کلب کا مالک ہے۔"

"واہ مگر سیٹھ صاحب۔"

"اے بابا تجربہ تیرے کو ہے یا میرے کو۔ ابھی تیرا رائٹر کون ہے؟"

"سلطان محمود۔"

"ابھی کیا بولتا یار۔ پھرکان پھرکافی سے کہانی ٹھیک کراؤ۔ وہ سب فٹ کر دیں گا۔"

ظفری کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آئے تھے۔ لیکن شکیلہ نے اس کا شانہ دبا کر اسے خاموش کر دیا۔

"ٹھیک ہے سیٹھ صاحب ہم آپ کی ہدایت کے مطابق کام کریں گے۔ آپ اپنی زیر نگرانی ہمیں ہدایات دیں۔"

"میں پھرکان کو بول دیں گا' اسے سمجھا دیں گا۔"

"آپ خود بھی اس کے ساتھ ہوں گے سیٹھ صاحب۔" شکیلہ نے ناز سے کہا۔ اور سیٹھ صاحب پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

"ابی کائے کو نئیں ہوئیں گا۔ اپن تو روج ادھر ہوئیں گا۔ ابھی کل معاہدہ سائن کر لو۔ چیک دے دیں گا پھلم اسٹارٹ کرو۔"

"تھوڑی دیر کے بعد سیٹھ صاحب رخصت ہو گئے۔ شکیلہ انھیں باہر تک چھوڑنے گئی تھی۔ واپس آئی تو سعدی اور ظفری سر پکڑے بیٹھے تھے۔

"کیا ہو گیا تم لوگوں کو؟"

"شکیلہ کیا ہم یہ کاروبار کر سکتے ہیں؟"

"پہلے نہیں سوچا تھا؟"

"اس حد تک تو نہیں سوچا تھا۔" سعدی اداس لہجے میں بولا۔

"غلطی تھی تمھاری۔ فلم انڈسٹری کی زبوں حالی سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکے۔ پردہ سکرین پر ہٹ فلمیں دیکھ کر بھی تمھیں کوئی اندازہ نہیں ہوا۔ سیٹھ صاحب واقعی تجربے کار ہیں۔ ہیروئن پچاس غنڈوں میں گھر کر جنگ کرتی ہے۔ جمناسٹک کی عالمی چمپئن ہوتی ہے۔ پھر گانا گاتی ہے۔ اور غنڈوں کو مار کر صاف نکل جاتی ہے۔ ہیرو دیہاتی ہوتا ہے لیکن ہیلی کاپٹر پائلٹ کر لیتا ہے اور عین وقت پر کہیں سے نمودار ہوتا ہے۔ یہی فلمیں ہیں سعدی اور اگر فلم بنانی ہے تو یہی بنانی پڑے گی۔"

"اور وہ خوبصورت کہانی؟"

"فرقان فرقانی بہ آسانی اسے بدصورت بنا دے گا۔"

"سلطان کو کیا عذر دکھائیں گے؟"

"سنو سعدی۔ تم نے کہانی خرید لی۔ سلطان کو دس ہزار روپے اور دے دو اور اس سے بات کر لو کہانی اس کے نام سے نہیں آئے گی۔ پھر فرقانی کو کرنے دو جو کچھ وہ کرتا ہے۔"

"آہ یہ بہت مشکل ہے۔"

"تو پھر کل سے دفتر بند کرو۔"

"کوئی اور ترکیب نہیں؟"

"ہرگز نہیں۔" شکیلہ نے جواب دیا اور وہ لوگ گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگے۔

دوسری شام سلطان حسب وعدہ آ گیا۔ اس سے گفتگو کرنے کی ذمہ داری بھی شکیلہ کو سونپی گئی تھی۔

"سلطان صاحب آپ اس کہانی سے کوئی جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں؟"

"ہاں۔ اس نے میرے بہت سے مسائل حل کیے ہیں۔ اس نے میری عزت بچائی ہے۔" سلطان نے جواب دیا۔

"اگر اس میں کوئی عامیانہ ردوبدل کی جائے تو؟"

"اب یہ آپ کی ملکیت ہے۔"

"آپ کو دکھ نہ ہوگا؟"

"دوا کڑوی ہوتی ہے شکیلہ صاحبہ۔"

"یہ آپ کے نام سے بھی نہیں آئے گی۔"

"میں عرض کر چکا ہوں کہ میں کوئی دوسری کہانی نہیں لکھوں گا۔ بس یہ ایک ہی کہانی تھی میرے ذہن میں۔"

"تو پھر یہ دس ہزار روپے قبول فرمایئے۔ کہانی کا معاوضہ پانچ ہزار روپے اور اس کے ساتھ جو زیادتی ہوگی اس کی قیمت یہ دس ہزار روپے۔"

"اوہ نہیں ان کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ مجھ پر بہت مہربانیاں کر رہے ہیں۔"

"اپنی جیب سے نہیں دے رہے سلطان صاحب۔ جو کچھ بنتا ہے وہ آپ سے برداشت نہیں ہوگا۔ اس کے لیے آپ کو طاقت کی دواؤں کی ضرورت ہوگی۔ پلیز رکھ لیجیے۔"

سیٹھ صاحب دن میں چکر لگا چکے تھے۔ دوسرے دن انھوں نے پانچ لاکھ روپے کا چیک دے دیا۔ اور ساتھ میں فرقان صاحب کو لے آئے۔ فرقانی صاحب نے ظرف سے کام لیا اور پچھلی ملاقات کا تذکرہ نہیں کیا۔ ایک بار پھر کہانی دہرائی گئی اور یہ لوگ مشوروں میں شریک ہو گئے۔

"ابی پھر کانی ڈانس کتنے آئے؟"

"تین سرکار۔"

"پھائٹ؟"

"چار۔"

"کا بھی ہیں لاسٹ پھائٹ کا کوئی جبر دست آئیڈیا مارو۔"

"میرے ذہن میں آئیڈیا ہے سیٹھ صاحب۔" فرقانی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو بولونی یار' کائے کو سسپنس مارتا پڑا ہے۔ بولو کیا آئیڈیا ہے؟"

"سیٹھ صاحب حالات حد سے بگڑ چکے ہیں۔ ہیرو جو وکیل تھا اور سچائی کا پیامبر تھا بالآخر یہ تسلیم کر لیتا ہے کہ سچائی کی اس دنیا میں کوئی حقیقت نہیں تھی' وہ جرائم کے راستوں پر نکل جاتا ہے۔ اپنی حسین مہ جبیں کو بچانے کے لیے وہ بالآخر اپنی زندگی کا آخری داؤ لگا دیتا ہے۔ ذہین آدمی ہے' تعلیم یافتہ بھی ہے' چنانچہ وہ ایک ہیلی کاپٹر میں دشمنوں کے اڈے پر پہنچ جاتا ہے۔"

دشمنوں کا یہ اڈہ بہت مضبوط ہے۔ پتھروں کی مضبوط دیواروں سے زیرزمین ایک عظیم الشان تجربے گاہ بنائی جاتی ہے۔ یہ تجربے گاہ سمندر کے کنارے ہے' سمندر میں ایک جہاز ہے جو صرف خالی پڑا رہتا ہے' کوئی نہیں جانتا کہ اس جہاز کا مالک کون ہے' بس کبھی اس جہاز پر کچھ پراسرار لوگ نظر آتے ہیں' لیکن درحقیقت یہ جہاز ولن کا ہے۔ ولن نے اس جہاز پر عیاشی کا بہت بڑا اڈا بنا رکھا ہے۔ یہ آخری لمحات ہیں اور جہاز پر ایک رقاصہ رقص کر رہی ہے۔ ولن نشے میں مست ہے کہ ہیرو ہیلی کاپٹر لے کر اس کے اڈے پر پہنچ جاتا ہے۔ اس نے ہیلی کاپٹر میں ایک ایسی گن فٹ کی ہے جس سے ٹینک کے گولے نکلتے ہیں' بمباری کا آئیڈیا تو بہت پرانا ہے سیٹھ صاحب اور پھر ہیلی کاپٹر سے بم پھینکنے کا مسئلہ بھی بہت ٹیڑھا ہے' لیکن وہ اپنی گن کا رخ ہیڈکوارٹر کی طرف کرتا ہے اور ہیڈکوارٹر کی عمارت کے پرخچے اڑا دیتا ہے۔ لیکن ابھی زیادہ دیر نہیں گزری کہ ولن کو پتا چل جاتا ہے کہ ہیرو ہیلی کاپٹر سے اس کا ہیڈکوارٹر تباہ کر چکا ہے۔ چنانچہ وہ غصے میں پھر کر رقص بند کرا دیتا ہے۔ اور پھر خود جہاز پر کمانڈ کرنے آ جاتا ہے۔ جہاز کا ماحول ایک دم چینج ہو جاتا ہے۔"

رقص وسرور کی محفل تو ختم ہو جاتی ہے' لیکن یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ جہاز زبردست قسم کا جنگی جہاز بھی بنایا گیا ہے۔ مختلف جگہوں سے اینٹی ایئرکرافٹ گنیں نکل آتی ہیں اور ہیرو کے

ہیلی کاپٹر پر فائرنگ شروع ہو جاتی ہے' ہیرو ہیلی کاپٹر بچاتا ہے لیکن بالآخر ہیرو کے ہیلی کاپٹر میں آگ لگ جاتی ہے اور ہیرو زمین پر کود آتا ہے۔

دوسری طرف ولن اپنے اڈے کو دیکھنے کے لیے بھاگتا ہے اور جب وہ اپنے تباہ شدہ اڈے پر آنسو بہا رہا ہوتا ہے اسی وقت ہیرو اس کے سر پر پہنچ جاتا ہے اور پھر سیٹھ صاحب ولن کو موت بھی اسی طرح ہوتی ہے کہ ہیرو اس کے بدن پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دیتا ہے۔ اب ولن بری طرح ادھر سے ادھر بھاگ رہا ہے' اس کا بدن کسی مشعل کی طرح جل رہا ہے اور ہیرو قہقہے لگا رہا ہے' آخری قہقہہ لگاتے ہی ہیروئن اس کے پاس پہنچ جاتی ہے اور دونوں گلے مل جاتے ہیں۔"

سیٹھ صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں' منہ کھلا ہوا تھا۔ پھر وہ اٹھے اور انھوں نے فرقان فرقانی کو سینے سے لگا لیا۔

"ونڈرپھل' ونڈرپھل' دیکھا جھمری بھائی' دیکھا سادی بھائی یہ ہے اپنا پھرکان پھرکانی' جو بھی آئیڈیا سوچتا ہے لاجواب سوچتا ہے۔ طے۔ طے تمھارا بات مان لیا اور پھرکان پھرکانی۔ یہ لو سو روپے کا نوٹ' یہ تمھارا انعام ہے۔"

"سیٹھ صاحب کی نوازش ہے' فرقان کی یہی خواہش ہے کہ فلم انڈسٹری میں تباہی مچا دے۔"

"وہ تو آپ مچا چکے ہیں فرقان صاحب۔" ظفری نے بے چارگی سے کہا۔ اور فرقان صاحب اس کے الفاظ کا غلط مطلب نکال کر اسے آداب کرنے لگے۔ بہرصورت آخری سین بھی طے ہو گیا۔ اب ہیرو ہیروئن کاسٹ کرنا تھا۔

گلزار بھائی نے جو ایک مظلوم ڈائریکٹر تھے ہیروئن کی حیثیت سے نینی کا نام پیش کیا۔ جو تسلیم کر لیا گیا۔ ہیرو بھی ایک معروف ہیرو تھا۔ مجال تھی اس کی جو ربڑی والا کی فلم میں کام نہ کرے۔

چنانچہ کاغذی تیاری آخری مراحل میں داخل ہو گئی۔ پانچ لاکھ مل چکے تھے۔ ہیرو اور

ہیروئن کو ایڈوانس دے دیا گیا۔ شکیلہ کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا نہ جانے اس نے سیٹھ صاحب کو کس طرح شیشے میں اتارا تھا۔ بہرحال وہ ایک مضبوط کردار کی لڑکی تھی۔ اس لیے کوئی گھٹیا بات اس کے بارے میں نہیں سوچی جا سکتی تھی۔

پھر فلم کی صورت ہوگئی۔ اس دن سیٹھ صاحب نے مزید دو لاکھ روپے کا چیک دوسرے معاملات کے لیے دے دیا تھا۔ ہیروئن نینی اب اکثر ان کے دفتر آتی رہتی تھی۔ اور پھر دفتر میں ہی ایک نئے کردار سے ملاقات ہوئی۔ یہ ایک نوجوان اور اسمارٹ لڑکا تھا۔

"میرا نام کریم بھائی ربڑی والا ہے۔"

"سیٹھ ربڑی والا سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

"بیٹا ہوں ان کا۔"

"اوہ۔ تب تو آپ ہمارے فنانسر ہوئے۔"

"میں آپ لوگوں سے ایک کام لینا چاہتا ہوں۔"

"فرمائیے۔"

"یہ فلم آپ میری نگرانی میں بنائیں۔ میں آپ کی ہر طرح کی مالی مدد کر سکتا ہوں۔ بس آپ لوگ میرے باپ سے درخواست کریں کہ وہ مجھے اس فلم کی نگرانی سونپ دیں۔"

"مگر آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟"

"یہ آپ کو بعد میں بتادوں گا۔ لیکن یہ بھی سوچ لیجیے کہ اگر آپ نے میری مدد نہیں کی تو یہ فلم کبھی نہیں بن سکے گی۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ سیٹھ صاحب سے اجازت لے لی جائے گی۔" شکیلہ نے کہا۔

شکیلہ کی بات کو سیٹھ صاحب نہیں ٹال سکتے تھے۔ چنانچہ کریم بھائی ربڑی والا نے یہ نگرانی سنبھال لی اور انھیں بہت جلد یہ معلوم ہوگیا کہ کریم بھائی نے اس فلم کی نگرانی کیوں سنبھالی ہے کریم بھائی کا نینی سے معاشقہ چل رہا تھا لیکن نینی کی گھاگ ماں ہر وقت اس کے پیچھے لگی رہتی تھی۔ کیونکہ یہاں

کے بارے میں اسے اطمینان تھا اس لیے نینی یہاں تنہا آجاتی تھی۔

"اب صورت حال بالکل مختلف ہوگئی۔ نینی اس فلم میں بڑی محنت سے کام کر رہی تھی۔ تمام اخراجات کے بعد ابھی تک ان لوگوں کا بینک بیلنس آٹھ لاکھ روپے بن چکا تھا۔ اور وہ مطمئن تھے کہ برا نہیں رہا لیکن انھیں سکون نہیں تھا۔

"یہ کریم بھائی کیا کر رہا ہے؟" ایک دن شکیلہ نے کہا۔

"عشق۔"

"اور ربڑی والا کو معلوم ہوگیا تو؟"

"ہمارا کیا جاتا ہے۔ باپ بیٹے نمٹ لیں گے۔" ظفری بولا۔

"لیکن ظفری اچھا نہیں لگ رہا یہ سب کچھ۔ یوں لگتا ہے جیسے ہم فلم نہیں بنا رہے بلکہ۔۔۔۔۔"

"میں سمجھ رہا ہوں سعدی۔ یہ ہماری پہلی اور آخری فلم ہوگی جو بن نہ سکے گی۔ اس کے بعد ہم یہ ادارہ بند کردیں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"انتظار کرو۔" ظفری نے پراسرار انداز میں کہا۔

"کوئی خاص بات ہے؟" سعدی بولا۔

"ہاں بہت خاص بات۔"

"آخر بتاؤ تو سہی۔"

"ابھی نہیں سعدی۔ لطف خراب ہوجائے گا۔" ظفری نے مسکراتے ہوئے کہا اور دونوں خاموش ہوگئے۔ ایک شام شکیلہ بہت بپھری ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

"خیریت شکیلہ؟"

"کوئی بات نہیں ہے۔بس یہ دفتر بند کرنے کا انتظام کرلو۔"

"کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"ہاں۔اب اس سیٹھ ربڑی والا کی ربڑی بنانے کا وقت آگیا ہے۔اس نے میرے لیے سوئزرلینڈ کی سیٹ بک کرالی ہے۔"

"سبحان اللہ' کب جارہی ہو؟"

"بکواس مت کرو ظفری۔میرا موڈ بہت خراب ہے۔اس نے مجھ سے کہا ہے کہ پندرہ دن کا پروگرام ہے اور بھی بہت سی بیہودہ باتیں کی ہیں اس نے۔"

"لعنت بھیجو ظفری اس سب گورکھ دھندے پر۔کل سے دفتر بند۔"

"یوں مناسب نہ ہوگا سعدی۔ہمیں حساب دینا پڑے گا میں جو کچھ کر رہا ہوں اس میں بس تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے۔"

"آخر کیا کر رہے ہو تم۔کچھ بتاؤ تو سہی۔"

"برادرم کریم بھائی ربڑی والا میرے شکار ہیں۔نینی سے شادی کر رہے ہیں دو چار دن میں اور اس کے بعد وہ اسے فلم میں کام نہیں کرنے دیں گے۔یہ بات میں نے سمجھائی ہے انھیں۔ظفری نے کہا اور وہ سب اچھل پڑے۔

"اماں نہیں واللہ۔"

"سچ کہہ رہا ہوں سعدی۔بس اب ذرا اور تیزی پیدا کردوں گا اس کھیل میں۔" ظفری نے کہا۔" لیکن ظفری کو کچھ کرنے کی ضرورت نہ پیش آئی۔تیسرے دن صبح کے اخباروں میں فلمسٹار نینی اور کریم بھائی کی تصویر چھپی تھی جس میں ان کی شادی کی خبر تھی۔دونوں نے ایک اور ہیروئن کے گھر میں شادی کرلی تھی اور کریم بھائی نے اعلان کیا تھا کہ نینی اب ایک باعزت خاتون ہیں۔وہ پردہ کریں گی اور آئندہ کسی فلم میں کام نہیں کریں گی۔"

فلمی دنیا میں زبردست ہنگامہ ہوگیا۔بہت کنٹریکٹ تھے نینی کے۔بیشار فلمیں ڈبے

میں بند ہوگئیں۔بہت سے فلمسازوں نے نینی اور کریم بھائی پر ہرجانے کا دعویٰ کردیا۔سیٹھ ربڑی والا مصیبت میں پھنس گئے تھے۔ایک ہفتے کے بعد وہ منہ لٹکائے ہوئے ان کے دفتر میں آئے۔

"میں نے پھرکان پھرکانی کو بولا ہے کہ وہ تمھاری کہانی میں چینج کردے۔نینی کی موت دکھا دی جائے اور دوسری ہیروئن۔۔۔"

"کیا بکواس کر رہے ہیں سیٹھ صاحب۔آپ کے بیٹے نے ہمارا کیریئر تباہ کردیا۔ہماری پہلی فلم ہی ادھوری رہ گئی۔ہائے اب ہم کیا کریں گے۔"

"ارے اس نے تو اپن کا بھی کباڑہ کردیا باپ۔اپن جانتا ہے۔اپن کو نہ جانے کس کس کا ہرجانہ بھرنا پڑے گا۔ارے مری گیو رے۔بس شکیلہ پٹو جلدی سے تیاری کرلے۔اپن سوئٹ جرلینڈ چلتے ہیں۔واپس آکر سب دیکھا جائے گا۔" سیٹھ صاحب غلط ملط انداز میں بولے۔

"دماغ خراب ہے آپ کا۔ہمارا بال بال قرضے میں بندھ گیا ہے نہ جانے کس کس کو کیا کیا دینا ہے۔اور آپ کو سوئزرلینڈ کی سوجھی ہے میرے خیال میں تو آپ کسی پاگل خانے میں چلے جائیں۔"

"ہائے اب ساتھ چھوڑیو۔اے بپا اپن کیا کرے۔اے کریم بھائی کھدا تیرے کو گارت کردے۔" سیٹھ صاحب کراہتے ہوئے باہر چلے گئے اور ان لوگوں نے سکون کا سانس لیا۔

"اب بہتر یہی ہے ظفری کہ دفتر کو تالا لگا کر بھول جایا جائے۔اور آئندہ اس طرف کا رخ نہ کیا جائے۔تھوڑے آئے کو بہت جانو پھر کوئی نیا کاروبار سوچیں گے۔"

"تو پھر اٹھو دیر ہو رہی ہے۔مضطرب صاحب دفتر میں تالا لگائیے۔" ظفری نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد چاروں گھر جارہے تھے۔اس نہ بننے والی فلم سے انھیں نو لاکھ ستر ہزار روپے کی آمدنی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

پورے چھ سال کے بعد عادل مدثر نے سرزمین وطن پر قدم رکھا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ وطن کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اس کی مٹی' اس کی ہواؤں سے بچپن وابستہ ہوتا ہے اور بچپن کی یادیں زندگی کی آخری سانسوں تک ساتھ رہتی ہیں۔ پھر یہاں تو نجمہ بھی تھی' اس کی روح' اس کی زندگی' نجمہ اس کی پھوپھی زاد بہن تھی بچپن ہی سے دونوں ایک دوسرے سے متاثر تھے۔ لیکن پھوپھی جان نے ہمیشہ مدثر کو یعنی عادل مدثر کے باپ کو سوتیلا بھائی ہی سمجھا۔ جبکہ حامد احسان فطرتاً بہت مختلف تھے۔ وہ ہمیشہ بڑے بھائی کی عزت کرتے رہے۔ مجال ہے جو کبھی ان کے سامنے سر اٹھایا ہو۔ پھوپھی جان ان پر طنز کرتی رہتی تھیں کہ حامد تو سوتیلے بھائی کی دولت پر ریجھا ہوا ہے۔ لیکن حامد صاحب نے کبھی بہن کی بات پر کان نہ رکھا۔ اپنا فرض انجام دیتے رہے' یہاں تک کہ مدثر احسان کار کے ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ بیوی پہلے ہی مر چکی تھی' لے دے کے ایک عادل رہ گیا جو جرمنی میں تعلیم پوری کر رہا تھا۔

دولت اور جائیداد کے سارے معاملات حامد احسان کے شانوں پر آ پڑے۔ عزیزوں رشتہ داروں نے لاکھ باتیں بنائیں' طنز کیے کہ اب تو حامد میاں کے پو بارہ ہیں۔ بھائی کی دولت پر عیش کریں گے۔ لیکن حامد میاں نے پروا نہ کی۔

"دنیا کچھ بھی کہتی رہے' مجھے پروا نہیں' جب تک عادل اپنی تعلیم مکمل نہ کر لے گا وہ اس گھرانے کو سنبھالے رہیں گے۔ اگر کسی کو اس سلسلے میں کوئی تشویش ہے تو وہ جو دل چاہے کر سکتا

ہے۔ میں ان باتوں سے متاثر ہو کر اپنا فرض نہیں چھوڑوں گا۔" اور درحقیقت وہ اس بات پر عمل کرتے رہے۔"

صورت حال کچھ یوں تھی کہ احسان عبداللہ نے پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کر لی تھی۔ پہلی بیوی سے مدثر احسان تھے اور دوسری بیوی کی دو اولادیں تھیں۔ ایک بیٹی خدیجہ اور ایک بیٹا حامد احسان۔ درمیانے درجے کے آدمی تھے لیکن مدثر احسان نے کاروبار کی ابتداء کی اور دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتے ہوئے ایک بڑے کاروباری بن گئے۔ سوتیلے بہن بھائی الگ رہتے تھے۔ خدیجہ بیگم کی شادی ایک اچھے گھرانے میں ہو گئی۔ حامد احسان ملازمت پیشہ تھے اور ان کے حالات بہتر نہ تھے۔ مدثر احسان ہر طرح ان کی اعانت کرتے تھے۔ بھائی کو کبھی سوتیلا نہ سمجھا اور بالآخر مجبور کر کے اپنے ساتھ ہی منیجر کی حیثیت سے رکھ لیا۔

خدیجہ بیگم نے حامد میاں کو بہت برا بھلا کہا۔ لیکن حامد صاحب نے ان کی نہ سنی۔ حامد صاحب کا بھی ایک ہی بیٹا تھا۔ ناظر حامد۔ مولوی قسم کا تھا۔ بچپن ہی سے گاؤدی۔ ادھر خدیجہ بیگم کی ایک بیٹی نجمہ تھی۔ اور حیرت انگیز طور پر مدثر صاحب کا بھی ایک ہی بیٹا ہو۔ یعنی عادل' عادل بچپن ہی سے نجمہ سے متاثر تھا اور یہ تاثر اتنا گہرا تھا کہ اس نے نجمہ کو اپنی زندگی بنا لیا۔ اس کا اظہار بھی کر دیا گیا اور مدثر صاحب نے بہن کے سامنے درخواست کر دی کہ وہ عادل کو اپنی فرزندی میں قبول کر لیں۔ خدیجہ بیگم تو شاید اسی وقت انکار کر دیتیں لیکن ان کے شوہر ذرا سلیقے کے آدمی تھے۔ انھوں نے بیوی کو کوئی بدتمیزی نہ کرنے دی اور نرمی سے کہا۔

"بھائی صاحب نجمہ آپ ہی کی بچی ہے' وقت آنے دیں فیصلہ کر لیں گے۔ ابھی کیا جلدی ہے۔ سنا ہے کہ عادل میاں جرمنی جا رہے ہیں؟"

"ہاں' مجھے اسی لیے جلدی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے منسوب کر دیا جائے۔ بعد میں شادی وغیرہ کر لیں گے۔"

"یہ مناسب نہ ہو گا بھائی صاحب' ہم وقت کے فیصلے کا انتظار کریں گے۔ اور فیصلہ آپ

کی مرضی سے ہی ہوگا۔"

مدثر صاحب مطمئن ہوگئے۔ اور عادل جرمنی چلا گیا۔ نجمہ سے حسن و عشق کے معاملات طے نہیں ہوئے تھے لیکن عادل اسے اپنی زندگی کی ساتھی تعین کر چکا تھا۔ نجمہ کی شرمگیں مسکراہٹ اور یگانگت نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ اس کی چاہت یک طرفہ نہیں ہے اس لیے وہ مطمئن تھا۔ خطوط وغیرہ لکھتا وہ دائرہ تہذیب میں ہوتے۔ اکثر نجمہ کے لیے تحائف بھیجتا رہتا تھا۔ لیکن نجمہ نے کوئی خط کبھی اسے نہ لکھا۔

پھر بے چارے مدثر صاحب کار کے حادثے میں ہلاک ہوگئے۔ عادل کو پورے تین ماہ کے بعد یہ اطلاع دی گئی تھی اور مدثر صاحب کی وصیت سے بھی آگاہ کر دیا گیا تھا کہ عادل تعلیم مکمل کر کے ہی وطن واپس لوٹے۔ چنانچہ عادل نے صبر کیا تھا۔ باپ کی کمی شدت سے محسوس ہوئی تھی لیکن اب تو وہ مٹی ہو چکے تھے۔ بہرحال اب اس کی زندگی میں نجمہ کی یاد اور اس کے تصور کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ چچا کو رازِ دل لکھ کر بھیجا اور کہا کہ نجمہ اس کی امانت ہے اس کا خیال رکھا جائے۔ طبیعتاً بے حد ضدی تھا۔ یہ بات سب کو معلوم تھی۔ بہرطور وقت گزرتا رہا۔ اور چھ سال پورے ہوگئے۔ ان چھ سالوں میں ایسے بہت سے واقعات اور حادثات پیش آگئے تھے جن کی اسے کوئی اطلاع نہیں تھی۔

ایئر پورٹ پر حامد احسان ان کا بیٹا ناظر مولوی' بیگم صاحبہ اور چند ملازمین اس کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ حامد صاحب نے کئی منٹ تک اسے بھینچے رکھا تھا۔ بیگم صاحبہ نے پیار کیا۔ ناظر نے گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور عادل ہنس پڑا۔

"ایں واہ مولوی۔ تم پر تمھارا نام مسلط ہو ہی گیا آخر۔ بڑی کلاسیکل چیز لگ رہے ہو۔ اور کوئی نہیں ہے چچا جان۔"

"آ۔ ہاں اور کوئی نہیں ہے۔"

"پھوپھی جان کو میری آمد کی اطلاع نہیں دی گئی کیا؟"

"دی گئی ہے لیکن ایئر پورٹ آنے کے لیے مجبور نہیں کیا گیا آؤ۔" حامد صاحب نے کہا۔

"کیا بات ہے' وہ لوگ خیریت سے تو ہیں نا؟" عادل نے غور سے حامد صاحب کو دیکھ کر کہا۔

"بالکل۔ شاید کوٹھی پر ملنے آئیں۔"

"اوہ۔ میں پھوپھی جان کی عادت سمجھتا ہوں لیکن۔۔۔۔ کوئی بات نہیں ہے۔ میں خود ہی ان سے ملاقات کرلوں گا۔ وہ اسی پرانے گھر میں ہیں نا؟"

"ہاں اسی میں ہیں۔"

راستے میں مدثر صاحب کا تذکرہ آیا تو حامد صاحب رو پڑے۔

"بھائی صاحب کو تمھاری واپسی کی خوشی نصیب نہ ہوئی۔"

"ہاں۔ میں ان کی زبردست کمی محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن ہم حقیقتوں کو قبول کرنے کے لیے مجبور ہیں۔" عادل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"خدا کو یہی منظور تھا۔" بیگم صاحبہ بولیں۔

"اماں وہ منظور صاحب کی دکان۔" مولوی نے کار کی کھڑکی سے ہاتھ باہر نکال کر جلدی سے کہا۔

"ہاتھ اندر کرو۔" حامد صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا۔ اور ناظر نے سہمے ہوئے انداز میں ہاتھ اندر کرلیا۔

"اماں واہ مولوی۔ گویا اوپر سے ابھی تک خالی ہو۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ اب تک آدمی بن چکے ہوگے۔"

"ایں؟" مولوی ناظر حیرت سے بولے۔ اس کے بعد سارے راستے خاموشی طاری رہی تھی۔ کوٹھی پر ملازمین پھولوں کے ہار لیے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ کچھ کاروباری لوگ

بھی تھے۔ سب نے گرمجوشی سے خیر مقدم کیا لیکن عادل کی نگاہوں میں ایک خلاء تھا۔ وہ اس خلاء میں ایک تصویر تلاش کر رہا تھا۔ جو کہیں نہ تھی۔ ایک ایک لمحے اسے پھوپھی جان اور نجمہ کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ پھر اسے ناظر کی آواز نے چونکا دیا۔

"ایک بات پوچھوں عادل بھائی۔ ایمان سے سچ بتانا۔"

"ہوں۔ پوچھو۔"

"میں آدمی نہیں لگتا؟"

"کیا بکواس کر رہا ہے۔ چل گاڑی سے سامان اتروا۔" حامد صاحب کی کڑک دار آواز سنائی دی۔ اور ناظر جلدی سے دوڑ گیا۔ اس فضول آدمی کو زیادہ منہ نہ لگانا عادل۔ ہمیشہ اوٹ پٹانگ باتیں کرتا ہے۔"

"اب وہ بڑا ہو گیا ہے چچا جان۔ آپ اس کی یوں توہین نہ کیا کریں۔ اور ہاں چچا جان' ایک زحمت اور دوں گا۔ رات کو دو بجے جرمنی سے آنے والی فلائٹ ایک سو آٹھ سے میرا کتا آ رہا ہے۔ اسے ائیرپورٹ سے وصول کر لیا جائے۔ کچھ قانونی الجھنیں پیش آ گئی تھیں جن کی وجہ سے وہ اس فلائٹ سے میرے ساتھ نہ آ سکا۔"

"کتا؟" حامد صاحب پریشانی سے بولے۔

"ہاں۔ میں نے اسے بچپن سے پالا ہے۔ اور آپ ابھی تک کتوں سے ڈرتے ہیں۔"

"یاد ہے تمہیں۔ چودہ انجکشن لگے تھے میرے۔ بہرحال تمہارا کتا ہے۔ سر آنکھوں پر۔" حامد میاں بولے۔

"آپ مطمئن رہیے۔ وہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ میری اجازت کے بغیر۔" عادل نے ہنستے ہوئے کہا۔

بائیس گھنٹے گزر گئے تھے عادل کو آئے ہوئے۔ خدیجہ بیگم کی طرف سے کوئی خبر گیری نہیں ہوئی تھی۔ عادل لمحہ لمحہ ان کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ بے حد بے چین تھا' خود ان کے ہاں پہنچ جانے

میں کوئی قباحت نہ تھی لیکن کم از کم صورت حال تو معلوم ہوتی۔ خدیجہ بیگم پھوپھی تھیں خواہ سوتیلی ہی سہی۔ اتنی سنگدل کیوں ہو گئی تھیں اور پھر معاملات ایسے تھے کہ عادل کو یقین تھا کہ ادھر سے کوئی نہ کوئی خبر ضرور لی جائے گی۔ اس کے دل میں بہت سے شکوک و شبہات جنم لے رہے تھے۔ ممکن ہے حامد احسان نے انھیں اطلاع ہی نہ دی ہو۔ لیکن یہ بات بھی حلق سے نہیں اترتی تھی۔ آخر حامد احسان اسے خدیجہ بیگم سے کیسے دور رکھ سکتے تھے۔ جب صورت حال ناقابل برداشت ہو گئی تو وہ حامد احسان کے کمرے میں جا بیٹھا۔ وہ اپنی بیگم کے ساتھ کسی ضروری مسئلے پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ عادل کو دیکھ کر دونوں ٹھٹک گئے۔ پھر حامد صاحب کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ بکھری' وہ سو فیصدی خصوصی تھی۔ کم از کم عادل کو اتنا اندازہ ضرور تھا۔

"آؤ بیٹے بیٹھو۔" انھوں نے بڑے پیار سے عادل کو بیٹھنے کی پیشکش کی۔

"چچا جان' مجھ میں یہ جرأت تو نہیں ہونی چاہیے کہ آپ کے سامنے بے تکلفی سے ہر موضوع پر گفتگو کر لوں لیکن کیا کروں۔ بدنصیبی ہے میری۔ اصل میں ابو کی موت' یہاں آنے کے بعد میرے اعصاب پر بہت برا اثر ڈال رہی ہے۔ میں قدم قدم پر ان کی کمی محسوس کر رہا ہوں۔ یہ حقیقت ہے چچا جان کہ آپ ان کے بدل ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ میں جتنی بے تکلفی سے ان سے اپنے دل کی بات کہہ دیتا۔ آپ سے کہتے ہوئے مجھے جھجک محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن اب مجبوری انتہا کو پہنچ چکی ہے اور میں آپ کے سامنے گستاخی کرنے پر مجبور ہوں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ پھوپھی خدیجہ بیگم ابھی تک مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئیں۔ میں خود بھی ان کی قدم بوسی کے لیے حاضری دے سکتا تھا لیکن کچھ اصول ہوتے ہیں' کچھ آداب ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہاں پہنچنے سے قبل میں یہ معلوم کر لوں کہ ان کی اس سخت روی کی کوئی خاص وجہ ہے یا نہیں؟"

"عادل میاں بہتر ہوگا کہ اب تم ان کے پاس چلے جاؤ۔" حامد صاحب نگاہیں نیچے کیے ہوئے بولے۔

"وہ تو میں جا ہی رہا ہوں چچا جان لیکن ان حالات سے آگاہی چاہتا ہوں جن کے تحت

انھوں نے ابھی تک مجھ سے ملاقات نہیں کی ہے؟"

"میں نے کہا نا بہتر ہوگا کہ تم خود ان سے مل لو صحیح صورت حال سے واقفیت ہو جائے گی۔"

"گویا آپ نہیں بتانا چاہتے؟"

"ہاں' یہی سمجھ لو۔" حامد صاحب کسی قدر تلخ لہجے میں بولے۔ اور عادل تعجب سے انھیں دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے' آپ کی اجازت نہ لینا بھی گستاخی تھی۔ میں ان کے پاس جا رہا ہوں وہ اسی گھر میں مقیم ہیں نا۔"

"ہاں۔ اسی گھر میں ہیں۔" حامد صاحب ناگواری کے سے انداز میں بولے۔ لیکن عادل اس سے زیادہ ان سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ خود وہ بھی بے پناہ ضدی طبیعت کا مالک تھا چنانچہ وہ تیزی سے اٹھا اور باہر نکل آیا۔ کار نکلوائی اور ڈرائیور سے کہنے لگا۔

"تمھیں پھوپھی خدیجہ کا مکان معلوم ہے؟"

"جی صاحب۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

"وہاں لے چلو۔" راستے بھر وہ ان واقعات و معاملات کے بارے میں سوچتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد کار پھوپھی خدیجہ بیگم کے اس جانے پہچانے مکان پر پہنچ گئی جہاں اس کی محبوب نظر رہتی تھی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ اندر داخل ہوا۔ برآمدے میں ہی پھوپھا میاں سے ملاقات ہو گئی۔ وہ اسے دیکھ کر مسرت سے اچھل پڑے اور پھر آگے بڑھ کر انھوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔

"بڑی شکایت ہے پھوپھا میاں مجھے آپ سے۔۔۔۔ مجھے آئے ہوئے تقریباً چوبیس گھنٹے گزر گئے لیکن آپ لوگوں نے میری طرف رخ بھی نہیں کیا۔"

"میاں عادل ہم تو ابتداء ہی سے جورو کے غلام مشہور ہیں۔ ایسے بے دست و پا آدمی سے تم اتنے سخت سوالات کیوں کرتے ہو۔ آؤ اندر آؤ۔ خداوند قدوس تمھیں خوش رکھے۔ تمھیں

دیکھ کر واقعی دلی مسرت ہوئی ہے اور سنو اگر ہماری چغلی نہ کھاؤ تو عرض کر دیں کہ تمھارے آنے کی خبر سنتے ہی بیگم صاحبہ سے تین بار ملاقات کے لیے کہا ہے۔ پہلی بار ذرا نرمی سے منع کر دیا گیا' دوسری بار سخت نگاہوں سے دیکھا گیا کہ آخر ہمارا تم سے براہ راست کیا رشتہ ہے وہ پھوپھی ہیں۔ بہتر جانتی ہیں اور جب تیسری بار کہا تو اچھی خاصی ڈانٹ پڑ گئی۔ اب بتاؤ میاں اس گھر میں رہنا ہے۔ سمندر میں رہ کر مگر مچھ سے بیر ذرا مشکل ہوتا ہے نا۔"

"لیکن پھوپھی جان کو بھی مجھ سے کیا شکایت ہے۔ میں نے تو ہمیشہ ان کا احترام کیا ہے؟"

"عرض کیا نا اس سلسلے میں ہم بھی کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اندر چلو' براہ راست یہ سوال کر سکتے ہو۔" پھوپھا جان نے کہا اور عادل اندر داخل ہو گیا۔ پھوپھی جان اسی کمرے میں تھیں۔ عادل کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے بھونچکی رہ گئیں۔ مگر پھر مصنوعی اخلاق سے بولیں۔

"آؤ بیٹے۔ خدا خوش رکھے تمھیں' کیسے ہو؟"

"بہت خراب حالات ہیں پھوپھی جان' مجھے آپ لوگوں سے یہ امید نہیں تھی۔" پھوپھی جان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عادل نے سر جھکایا تو سر پر ہاتھ پھیر دیا۔ لیکن اس میں کسی چاہت یا کسی محبت کا اظہار نہیں تھا۔ عادل کے دل کو ٹھیس پہنچی تھی۔

"پھوپھی جان۔ بھلا آپ کی مجھ سے ناراضگی کیا معنی رکھتی ہے؟"

"نہیں میاں' ہم بھلا کسی سے کیوں ناراض ہوں گے؟"

"میں 'کسی' نہیں ہوں پھوپھی جان۔ آپ کا عادل ہوں۔ آپ کا اپنا عادل۔"

"کاش تم ہمارے اپنے عادل ہوتے؟" پھوپھی جان نے جواب دیا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں سمجھانا بھی نہیں چاہتی۔ سب ٹھیک ہے نا۔ تمھاری تعلیم مکمل ہو گئی؟"

"جی ہاں۔ تعلیم مکمل ہو گئی لیکن سب ٹھیک ہے والی بات کا میں پہلے ہی جواب دے چکا

ہوں۔ آپ یہ بتائیے آپ مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئیں؟"

"بھئی اس گھر میں ہمارا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ وہاں تو حامد میاں کی حکومت ہے اور پھر سچی بات یہ ہے بیٹے کہ حامد میاں کی للو چپو کو وہی لوگ جا سکتے ہیں جنھیں ان سے کچھ امداد حاصل کرنا ہو۔ تمھارے اہل خاندان بہت سے ایسے ہیں جن کی روٹیاں حامد میاں کے نام سے چلتی ہیں اور حامد میاں انھی سے خوش ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس تو اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ پھر ہمیں کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ کی الجھنوں میں پڑیں۔"

"پھوپھی جان۔ اگر آپ کو چچا جان سے کوئی شکوہ یا شکایت ہے تو اس سے میرا تعلق۔ آپ دونوں تو بہن بھائی ہیں۔"

"ہاں میاں، بہن بھائی ضرور ہیں لیکن دولت کی چمک آنکھوں کی بینائی چھین لیتی ہے۔ سگے رشتے بھی ٹوٹ جاتے ہیں پھر بھلا تم کس گنتی میں ہو۔"

"بھئی خدیجہ بیگم کم از کم اردو تو صحیح بول لیا کرو۔ تمھیں اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ناراضگی کا اظہار تو مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے۔" پھوپھا جان نے خدیجہ بیگم کے ان دل شکن الفاظ کا بہت احساس کیا تھا۔

"تم چپ رہو جی' میں جو کچھ کہہ رہی ہوں سچ کہہ رہی ہوں۔ اسے حقیقتوں سے آگاہ کرنا تو ضروری ہے۔ کیا سوچے گا اپنے دل میں۔"

"حقیقتیں جاننا چاہتا ہوں پھوپھی جان۔"

"جو بتا چکی ہوں' وہی حقیقتیں ہیں۔ حامد بھائی میری ماں کی کوکھ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ابتداء ہی سے وہ مدثر بھائی کا دم بھرتے رہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہی ان کے سگے تھے انھوں نے مجھے سوتیلا سمجھ لیا تھا اور سگے ہونے کی وجہ بھی خوب جانتی ہوں میاں۔ دولت کی چمک کھرے کھوٹے کی پہچان چھین لیتی ہے۔ ماں کی کوکھ بھول گئے اور غیر کوکھ کو یاد رکھا۔ اسی کے کلیجے میں بیٹھے رہے اور کیوں نہ بیٹھتے ان کا مستقبل جو تابناک ہے۔"

"پھوپھی جان خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کیجیے میں تو آپ ہی لوگوں کے سہارے یہاں واپس آیا ہوں۔ آپ کے علاوہ میرا ہے کون آپ بھی اگر ایسی باتیں کریں گی تو بتائیے بھلا میری اپنی کیا کیفیت ہوگی؟"

"خیر میاں تم نے خود تذکرہ نکالا تو میں نے کہہ دیا۔ میں اسی لیے تمھارے پاس نہیں گئی عادل میاں کہ خواہ مخواہ جھوٹی سچی محبت جتانے والوں میں شمار کی جاؤں گی۔ لوگ سوچنے لگیں گے کہ شاید خدیجہ بیگم کے حالات بھی خراب ہو گئے ہیں۔ اور اب وہ بھتیجے کی طرف پینگیں بڑھا رہی ہیں تاکہ ان کا مستقبل بھی سنور سکے۔ لیکن میاں یہاں اللہ کا شکر ہے۔ آرام سے کھا پی رہے ہیں۔ عیش کر رہے ہیں۔" پھوپھی جان کی دل شکن باتوں سے عادل کو شدید صدمہ پہنچا۔ پھر اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نجمہ کہاں ہے؟"

"اللہ رکھے' اپنے گھر میں ہے' خوش ہے۔ مسعود بہت اچھا لڑکا ہے۔"

"جی۔" عادل بھونچکا ہو کر انھیں دیکھنے لگا۔ پھوپھا جان گردن جھکا کر بیٹھ چکے تھے۔ بمشکل تمام عادل کے منہ سے نکلا۔ "مم۔ مسعود کون ہے پھوپھی جان؟"

"نجمہ کا شوہر۔ دو مہینے ہو گئے اس کی شادی کو۔"

"پھوپھی جان نے بے دردی سے جواب دیا تھا اور عادل پر بجلی گر پڑی۔ دیر تک وہ سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا تھا پھر اس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"پھوپھی جان۔ یہ۔ یہ۔ آپ نے کیا کیا؟ نجمہ تو میری امانت تھی۔ ابو جان کی زندگی میں ہی یہ مسئلہ طے ہو گیا تھا۔ پھر۔ پھر میرے ساتھ یہ ظلم کیوں کیا گیا؟ مجھے بتایا بھی نہیں گیا۔"

"دیکھو میاں' میں ذرا صاف بات کرنے کی عادی ہوں۔ بیشک تمھارے ابو جان مرحوم نے یہ رشتہ مجھے پیش کیا تھا تمھیں علم ہوگا اس بات کا۔ اور سچی بات تو یہی ہے کہ ہمارے دل تو ابتداء ہی سے نہیں ملے۔ سگے سوتیلے کا سلسلہ ہمیشہ ہی اونچا رہا۔ میں نے کبھی دل سے اس رشتے کو

قبول نہیں کیا تھا۔ بس خاموشی اختیار کی ہوئی تھی ہم لوگوں نے۔ ان کے دل میں لچک تھی اور یہ مجھے مجبور کر رہے تھے کہ اس رشتے کو مان لوں۔ میں خاموش ہو گئی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ تمہارا رویہ دیکھوں گی اپنے بارے میں اور فیصلہ کروں گی' لیکن تمہارے پیچھے کچھ ایسی باتیں ہوئیں۔ کچھ ایسے حالات ہوئے کہ میری خودداری کو چوٹ پڑی۔ حامد میاں نے علی الاعلان کہا کہ اب تو خدیجہ بیگم کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہیں۔ تنہا وارث ہے مدثر میاں کی جائیداد کا اسے داماد نہ بنائیں گی تو پھر کسے داماد بنائیں گی۔ میری خودداری کو ٹھیس پہنچی اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اور پھر جونہی مجھے پہلا رشتہ ملا' میں نے اپنی نجمہ کے ہاتھ پیلے کر دیے۔ اللہ کے فضل سے وہ خیریت سے ہے۔"

"بہت برا کیا آپ نے پھوپھی جان' بہت برا کیا۔ میرا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ میں نے آپ کا کیا بگاڑا تھا۔" عادل کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھوپھا جان ہمدردی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر انھوں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"عادل میاں' تم صاحب حیثیت ہو' اچھے سے اچھے رشتے مل جائیں گے تمھیں۔ جو کچھ ہو چکا ہے اس پر صبر کرو۔"

"نہیں پھوپھا جان صبر نہیں کروں گا میں۔ میرے دل میں سوراخ کر دیا گیا ہے' میں صبر نہیں کروں گا۔" عادل نے گھمبیر لہجے میں کہا اور تیزی سے اٹھ کر وہاں سے نکل آیا۔ چند لمحات کے بعد اس کی کار واپس اپنی رہائش گاہ کی طرف دوڑ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ابلے پڑ رہے تھے۔ وطن واپس آنے کے بعد صرف نجمہ کا ہی تصور ایسا تھا جو دلنواز تھا۔ یہ احساس دلاتا تھا کہ وطن میں اس کا کوئی موجود ہے۔ لیکن نجمہ اس سے چھین لی گئی تھی۔ وہ یقیناً اس سے پیار کرتی تھی۔ ہر چند کہ زبان سے کبھی اس کا اقرار نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن عادل نے اس کی آنکھوں میں جھانک لیا تھا۔ ان آنکھوں میں اسے ہمیشہ اپنی ہی تصویر نظر آئی تھی۔ نجمہ مطمئن ہو گی کہ عادل ہی اس کی زندگی میں داخل ہوگا۔ اسی لیے اس نے اپنی زبان قابو میں رکھی تھی۔ ورنہ شاید وہ عادل سے

اس کا اظہار بھی کر دیتی۔"

لیکن ان دونوں کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دی گئی تھی اور عادل اس دیوار کو دیکھ کر تلملا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں نہ جانے کیا کیا خیالات جنم لے رہے تھے۔ پھر آندھی اور طوفان کی مانند وہ حامد میاں اور ان کی بیگم کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ دونوں ہی اس کے منتظر تھے۔ انھیں اس کی آمد کا علم ہو چکا تھا۔

"ہو آئے عادل میاں؟ میں یہ اطلاع اپنی زبان سے تمھیں نہیں دینا چاہتا تھا۔"

"جی ہاں چچا جان' ظاہر ہے آپ اپنے ہاتھوں سے کیسے خنجر اتارتے میرے سینے میں۔"

"یہ میں جانتا ہوں بیٹے کہ تمھارے کان خوب بھرے گئے ہوں گے۔ خدیجہ میری بہن ضرور ہے لیکن اس نے کبھی مجھے بھائی کی حیثیت نہیں دی۔ اسے مدثر نے کیا کیا تھا۔ اس کے ساتھ کیا برائی کی تھی۔ مدثر میاں نے خدیجہ نے ہمیشہ ہی ان کو مطعون رکھا۔ ہمیشہ سگے سوتیلے کا سوال اٹھائے رہی وہ بدبخت۔ آخر کار وہ سب کچھ کر ڈالا جس سے اس تابوت میں آخری کیل ٹھک سکتی تھی۔ اور اب۔ اور اب میں جانتا ہوں کہ تمھیں آندھی اور طوفان بنا کر کس طرح بھیجا گیا ہوگا۔ صرف ایک بات سن لو کہ میں سازشی نہیں ہوں۔ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہو۔ میں نے آخری وقت تک اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس نے صاف صاف انکار کر دیا کہ وہ اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرے گی۔ اس کی بیٹی ہے وہ جس طرح چاہے کر سکتی ہے۔"

"لیکن چچا جان اس کی اطلاع تو مجھے فوری طور پر دی جا سکتی تھی۔ میرے ساتھ یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور مجھے خبر بھی نہ دی گئی۔"

"اس سلسلے میں بھی بھائی صاحب کی وصیت کو مدنظر رکھا گیا۔ ان کی موت پر تمھیں نہیں بلایا گیا تو پھر اس سلسلے میں' میں تمھیں کیسے بلا سکتا تھا۔ بھائی صاحب تمھاری تعلیم کی تکمیل چاہتے تھے۔ یقین کرو عادل یہ وصیت تھی ان کی۔"

"جی ہاں یہ وصیت تھی ان کی کہ میں لٹ جاؤں اور آپ لوگ خاموشی سے بیٹھے چین کی

بنسی بجاتے رہیں۔"

"جو تمھارا دل چاہے سمجھ لو۔ میں اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ ہر لمحہ اس کوٹھی سے نکلنے کے لیے تیار ہوں۔ میری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔ مدثر بھائی نے کبھی مجھے اپنے بھائی سے کم نہیں سمجھا۔ اس کے صلے میں، میں ہر بے عزتی اور ہر بات برداشت کرنے کو تیار ہوں۔ جس سے ان کی روح کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔"

"مُردوں کا تو احساس کرتے ہیں چچا جان، زندوں کی روحیں جو تباہ ہوگئیں، ان کا کوئی احساس نہیں ہے آپ کو؟ کیا کہوں آپ سے میں کیا نہ کہوں۔"

"بیٹے، میں اپنے ناظر کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ ہم لوگوں نے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا۔ ہم نے تو انتہائی کوشش کی تھی کہ خدیجہ بہن مان جائیں۔ اس کے باوجود اگر تم ہمیں غلط سمجھتے ہو تو اب یہ تمھاری مرضی ہے۔ ہمارے پاس اپنی صفائی کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔" چچی جان نے کہا اور دوپٹے سے منہ ڈھانپ کر رونے لگیں۔ عادل وہاں سے بھی باہر نکل آیا۔

"پھر سارا دن وہ اپنے کمرے میں پڑا رہا۔ دوسرا دن بھی گزر گیا۔ اس نے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ ملازم کوشش کر کر کے ہار گئے تھے۔ لیکن اس شام کو جب وہ باہر نکلا تو تروتازہ نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک شرارت بھری مسکراہٹ تھی۔ اس نے ناشتہ طلب کیا۔ ہلکا پھلکا سا کھایا اور پھر اپنے کتے سے کھیلنے لگا۔

"یہ بلڈ ہاؤنڈ یورپ سے ہی آیا تھا۔ پتا نہیں کب سے عادل کے ساتھ تھا۔ بڑا خوفناک قسم کا کتا تھا یہ۔ بے چارے حامد میاں کتوں سے بہت ڈرتے تھے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ایک کتے نے انھیں کاٹ لیا تھا۔ انھوں نے عادل کے کتے کی رکھوالی کے لیے باقاعدہ ایک خادم رکھ لیا تھا اور خود اس کی طرف گزرنا چھوڑ دیا تھا۔

بہر طور عادل کی کیفیت میں نمایاں طور پر تبدیلی محسوس ہوئی تھی۔ پھر اسی شام حامد میاں نے اس سے ملاقات کی۔

"عادل میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"جی۔ میں سمجھا نہیں چچا جان؟" عادل نے شفاف لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں، خدیجہ نے میرے خلاف تمھارے خوب کان بھرے ہوں گے۔ جو کچھ تم چاہتے ہو مجھے صاف صاف بتا دو۔ اور پھر ویسے بھی بیٹے، اب میں اس بوجھ سے تھک گیا ہوں۔ میں اب اپنے کاندھوں سے یہ بوجھ اتار دینا چاہتا ہوں۔"

"کون سا بوجھ چچا جان؟" عادل نے پوچھا۔

"کاروبار سنبھالو۔ حسابات چیک کر لو، میں تمھیں تمام آسانیاں فراہم کر دوں گا۔ اور اس کے بعد اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کرو۔ ہم لوگ اب اس عمارت میں رہنے کے قابل نہیں ہیں۔"

"گویا آپ ایک اور زخم دینا چاہتے ہیں مجھے چچا جان۔ گویا اب آپ بھی مجھے چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔"

"میں نہیں چاہتا بیٹے، حالات یہی چاہتے ہیں۔"

"کوئی حالات نہیں ہیں کچھ نہیں ہے۔ جس طرح سے سب کچھ کر رہے ہیں، کرتے رہیں۔ میں ان بیکار باتوں کو نہیں سننا چاہتا ہوں۔"

"لیکن تمھارے دل میں میرے لیے کھوٹ ہے اور یہ بات مجھے پسند نہیں۔"

"کوئی کھوٹ نہیں ہے میرے دل میں۔ ٹھیک ہے جس نے جو کچھ اچھا ہی کیا۔ خود پھوپھی جان بھی تو سوچ سکتی تھیں میرے بارے میں۔ جب انھوں نے ہی نہ سوچا۔ نجمہ نے بھی کوئی احتجاج نہ کیا تو پھر یہ ساری باتیں بے کار ہیں۔ میں اپنے ذہن سے وہ سب کچھ مٹا چکا ہوں۔"

"بیٹے اگر یہ بات ہے تو مجھے اجازت دو کہ میں تمھاری شادی کا بندوبست کروں۔ تمھاری حیثیت جو کچھ ہے، اس کا اندازہ تم چند ہی روز میں کر لو گے۔ ہماری ملاقات شہر کے بڑے بڑے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں سے ہے۔ بہت بڑی عزت ہے خدا کے فضل سے ہم لوگوں کی۔ کون ایسا نہ ہوگا جو تمھیں اپنی بیٹی دینے میں خوش نصیبی محسوس نہ کرے گا۔"

"نہیں چچا جان' شادی تو مجھے فوراً کرنی ہے کیونکہ میں اپنی تنہائی دور کرنے کا خواہشمند ہوں لیکن میری شادی اب میری مرضی سے ہوگی۔ مجھے معاف کیجیے گا۔ اس سلسلے میں' میں کسی کا تسلط برداشت نہیں کرسکوں گا۔" عادل نے کہا اور حامد میاں نے گردن جھکالی۔

"ٹھیک ہے۔ ہم اس سلسلے میں تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔" انھوں نے جواب دیا۔

عادل کی مصروفیات کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہوسکا۔ یہ حقیقت تھی کہ شہر کے بڑے بڑے لوگ اس کے قرب کے خواہاں تھے۔ اکثر بیگمات اپنی خوبصورت اور حسین بیٹیوں کے ساتھ عادل سے ملاقات کرنے کے لیے آتی تھیں۔ ویسے بھی مدثر صاحب کی موت کے بعد حامد میاں کا حلقۂ اثر اتنا ہی وسیع تھا' جتنا مدثر صاحب کی زندگی میں تھا۔ وہ اس کاروبار کے متولی ہی نہیں تھے بلکہ ایک طرح کے مالک تھے۔

ناظر البتہ ایک بیوقوف سالڑکا تھا۔ شروع ہی سے اس پر قنوطیت طاری تھی اور وہ انھی معاملات میں مصروف رہتا تھا۔ پتا نہیں اس کی دماغی کیفیت کیسی تھی۔ ہمیشہ احمقانہ قسم کی باتیں کرتا تھا اور محفل کو زعفران زار بنادیتا تھا۔

کاروبار وغیرہ کے سلسلے میں اس نے کبھی حامد صاحب کی کوئی مدد نہیں کی تھی اور حامد صاحب بیٹے سے اکثر نالاں رہتے تھے لیکن عادل سے اس کی خوب گھٹنے لگی تھی۔ عادل اسے بہت زیادہ شہ دیتا تھا اور ناظر عادل کا دم بھرنے لگا تھا۔ بہرصورت وقت گزرنے لگا۔

حامد میاں اپنا کام بدستور کرتے رہے۔ اس کے بعد سے عادل کا رویہ بھی ان کے ساتھ برا نہیں رہا تھا۔ ٹھیک ٹھاک گفتگو کرتا تھا ان سے۔ پتا نہیں اس کے اپنے مشاغل کیا تھے۔ گاڑی لے کر نکل جاتا۔ بعض اوقات دن دن بھر گھر میں نہیں آیا کرتا۔ بعض دنوں میں راتوں کو بھی غائب رہتا۔ حامد میاں اس پر گہری نگاہ رکھ رہے تھے۔ لیکن ظاہر ہے اس کا پیچھا نہیں کرسکتے تھے۔ پھر ایک دوپہر جب وہ دفتر سے آکر کھانا کھانے کے بعد قیلولہ کررہے تھے' انھیں عادل کا ٹیلی فون موصول ہوا۔ عادل نے فون پر ان سے رابطہ قائم کیا تھا۔

"ہیلو۔ ہاں عادل میاں کیا بات ہے؟ کہاں ہو اس وقت تم؟"

"یہ تو نہیں بتا سکتا کہ کہاں ہوں۔ اس وقت ایک اطلاع دینا چاہتا ہوں' آپ کو کچھ انتظامات کرنے ہیں۔"

"ہاں۔ ہاں کہو۔"

"وہ میں شام کو تقریباً ساڑھے پانچ بجے اپنی مسز کے ساتھ پہنچ رہا ہوں۔ ذرا تھوڑا سا اہتمام کروا دیجیے ان کا صحیح استقبال ہو اور برابر کا دوسرا کمرہ۔ میرا مطلب ہے اوپری منزل پر جو میری خوابگاہ کے برابر کا کمرہ ہے' اسے ذرا ٹھیک ٹھاک کرا دیجیے۔"

"کس کے ساتھ؟ کس کے ساتھ؟" حامد میاں کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔

"اپنی بیگم کے ساتھ۔ کیوں؟ آپ کو حیرت کیوں ہوئی؟" عادل نے سوال کیا۔ لیکن حامد میاں سکتے کے عالم میں رہ گئے تھے۔

"عادل بیٹے تم مذاق کررہے ہو۔"

"جی نہیں' اپنی زندگی کے ساتھ میں اور بہت سے مذاق نہیں کرسکتا۔ جو مذاق ہوچکا ہے وہی کافی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ لوگ صحیح انداز میں میری بیوی کا استقبال کریں گے۔" عادل نے کہا اور فون بند کردیا۔

حامد میاں ریسیور پکڑے اسے گھورتے رہے تھے۔ ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہوگئے تھے۔ پھر انھوں نے تھکے تھکے انداز میں ریسیور رکھ دیا۔ پھر اچانک کمرے کے دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی۔ وہ اپنی بیگم کو اس عجیب و غریب اطلاع کے بارے میں بتانا چاہتے تھے۔

بیگم صاحبہ نے بھی یہ خبر سنی تو دنگ رہ گئیں۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہ گئے تھے۔

"اب کیا ہوگا؟" بیگم صاحبہ نے کہا اور حامد میاں چونک کر انھیں دیکھنے لگے۔

"یہ اچھا نہیں کیا عادل میاں نے۔ یہ اس کے حق میں بہت ہی برا ثابت ہوگا۔ اس نے درحقیقت ہم لوگوں سے بدترین انتقام لے لیا ہے۔ ہمارا اپنا ایک ماحول ہے' ایک اسٹیٹس ہے۔ عادل کے بارے میں سب ہی جانتے ہیں۔ شہر کے بڑے بڑے لوگ بڑے بڑے آدمی اپنی بیٹیاں اسے دینے کے لیے تیار تھے۔ لیکن عادل نے ہم سب کے منہ پر تھوک دیا ہے۔ وہ بیشک اپنی مرضی کا مالک اور مختار تھا لیکن اگر اس شادی میں ہمیں بھی شریک کر لیتا تو ہماری بھی عزت رہ جاتی۔ ہاں بیگم! اس نے انتقام لیا ہے۔ یقیناً وہ ذہنی طور پر کمزور نہیں ہوگا۔ انتقام کے منصوبے بنا رہا ہوگا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ بدترین انتقام ہے۔ بتاؤ دنیا کے سامنے میری حیثیت کیا رہ گئی ہے۔ کیا عادل نے یہ بات ثابت نہیں کر دی کہ میں اس کے باپ کے ملازم کے علاوہ اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ میری اپنی اوقات اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔"

"اسے تو اب کرو گے کیا یہ بتاؤ؟"

"کچھ نہیں کروں گا عادل نے جو کچھ کیا ہے اسے برداشت کرنا پڑے گا۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ ہم کر بھی کیا سکتے ہیں کہہ بھی کیا سکتے ہیں۔" حامد میاں بے بسی کے عالم میں بولے اور پھر چونک پڑے۔

"بہر صورت اس نے جو کچھ کیا ہے' اسے بھگتنا پڑے گا۔ پتا نہیں کہاں جا کر پھنسا ہے' وہ دولت کی کان ہے' جس نے سنا ہوگا منہ میں پانی بھر آیا ہوگا۔ کوئی غلط خاندان ٹکرا گیا تو گنوا بیٹھے گا سب کچھ۔ پھر مجھے کیا بھگتنا ہے اب تو بھگتنا ہے۔" وہ باہر نکل آئے پھر انھوں نے ایک ملازم کو آواز دے کر ملازموں کی پوری فوج کو طلب کر لیا۔ اور انھیں ہدایات جاری کرنے لگے۔ عادل مدثر اور مسز عادل مدثر کے استقبال کی تیاریاں ہونے لگیں۔

ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ بڑے کروفر سے چل رہی تھی۔ سب کے حلیے بدل گئے تھے۔ بہت بڑا اسٹاف اکٹھا ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے جو کچھ کیا تھا۔ اس میں ان کی کاوشوں کو بہت زیادہ دخل

نہیں تھا۔ تقدیر جب ساتھ دیتی ہے تو اسی طرح ساتھ دیتی ہے۔ اور سارے بگڑے کام بن جاتے ہیں۔

مطلق صاحب کا بڑھاپا بھی خوب سنورا تھا۔ عیش کر رہے تھے شعر و شاعری کی محفلیں اب کچھ اور وسیع ہو گئی تھیں اور چونکہ اب ان کے پاس ان کی اپنی ذاتی کار تھی۔ بہترین قسم کا لباس پہنتے تھے اور ایک شاندار قسم کی کوٹھی میں دوستوں اور شعراء حضرات کی دعوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس لیے ان کی ہر الٹی سیدھی غزل اردو شاعری میں سنگ میل قرار دی جاتی تھی اپنے گھر میں کوئی مشاعرہ ہوتا تو سب سے آخر میں پڑھنے والوں میں شمار کیے جاتے۔ مضطرب صاحب کی شاعری بھی چمک اٹھی تھی اور انھوں نے مطلق صاحب سے تعاون کر لیا تھا۔ اب ایک نیام میں دو تلواروں کو رہنا پڑ رہا تھا کوئی غزل بڑی جدوجہد کے بعد مضطرب صاحب کی ملکیت بنتی اور وہ مطلق صاحب کو سناتے اور اگر غزل مطلق صاحب کو پسند آ جاتی تو مطلق صاحب صاف کہہ دیتے۔"

"دیکھو میاں اضطراب یا مضطرب یہ تو تمھیں بھی پتا ہے کہ ہم بھی شاعر ہیں اور شاعروں کو پڑھتے رہتے ہیں۔ اس غزل میں تم نے جس طرح دس بارہ غزلوں کی کھچڑی پکائی ہے' ہمیں معلوم ہے لیکن اتفاق یہ ہے کہ ہم بھی آجکل یہی غزل تیار کر رہے تھے۔ اس لیے ہماری ملکیت پر ہاتھ صاف نہ کرو۔ اسے ہمارا ہی رہنے دو۔ تم کسی دوسری غزل کی کھچڑی پکا لو۔" مضطرب صاحب بڑی فراخدلی سے اپنی تازہ غزل مطلق صاحب کی نذر کر دیا کرتے تھے لیکن یہ اسی وقت ہوتا جب مطلق صاحب کو کوئی غزل ردیف و قافیے کے ساتھ پسند آ جاتی تھی۔ یوں کاروبار زندگی چل [illegible] تھا۔ مطلق صاحب نئے نئے جہانوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ ریٹائرڈ زندگی میں جو [illegible] آیا تھا اس کا مزہ ہی کچھ اور تھا۔

بیگم صاحبہ بھی اب بیگمات میں گھری رہتی تھیں۔ یہ بیگمات عموماً شعراء حضرات ہی کی ہوا کرتی تھیں یا پھر پاس پڑوس کے لوگ جو بہر صورت مطلق صاحب کو پہلے سے نہیں جانتے تھے۔ رات کرا کثر اجتماعات ہوتے تھے جن میں کچھ پرائیویٹ نوعیت کے ہوا کرتے تھے۔

مطلق صاحب کے پچھلے کچھ دنوں سے سعدی' ظفری اور شکیلہ کی کھوج میں تھے۔ پتا
نہیں کس طرح انھیں بھنک مل گئی تھی ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں' چنانچہ آج اسی سلسلے میں
فیصلہ کن گفتگو کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا اور یہ اتفاق تھا کہ آج شام کو یہ حضرات بھی جلدی آ گئے
تھے۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد مطلق صاحب ان کے کمرۂ خاص میں آ جے۔ جو
ضروری میٹنگوں کے لیے منتخب کر لیا گیا تھا۔

سب نے احترام سے مطلق صاحب کا استقبال کیا اور مطلق صاحب مسکراتے ہوئے
بیٹھ گئے۔

"دیکھو میاں ہم تمہید کے قائل نہیں' اس کا اندازہ تم ہماری غزلوں سے لگا چکے ہو گے۔
کسی خوبرو حسینہ کے سراپا کا بیان کرنا ہو تو ہم بڑے اطمینان سے شروع ہو جاتے ہیں۔ تمہید نہیں
باندھتے۔ اس لیے آج بھی جو کچھ کہہ رہے ہیں بلا تمہید کہہ رہے ہیں۔ بھائی خون میں جب رزق
شامل ہوتا ہے تو اس رزق کی تقدیر خود بخود دکھنا شروع ہو جاتی ہے۔ بہت عرصے سے تم لوگ ڈی
ڈی ٹی لمیٹڈ چلا رہے ہو۔ اور ہم نے کبھی اس ادارے کے بارے میں کوئی چھان بین نہیں کی ہے۔
لیکن جب اس طرف راغب ہوئے تو میاں ساری حقیقتیں کھل گئیں۔ ایک سوال کرنا چاہتے ہیں
سعدی اور ظفری تم لوگوں سے' جب اضطراب احمد مضطرب جیسے لوگ تمھارے اس جاسوسی کے
ادارے کے رکن بن سکتے ہیں تو کیا ہم ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ میاں غزلوں کی صفائی میں
ہم بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں اگر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے کیس مضطرب صاحب حل کر سکتے ہیں تو
مطلق تو پھر مطلق ہی ٹھیرے۔"

"اوہ۔ مطلق صاحب آپ کو یہ کس نے بتایا؟" ظفری نے حیرت سے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ جب خون میں یہ سب کچھ شامل ہو گیا تو جراثیم تو پیدا ہونے ہی
تھے۔ ہم نے بھی جاسوسی کر ڈالی تمھارے ادارے کی اور یہ بھی معلوم کر لیا کہ بڑی کامیابی کے
ساتھ جاسوسی کا یہ اڈہ چل رہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اس کے رکن نہیں بن سکتے تھے؟"

"اوہ مطلق صاحب جب آپ کو ان ساری باتوں کا علم ہو ہی گیا ہے تو پھر آپ سے
چھپانا بے سود ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ دور ہی ان چیزوں کا ہے۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں۔ وہ قطعی غیر
قانونی نہیں ہے پولیس کا ہمارے ساتھ بہترین تعاون ہے اور ہم نے اپنے لیے۔۔۔"

"ہاں ہاں یہ ساری باتیں میں معلوم کر چکا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے بھی اپنے
ادارے میں شامل کر لو۔"

"لیکن مطلق صاحب۔۔۔؟"

"لیکن ویکن کچھ نہیں میاں۔ ہمارا وقت بھی ذرا خوش اسلوبی سے کٹ جائے گا۔"

مطلق صاحب نے کہا اور سعدی اور ظفری سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"وعدہ کرتے ہیں کہ دفتر میں مشاعرہ کبھی نہیں ہو گا۔" مطلق صاحب بولے۔

"نہیں مطلق صاحب یہ بات نہیں ہے دراصل ہمیں ایک بزرگ کی بھی ضرورت تھی جو
گھر کی نگرانی کرتا رہے۔"

"وہ نگرانی جاری رہے گی اس کے لیے تم فکر مند نہ ہو۔ بس دل چاہ رہا ہے کہ ہم بھی
کچھ جاسوسی وسوسی کریں اور تم سے صرف اتنی ہی درخواست ہے کہ کسی کیس میں ہمیں بھی شامل
کر کے تو دیکھو۔ دیکھو ہم بھی تمھیں کیا کارنامے کر کے دکھاتے ہیں۔"

اس کا وعدہ مطلق صاحب کہ آپ کے شایان شان کوئی کیس ہمارے پاس آیا تو آپ کو
ضرور زحمت دی جائے گی۔"

"بس بس یہی وعدہ لینا تھا۔" مطلق صاحب مسکراتے ہوئے بولے اور اپنی جگہ سے
اٹھ گئے۔

"بیڑہ غرق۔ مطلق صاحب اور جاسوسی۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پر بہت برا وقت آ پڑا ہے
سعدی۔" ظفری بولا۔

"کوئی حرج بھی نہیں ہے' کوئی مسئلہ آنے دو دیکھ لیں گے۔ اس نئے جاسوس کو بھی۔"

سعدی بولا اور شکیلہ نے اس کی تائید کی۔

"مطلق و مضطرب جہاں یکجا ہوئے وہاں مشاعرے کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ لکھ لو اس بات کو۔" ظفری بولا اور سب ہنسنے لگے۔

ٹھیک پانچ بجے عادل کی کار کوٹھی میں داخل ہو گئی۔ کوٹھی کے تمام افراد پھولوں کے ہار لیے دو رویہ قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ سب سے آگے بیگم حامد اور حامد میاں موجود تھے۔ بہو کار سے اتری تو سب اسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ شکل و صورت ٹھیک ٹھاک تھی لیکن میک اپ انتہائی بھونڈا تھا۔ ناز و انداز بازاری قسم کے تھے۔ چہرے ہی سے اول جلول لگ رہی تھی۔ لباس بے حد قیمتی تھا لیکن نہایت ہی بد سلیقگی سے پہنا گیا تھا۔

"ماہ رخ۔ یہ میرے چچا جان اور چچی جان ہیں۔" عادل نے تعارف کرایا۔

"سلام سسر جی۔ سلام ساس جی۔ اللہ قسم بہت خوشی ہوئی آپ لوگوں سے مل کر۔ ہی ہی۔" بہو بیگم نے پان چباتے ہوئے کہا۔

"خدا خوش رکھے تمہیں۔" بیگم صاحبہ نے بہو کے سر پر ہاتھ رکھنے کی کوشش کی تو بہو نے پیچھے چھلانگ لگا دی۔

"رہنے دو رہنے دو ساس جی۔ جوڑا خراب ہو جائے گا۔ سو روپے کینوں نے جوڑا بنانے کے لیے ہیں پورے۔ اے یہ بیوٹی۔ پار۔ پار۔ کیا کہتے ہیں جی؟" بہو بیگم نے شوہر سے پوچھا۔

"بیوٹی پارلر ڈارلنگ۔" عادل جھک کر بولا۔

"ہاں وہی۔ اچھا دھندہ ہے اللہ پٹیوں کا۔ چلو چلو اندر چلو۔" بہو بیگم مٹکتی ہوئی اندر داخل ہو گئیں۔ سب کو ہار پہنانے کی حسرت دل میں ہی رہ گئی تھی۔

اول تو شادی اس انداز میں ہوئی تھی کہ حامد صاحب کو عزت بچانی مشکل ہو گئی تھی۔ دوسرے یہ بہو بیگم۔ کسی پہلو سے کوئی شریف خاندان کی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ چند ہی گھنٹوں میں انھوں نے سب کی طبیعت خوش کر دی لیکن عادل ان کی ناز برداریوں میں بچھا جا رہا تھا تو دوسروں کی کیا مجال۔ حامد صاحب کا سر چکرا گیا تھا۔

بیگم حامد کسی کام سے گئیں تو بہو بیگم نے آواز لگائی۔ "اے ساس جی ارے ذری سنیو تو۔"

"ہاں دلہن کہو کیا بات ہے؟"

"اے خدا کی بندی پٹاری تو ہو گی تیرے کے۔ منہ سڑ گیا۔ ذری پان تو کھلا۔"

"پپ۔ پان۔ پان تو یہاں کوئی نہیں کھاتا۔" بیگم حامد نے پریشانی سے کہا اور بہو بیگم نے ہنگامہ کر دیا۔

"لو یہاں کوئی پان نہیں کھاتا۔ ارے پھر کیسے جیتے ہو تم لوگ؟ لو خدا کی مار۔" اتنا ہنگامہ ہوا کہ فوراً ایک ملازم کو دوڑا دیا گیا۔ بڑا سا پاندان خریدا گیا۔ پان کے لوازمات خریدے گئے۔ عادل نے ایک ملازمہ بیگم صاحبہ کو پان کھلانے پر مقرر کر دی۔

حامد صاحب کا چہرہ اتر گیا تھا دو ہی دن میں۔ یہ انوکھی بہو ان کی سمجھ سے باہر تھی۔ زیادہ پریشان کن بات یہ تھی کہ عادل نے ولیمہ کرنے کا اعلان کر دیا تھا اور سیکرٹری کو اس کی تیاریوں کی ہدایت کی گئی تھی۔ ظاہر ہے ولیمے میں شہر کے معززین شریک ہوں گے اور بہو بیگم کے لچھن سب کی نگاہ میں آ جائیں گے۔ لیکن حامد صاحب دم بخود تھے۔ کوئی بات جو سمجھ میں آتی ہو۔ کارڈ تقسیم ہونے لگے۔

پریشانی کے عالم میں حامد صاحب نے عادل مدثر سے ملاقات کی۔ عادل پر سکون تھا۔

"تمام انتظامات مناسب ہیں چچا جان۔ کہیں کوئی کمی تو نہیں محسوس ہو رہی۔"

"نہیں عادل میاں۔ اللہ کا فضل ہے لیکن۔۔۔۔"

"جی فرمایئے۔"

"وعدہ کرو جو کچھ کہوں گا برا نہیں مانو گے؟"

"نہیں۔ فرمایئے۔"

"بہو بیگم۔۔۔۔وہ۔اس کی شخصیت۔ان کا انداز ہم لوگوں سے میل نہیں کھاتا۔"

"اس بات کا ولیمے سے کیا تعلق؟"

"تعلق ہے۔گھر تک کی بات اور تھی۔لیکن اب دوسرے لوگ بھی آئیں گے۔میں بھی اسی خاندان کا ایک فرد ہوں۔لوگ مجھے اس خاندان کے سرپرست کی حیثیت سے جانتے ہیں۔میری ہی نہیں مرحوم مدثر بھائی کی عزت کا بھی سوال ہے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں چچا جان؟"

"کچھ نہیں کہنا چاہتا بیٹے۔بس عزت سے ڈر رہا ہوں' تم نے جو کچھ کیا' اپنے لیے بھلا ہی سمجھ کر کیا ہوگا لیکن تمھاری عزت میرے لیے بھی بے حد قیمتی ہے۔یہ میری اور تمھاری نہیں بلکہ پورے خاندان کی عزت کا سوال ہے۔تمھیں اس سلسلے میں غور کرنا ہوگا عادل۔" حامد صاحب نے کہا۔

"خدا کی پناہ چچا جان۔میں پوچھتا ہوں۔ہماری عزت کو کیا ہو رہا ہے؟" عادل نے کسی قدر ترش لہجے میں کہا۔

"بہو بیگم کو کنٹرول کرنا ہوگا۔تم جو کچھ دیکھ رہے ہو' مجھے یقین ہے کہ تم خود اس کے عادی نہیں ہوگے۔" حامد صاحب نے کہا۔

"بہو بیگم مکمل طور پر کنٹرول میں ہیں۔کیا خرابی دیکھی ہے ان میں آپ نے؟"

"ان کے طریقے اور ان کا انداز کچھ عجیب سا ہے' ویسے تم نے ان کے اہل خاندان کو بھی دعوت بھیجی ہوگی۔کارڈ بھیجے ہیں' کتنے افراد آئیں گے وہاں سے؟"

"جی نہیں۔کوئی نہیں آئے گا۔میں نے کسی کو دعوت نہیں بھیجی۔"

"لیکن مجھ سے یہ سوال تو کیا جا سکتا ہے کہ بہو کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے؟"

"اس سوال کو آپ میری طرف منتقل کر دیجیے گا۔سوال کرنے والے کو میں جواب دے دوں گا۔" عادل نے کہا۔

"گویا میری حیثیت اب اس گھر میں ختم ہو چکی ہے۔"

"نہیں چچا جان' میری نگاہوں میں آپ کی وہی حیثیت ہے۔اب آپ اگر خواہ مخواہ اسے خطرے میں سمجھ رہے ہیں تو اس کا علاج میرے پاس نہیں ہے۔اور پھر چچا جان اب میں ان تمام پابندیوں کو قبول بھی نہیں کرتا۔مجھے ذہنی طور پر تباہ کر دیا گیا ہے۔میں اب آپ سے کھل کر کہنے میں بھی یہ عار محسوس نہیں کرتا کہ میں نے یورپ کی زندگی میں بھی صرف نجمہ کے تصور میں وقت کاٹا ہے۔آپ سمجھے تو ضرور ہوں گے کہ وہاں عورت اتنی اہمیت نہیں رکھتی' لیکن اس کے باوجود میں نے خود کو مشرقی رکھا تھا اور اس کی وجہ صرف نجمہ تھی' یہ آپ کا فرض تھا کہ میری امانت کا خیال رکھتے۔"

"جو ہونا تھا ہو چکا ہے عادل میاں۔میرا اس میں اتنا بڑا قصور نہیں تھا۔تم خدیجہ بیگم کی فطرت کے بارے میں اندازہ لگا سکتے ہو۔میری کوششیں ناکام رہیں۔میں نے بھی بہت کوشش کی تھی اس سلسلے میں لیکن وہ' مجھے معاف کرنا' میری بہن ہے۔لیکن تم سے الٹی بغض رکھتی تھی۔جو ہونا تھا وہ ہو گیا جو کچھ تم نے کرنا تھا' وہ بھی تم کر چکے ہو' لیکن عادل میاں تمھیں بھی یہیں رہنا ہے۔کروڑوں روپے کی جائیداد سنبھالنی ہے تمھیں' تمھارا مذاق اڑے گا تو مجھے خوشی نہیں ہوگی۔"

"کون اڑائے گا میرا مذاق' ہر شخص اپنی فطرت میں آزاد ہے۔میں ان تمام باتوں پر توجہ نہیں دینا چاہتا۔" عادل نے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسی تمھاری مرضی۔" میں اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں۔حامد صاحب نے کہا اور خاموش ہو گئے۔

ولیمے کا دن آ گیا۔کوٹھی کا عظیم الشان لان کرسیوں سے بھر گیا۔اور مہمانوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔بہو بیگم کے طور طریقے وہی تھے۔بیگم حامد نے ان سے درخواست کی تھی آج کا دن پان نہ کھائیں کم از کم مہمانوں کا خیال رکھیں۔ان کا یہ کہنا تھا کہ بہو بیگم ان پر الٹ پڑیں۔

"اے لو واہ۔ ساس صاحبہ دماغ درست ہے آپ کا؟ پان نہ کھاؤں گی تو جیوں گی کیسے۔ میں تو کھاؤں گی اور اسی طرح کھاؤں گی۔ کوئی روک سکتا ہے مجھے؟"

وہ اس طرح ہاتھ جھاڑ کر لڑنے مرنے پر آمادہ ہوگئیں کہ بیگم حامد کو واپسی میں ہی خیریت نظر آئی۔

بہرصورت مہمان آگئے اور جب دولہا دلہن محفل میں آئے تو حامد صاحب کا سر چکرا گیا۔

عادل تو ٹھیک ٹھاک لباس میں تھا۔ اس نے ایک خوبصورت سوٹ پہن رکھا تھا۔ لیکن بہو صاحبہ کا لباس خاصا عامیانہ تھا۔ اتنا بے تکلف میک اپ کیا ہوا تھا کہ عورت معلوم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

بیگمات نے حیران نگاہوں سے بہو بیگم کو دیکھا۔ ان کے طور طریقے دیکھے۔ جدید قسم کی محفل تھی' ہر چیز کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ضرورت سے زیادہ فیاض دلی اور فراخدلی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ لیکن بہو بیگم نے احمقانہ حرکات سے بیگمات کو ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر دیا۔ بذات خود وہ کسی کی ہنسی میں شریک نہیں ہو رہی تھیں۔ بلکہ حیرت سے وہ ایک ایک کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

ایک بہت ہی اچھے خاندان کی نوجوان لڑکی نے ان سے ان کے بارے میں سوال کر دیا۔

"آپ نے یہ میک اپ کرنا کہاں سے سیکھا؟"

"لو اپنی زندگی ہی گزر گئی میک اپ کرتے کرتے' کیوں تم ہنس کیوں رہی ہو؟" بہو بیگم نے ناک چڑھا کر پوچھا۔

"بس ایسے ہی۔ آپ کا غازہ اور لپ اسٹک ذرا بے جوڑ ہے۔"

"اے ہائے' آئی بے جوڑ کی بچی۔ ارے تو رئیس زادی ہوگی اپنے گھر کی۔ خبردار جو ایسی ویسی بات کی تو بتیسی نکال کر ہاتھ پر رکھ دوں گی۔ اے لو' خدا کی مار اس پر۔ میرا میک اپ بے جوڑ ہے اور خود جو خون پینے والی سرخی میں بسی بیٹھی ہے' تو کوئی بات نہیں۔"

"م' میرا۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"تو اور کیا مطلب تھا تیرا احمق کی بچی' نکل جا میری کوٹھی سے' ورنہ چوٹی پکڑ کر باہر نکلوا

دوں گی۔ میں جانتی ہوں کہ تم سب کی سب مجھے دیکھ کر ہنس رہی ہو۔ میرا مذاق اڑا رہی ہو۔ آئیں کہیں سے شریف زادیاں بن کر۔ ذرا اچھے کپڑے پہن لیے۔ موٹروں میں بیٹھ گئیں تو دماغ ہی ٹھکانے نہیں رہے۔ اے ہائے۔" بیگم صاحبہ جھلائے ہوئے انداز میں واپس اندر چلی گئیں۔

عورتیں چور سی بن گئی تھیں۔ پھر کچھ عورتوں نے ان باتوں کا شدید برا مناتے ہوئے واک آؤٹ کر دیا۔ عادل کو کسی بات کی پروا نہ تھی۔ ایک بزرگ نے حامد صاحب سے کہا۔

"بھئی حامد میاں ماشاء اللہ بہو تو کسی بہت ہی اچھے خاندان کی لائے ہو۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میری بیگم نے مجھے ایک واقعہ سنایا ہے۔ سنا ہے کہ عورتوں کو دس بیس گالیاں دینے کے بعد اندر چلی گئی ہیں۔" حامد میاں بے چارے منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

"ہم بھی جا رہے ہیں میاں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہو جاتا ہے ایسا اب کیا کہا جائے۔ مدثر صاحب کے بیٹے نے واقعی بڑی اچھی بہو کا انتظام کیا ہے۔ اگر خاندان کا پتا چل جاتا تو ذرا سکون ہو جاتا' ورنہ یہ ناز و انداز تو کہیں اور ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔"

حامد صاحب بے چارے کوئی جواب نہ دے سکے اور مرزا صاحب بکتے جھکتے رہے۔

پھر وہ تیز قدموں سے چلتے ہوئے اپنی کار کی طرف بڑھ گئے۔ جہاں ان کی بیٹیاں اور بیگم پہلے ہی بیٹھ چکی تھیں۔

محفل جاری رہی۔ بیگم صاحبہ کو بڑی مشکل سے واپس لے آیا گیا تھا۔ پاندان حسب معمول ساتھ تھا اور ہر پون گھنٹے یا آدھے گھنٹے کے بعد پان کی ایک گلوری ان کے منہ میں چلی جاتی تھی۔ وہ کچھ ایسے کروفر سے بیٹھی ہوئی تھیں کہ لوگوں کو دیکھ کر ہنسی آجاتی تھی۔ اس وقت بھی وہ ایک مسند پر پالتی مارے بیٹھی تھیں۔ حالانکہ بیٹھنے کا یہ انداز انتہائی عجیب تھا۔ لیکن وہ اس سے بے پروا نظر آتی تھی۔

عادل اپنے مہمانوں کے ساتھ خوش گپیاں کرنے میں مصروف تھا اس کے چہرے سے ذرا بھی اس بات کا احساس نہیں ہوتا تھا کہ اسے ان واقعات کی کوئی پروا ہے۔ پھر اس نے نجمہ کو

دیکھا۔ دبلے پتلے خوبصورت سے بدن کے آدمی کے ساتھ آئی تھی۔ اسے دیکھ کر عادل کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ وہ اپنی جگہ کھڑا خالی خالی نگاہوں سے مسعود اور نجمہ کو دیکھتا رہا۔ پھر آگے بڑھا اور ان کا استقبال کیا۔

"ہیلو مسعود صاحب' ہیلو نجمہ' کیسے مزاج ہیں آپ لوگوں کے؟"

"بالکل ٹھیک ہیں عادل صاحب' حیرت کی بات ہے کہ ہم لوگ اتنے قریبی عزیز ہیں' لیکن آپ کی آمد کے بعد سے اب ہم لوگوں کی ملاقات ہو رہی ہے۔" مسعود نے کہا۔

"حیرت نہیں' اسے آپ بدقسمتی کہیے۔ اپنے اتنے دور ہو گئے ہیں کہ بس کیا کہا جائے۔ کیوں نجمہ میں نے غلط تو نہیں کہا؟" عادل نے نجمہ کی طرف دیکھ کر پوچھا اور نجمہ منہ کھول کر رہ گئی۔

"مجھے تمھارے شوہر بے حد پسند آئے نجمہ۔ مسعود مجھے یقین ہے کہ آپ اس محفل کو اپنی ہی محفل سمجھیں گے۔ کوئی تکلف نہ کریں پلیز۔"

"ارے نہیں نہیں' عادل صاحب' میں تو بہت زیادہ محفلوں کا قائل ہوں۔ میں تو شرمندہ ہوں کہ آپ سے اب تک ملاقات نہ ہو سکی۔ لیکن بہر حال اب اس انداز کو میں بدل دوں گا۔" مسعود نے جواب دیا۔

"وعدہ؟" عادل نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں وعدہ۔" مسعود نے کہا۔

"دیکھتے ہیں آپ اپنا وعدہ کس طرح پورا کرتے ہیں' آیئے۔"

عادل احترام کے ساتھ انھیں مہمانوں کے درمیان لے گیا۔ نجمہ عورتوں میں پہنچ گئی تھی۔ بیگم عادل کو دیکھ کر اس کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔ لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ محفل جاری رہی۔ عادل نے مخصوص طور پر مسعود پر توجہ دی تھی اور چند ہی لمحوں کے بعد مسعود کو محسوس ہونے لگا کہ وہ اپنے ایک قریبی اور دیرینہ دوست کے ساتھ ہے۔ وہ عادل سے

بے حد متاثر ہوا تھا۔ لیکن نجمہ کی ذہنی کیفیت بہو کو دیکھ دیکھ کر خراب ہوتی جا رہی تھی۔ سب ہی کی بری حالت ہو رہی تھی۔ نجمہ نے ایک گوشے میں بیگم حامد کو پکڑ لیا۔

"ممانی جان' یہ۔۔۔۔ یہ بہو بیگم۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے یہ۔۔۔۔"

"ہاں بی بی' ہم سب کا ایک ہی مطلب ہے' لیکن اس کا کوئی جواب نہیں ہے ہمارے پاس۔"

"لیکن یہ کیسے ہوا؟ آخر یہ کون؟ کس خاندان کی ہیں؟ کیا ان کے عزیز و اقارب محفل میں شریک ہیں۔ ذرا مجھے ان کی شکل دکھایئے۔"

"کوئی نہیں ہے۔ تنہا ہی ہیں۔ پتا نہیں عادل میاں نے کب ان سے شادی کی' کہاں کی۔ ہمیں کچھ نہیں معلوم۔ بس ایک دن بہو بیگم کو لے کر گھر آ گئے۔ تمھاری اماں نے ہم سب کا ستیاناس کر دیا بیٹی' ایسی عجیب داستان ہے' سنو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔۔۔۔"

"چھوڑیں ممانی جان۔ میں تو حیران ہوں کہ عادل خوش نظر آ رہے ہیں اور یہ بات اور حیرانی کی ہے کہ شادی بھی ان کی پسند کی ہے۔"

"ہاں باتیں تو بہت ہی حیرانی کی ہیں لیکن اب کیا کیا جائے۔ جو ہونا تھا' ہو گیا۔" رات کو شراب نوشی کی نشست جمی' یہ انتظام ایک علیحدہ کمرے میں کیا گیا تھا۔ اس نشست میں بہو بیگم نے وہ قیامت ڈھائی کہ لوگ حیران رہ گئے تھے۔ وہ اس طرح پی رہی تھیں کہ مرد بے چارے ان کے سامنے نکو بن گئے۔

شراب نوشی کی اس محفل میں مجبوراً حامد میاں کو بھی شریک ہونا پڑا تھا کیونکہ شہر کے کچھ اور معززین بھی وہاں موجود تھے۔ حامد صاحب کے ان سے بڑے بڑے کاروباری تعلقات تھے۔ چنانچہ ان کی وجہ سے طوعاً و کرہاً یہاں رہنا پڑا تھا۔ لیکن جب بھی ان کی نگاہ بہو بیگم کی طرف اٹھتی' وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت رہ جاتے۔ پھر انھوں نے مجبوراً ہی عادل کو متوجہ کیا تھا۔

"عادل میاں خدا کے لیے اسے روکو۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"آخر کیوں چچا جان' آپ کو بیگم کا پینا ہی کیوں برا لگ رہا ہے یہاں کئی خاں بہادر' میاں اور لیڈیاں بھی تو پی رہی ہیں۔ وہ شیریں پورٹ اور نہ جانے کیا کیا اڑا رہی ہیں۔ اگر بیگم وہسکی لے رہی ہیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟ یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے چچا جان۔"

"عادل' عادل وہ بری طرح پی رہی ہے۔"

"تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" عادل نے شانے ہلا کر کہا۔ چند لمحات وہ سوچتا رہا' پھر بولا۔ "دیکھتا ہوں' روکنے کی کوشش کرتا ہوں انھیں۔" وہ آگے بڑھا اور بہو بیگم کے قریب پہنچ گیا۔

"بیگم اب ختم بھی کرو۔"

"ارے جی بھر کر پی لینے دو یار۔" وہ انگلی نچا کر بولی۔

"ہائے ہائے۔ ابھی کیسے بھر جائے گا جی۔ مورے نادان بالماں۔ ابھی تو پیاسے ہیں ہم۔ میرے بانکے سنوریا۔" وہ آہستہ آہستہ ترنگ میں آ کر گانے لگی۔ پینے والی عورتیں اور مرد سنبھل گئے تھے۔ بہو بیگم کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بہک گئی تھی' چنانچہ عادل نے اسے وہاں سے لے آنا ہی مناسب سمجھا۔ تمام لوگ حیرانی سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ پھر ایک بڑے صنعت کار نے حامد میاں سے کہا۔

"بہو بیگم پی کر بہک بھی جاتی ہیں؟" حامد صاحب بری طرح شرمندہ ہو گئے تھے۔ وہ گہری گہری سانسیں لے کر رہ گئے۔ بہر طور اس کے بعد بہو بیگم محفل میں نہیں آئی تھیں۔ عادل بھی چلا ہی گیا تھا۔ اس طرح یہ ولیمہ ختم ہوا۔ اور اس خاندان کے لیے ہمیشہ کے لیے رسوائی بن گیا تھا جس کی عادل کو ذرا بھی پروا نہیں تھی۔

حامد صاحب یوں اپنے کمرے میں منہ لٹکائے بیٹھے تھے جیسے ان کا سب کچھ لٹ گیا ہو۔ ابھی وہ بیٹھے ہوئے ہی تھے کہ مولوی ناظر پیچھے سے اندر پہنچ گیا۔

"ابا جان ہم بھی پئیں گے۔" اس نے شرمائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اور حامد صاحب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"ابے میں تجھے پلاؤں ابھی۔ گدھے کہیں کے کس نے کہہ دیا تجھ سے؟"

"وہ جی وہ عادل بھائی کہہ رہے تھے کہ کبھی چکھ کر تو دیکھو۔"

"اوہ' عادل' عادل جو کچھ کر رہا ہے مجھے علم ہے اس کا۔ وہ مجھ بے قصور کو تباہ کر رہا ہے۔ وہ مجھے اپنے انتقام کا نشانہ بنا رہا ہے۔ میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں۔"

نجمہ کا شوہر مسعود اختر کچھ اس طرح عادل سے متاثر ہوا تھا کہ وہ روزانہ اس سے ملاقات کے لیے جانے لگا۔ کبھی کبھی نجمہ بھی اس کے ساتھ آ جاتی تھی۔ اس کے دل پر خوف و دہشت بھی سوار رہتی تھی کہ کہیں عادل مسعود اختر کو کسی غلط فہمی کا شکار نہ بنا دے۔ اس احساس سے اس کا دل ہمیشہ لرزتا رہتا تھا' لیکن عادل نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ کم از کم اس نے اتنے ظرف کا ثبوت ضرور دیا تھا نجمہ جب بھی بہو بیگم سے ملتی تو اس کا دل دکھنے لگتا۔ یہ بدحواس سی عورت عادل کے قابل تو نہیں تھی۔ ایک ایک حرکت ایسی بازاری قسم کی تھی کہ نا قابل برداشت ہو جائے۔ اس نے کئی بار بہو بیگم سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

ویسے بھی بہو بیگم بہت تنک چڑھی تھیں۔ ایک دو باتوں کے جواب کے بعد ان کا پارہ چڑھ جاتا۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ وہ نجمہ کو بیٹھا ہوا چھوڑ کر اپنے کمرے میں جا گھسیں اور پھر واپس ہی نہیں آئیں۔

اس طرح نجمہ نے آنا جانا ذرا کم ہی رکھا تھا۔ لیکن مسعود اختر عادل سے نہ جانے کیوں اتنا متاثر ہوا تھا کہ وہ روز ہی اس سے ملنے چلا جاتا تھا۔ عادل کا رویہ بھی اس کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ ایک شام ایک انتہائی ہولناک حادثہ پیش آ گیا۔

عادل نے حسب معمول مسعود کو اس کے دفتر ٹیلی فون کیا تھا اور کہا تھا کہ آج وہ ذرا دیر سے کوٹھی واپس آئے گا۔ اس لیے مسعود ساڑھے سات بجے تک اس کے پاس پہنچے۔ مسعود ٹھیک آٹھ بجے اس کی کوٹھی میں داخل ہوا تھا۔ چاروں طرف تاریکی پھیل گئی تھی۔ اپنی کار سے

اترنے کے بعد تقریباً پندرہ یا بیس گز کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ وہ کوٹھی کے صدر دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ دفعتاً کسی خوفناک بلا نے اس پر جھپٹا مارا۔ دوسرے لمحے اس کا نرخرہ خوفناک بلا کے دانتوں میں تھا۔ مسعود نے انتہائی جدوجہد کی لیکن قدآور کتا اس پر پوری طرح چھا گیا تھا۔ نجانے کیوں اس نے مسعود پر حملہ کر دیا تھا اور نہ جانے کس طرح اس کی وہ زنجیر کھل گئی تھی جس میں وہ ہر وقت بندھا رہتا تھا۔ ذرا سی دیر میں اس نے مسعود کا نرخرہ ادھیڑ کر رکھ دیا۔ مسعود کی دل خراش چیخوں کی آواز سن کر ملازم اکٹھے ہو گئے تھے۔ لیکن اس کتے کو قابو میں کرنا ان کے بس میں نہ تھا۔ حامد صاحب گھر میں موجود تھے۔ انھوں نے جب یہ شور ہنگامہ سنا تو وہ بھی آ گئے تھے اور پھر اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا کہ مسعود کے نرخرے کو دبائے ہوئے کتے کے گولی مار دی جائے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ رائفل کی دو گولیوں نے کتے کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ عادل بھی پہنچ گیا تھا اور اس حیرت انگیز واقعے پر حیران نظر آ رہا تھا۔

مسعود کو فوراً ہی ہسپتال لے جایا گیا لیکن اس نے راستے میں ہی دم توڑ دیا۔ کتے نے اس کا نرخرہ چبا ڈالا تھا۔ یہ ایک ایسا عجیب و غریب واقعہ تھا کہ تمام لوگ دہشت زدہ ہو کر رہ گئے تھے۔ مسعود کی موت کی خبر آن کی آن میں پورے خاندان میں پھیل گئی۔

خدیجہ بیگم نے سنا تو سینہ کوٹ لیا۔ طویل عرصے کے بعد سوتیلے بھائی کے گھر پہنچیں لیکن بین کرتی ہوئیں اور سب کو کوستی ہوئی۔ ان کا خیال تھا کہ کتا مسعود پر چھوڑا گیا ہے اور یہ خیال اگر گھر تک ہی محدود رہتا تو شاید بات اس قدر نہ بگڑنے پاتی۔ لیکن جب پولیس کا معاملہ آیا تو انھوں نے کھل کر یہ بیان دے دیا کہ کتا عادل کا تھا اور عادل مسعود کا دشمن تھا۔

پولیس نے تحقیقات کیں۔ ایک افسر اعلیٰ کو اس تحقیقات کے لیے متعین کیا گیا تھا۔ تمام شواہد جمع کیے گئے۔ عادل نے اس سلسلے میں خاموشی اختیار کر لی تھی۔ مسعود کی موت سے وہ بھی مضمحل سا نظر آ رہا تھا۔ لیکن خدیجہ بیگم کے لگائے ہوئے الزام میں بڑا وزن تھا۔ انھوں نے باقاعدہ بیان دیا جس میں یہ تذکرہ بھی کیا گیا کہ عادل نجمہ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور خدیجہ بیگم

نے یہ شادی منظور نہیں کی تھی۔ یورپ سے واپسی پر بھی عادل ان کے پاس آیا تھا اس نے غم و غصے کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد اس نے خصوصی طور پر مسعود اور نجمہ سے پینگیں بڑھائیں اور انھیں اپنی کوٹھی پر مدعو کیا۔ اس کے بعد اس نے مسعود سے اس طرح لگاوٹ کا اظہار کیا کہ مسعود اس کے پاس آنے جانے لگا۔ اور بالآخر اس نے ایک دن مسعود کو ختم کر دیا۔ اس نے نجمہ کو بیوہ کر کے اپنا انتقام لیا۔ خدیجہ بیگم کا بیان بڑی اہمیت رکھتا تھا اور پولیس ان لائنوں پر سوچنے لگی تھی۔ تحقیقات کے دوران وہ زنجیر بھی پولیس کے ہاتھ لگ گئی جس سے کتا بندھا ہوا تھا۔ زنجیر کی ایک کڑی ریتی سے کاٹ دی گئی تھی اور وہ اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ اگر طاقتور کتا جوش کے عالم میں زور لگائے تو وہ ٹوٹ جائے۔

"یہ تمام شواہد عادل ہی کے خلاف جاتے تھے۔ پولیس آفیسر نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ افسر اعلیٰ کو پیش کر دی گئی۔ معاملہ چونکہ ایک بہت بڑے آدمی کا تھا اس لیے بڑے بڑے اعلیٰ پولیس افسر اس کیس میں حصہ لے رہے تھے۔ نتیجے میں عادل کو مسعود اختر کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ اور اس حادثے کو حادثہ نہیں بلکہ باقاعدہ پلاننگ کے تحت قتل قرار دیا گیا۔

عادل نے اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہا تھا۔ اس کو ایک دم چپ سی لگ گئی تھی۔ نجانے اس کے دل پر کیا بیت رہی تھی۔ حامد صاحب کی اپنی پوزیشن بھی بڑی عجیب سی ہو گئی تھی۔ خدیجہ بیگم نے انھیں بھی نہیں چھوڑا تھا۔ وہ سب سے یہی کہتی پھر رہی تھیں کہ یہ سب ملی بھگت ہے۔ حامد میرے سگے بھائی ضرور ہیں لیکن وہ شروع ہی سے وہ ان کے ساتھ تھے اور میرے دشمن تھے۔ بہر طور حامد صاحب اپنے طور پر عادل کی گلوخلاصی کے لیے کوشش کرتے رہے لیکن ان شواہد کو کیا کرتے جو سراسر عادل کے خلاف جاتے تھے۔ ان کی اپنی پوزیشن بھی بڑی نازک ہو گئی تھی۔ چنانچہ مجبور ہو کر وہ اپنے تعلقات کو کام میں لانے لگے۔ ڈی آئی جی آفتاب احمد صاحب سے ان کے خصوصی مراسم تھے۔ چنانچہ ایک شام وہ ان کی کوٹھی پہنچ گئے۔ آفتاب احمد صاحب نے پرخلوص انداز میں ان کا استقبال کیا تھا۔ حامد صاحب ان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔

"آفتاب بھائی ایک پریشان حال انسان کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ خدا کے لیے میری مدد کیجیے۔"

"کیا بات ہے حامد خیریت تو ہے؟"

"عادل کا کیس آپ کے علم میں ہے؟"

"اوہ ہاں۔ واقعی تم اس سلسلے میں پریشان ہو گے۔ مجھے اندازہ تھا میں تمام تفصیلات سن چکا ہوں۔ مجھ تک پہنچ چکی ہیں یہ تفصیلات۔"

"آفتاب بھائی مجھے بتایئے اس سلسلے میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں سخت مشکل کا شکار ہو گیا ہوں۔"

"بھئی حالات یہ بتاتے ہیں کہ عادل نے واقعی یہ حرکت کر ہی ڈالی ہے۔ اسی کا کتا تھا اس کا تربیت یافتہ اور پھر زنجیر کی وہ کڑی بھلا اور کون ایسا ہے جسے مسعود سے پرخاش ہو سکتی تھی سوائے عادل کے۔ آپ کی بہن کا بیان بھی سراسر اس کے خلاف جاتا ہے۔"

"کیا عادل نے اقرار جرم کیا ہے؟" حامد صاحب نے پوچھا۔

"ابھی تک نہیں پولیس ابھی اس سے معلومات حاصل کر رہی ہے۔ حوالات میں وہ گم سم سا رہتا ہے۔ میں خود ایک بار اس سے مل چکا ہوں۔" آفتاب احمد نے کہا۔

"تو آفتاب بھائی اب بتایئے۔" میں کیا کروں؟"

"دیکھیں حامد صاحب' اگر عادل نے قتل کیا ہے تو قانون اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر آپ کو اس میں کوئی شبہ ہے تو پہلے آپ عادل سے بات کریں۔ اس سے معلوم کریں کہ اس نے قتل کیا ہے یا نہیں۔ اگر وہ اقرار کر لیتا ہے تو پھر ہمارے پاس کچھ نہیں رہ جاتا' لیکن اگر آپ کو اس کے انکار پر یقین ہو جائے تو اس سلسلے میں تحقیقات کے رخ بدلے جا سکتے ہیں۔" آفتاب احمد صاحب نے کہا۔

"آپ اپنی موجودگی میں مجھے عادل سے ملوایئے۔ ممکن ہے میں اس سے کچھ معلومات

حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکوں۔"

"ایک بات اور بتایئے ذرا۔ یہ عادل کی بیگم کیا چیز ہے؟ اس دن ولیمے میں میں نے انھیں دیکھا تھا' بڑی عجیب و غریب عورت تھی۔ کسی صورت سے کوئی شریف عورت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اس کے چہرے اور انداز سے بازاری پن جھلک رہا تھا۔

"ہاں۔ بس اس خاندان کی بدنصیبی ہے اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ وہ کون ہے؟ عادل نے اسے کہاں سے حاصل کیا؟ یہ سب کچھ صیغۂ راز میں ہے۔ مجھے اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔"

"عادل کو کسی طرح زبان کھولنے پر مجبور کر سکتے ہیں آپ؟" آفتاب احمد صاحب نے پوچھا۔

"ایک بار ذرا اس سے ملاقات کرا دیجیے میری۔"

"تو پھر ٹھیک ہے' میں اسے یہیں بلوائے لیتا ہوں۔ آپ میرے سامنے اس سے گفتگو کریں۔" ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔

پھر انھوں نے متعلقہ محکموں کو ہدایت کی اور تھوڑی دیر کے بعد عادل کو وہاں پہنچا دیا گیا۔ عادل بدستور مضمحل اور پریشان تھا۔ ڈی آئی جی آفتاب احمد نے اس سے بڑی محبت سے گفتگو کی۔

"دیکھو عادل میاں الزامات تو لگائے ہی جاتے رہتے ہیں۔ لوگ اپنا جرم چھپانے کے لیے کسی نہ کسی کو ملوث کرنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں اور بعض اوقات ایسے شواہد پیدا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ الزام صحیح محسوس ہونے لگتے ہے۔ لیکن میں اس وقت ایک ڈی آئی جی کی حیثیت سے نہیں' بلکہ تمھارے ایک بزرگ کی حیثیت سے تم سے یہ سوال کر رہا ہوں' مجھے جواب دو۔ کیا قتل تم نے کیا ہے؟"

"کیا میرا جواب میری بے گناہی ثابت کر دے گا؟" عادل نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"کوشش کی جائے گی۔ وعدہ کیا جاتا ہے اس سلسلے میں انتہائی مخلصانہ طور پر کوشش کی

جائے گی۔"

"تو سنیے میں کبھی بہت زیادہ مہذب کا قائل نہیں رہا۔ خدائے قدوس کی قسم میں نے مسعود کو قتل نہیں کیا نہ ہی میرے ذہن میں اس کے لیے کوئی ایسا منصوبہ تھا۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گا۔ یہ سب کیسے ہوا؟ کس نے کیا؟ میں اس سے لاعلم ہوں۔" عادل نے جواب دیا اور ڈی آئی جی صاحب گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔ پھر انھوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے عادل اس کے علاوہ تم سے اور کچھ نہیں کہا جائے گا۔ بہرطور اطمینان رکھنا۔ ہم لوگ پوری پوری کوشش کریں گے۔۔۔" آفتاب احمد صاحب نے عادل کو واپس روانہ کر دیا۔ حامد صاحب ان کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔

"اب آپ اس سلسلے میں کیا کر رہے ہیں آفتاب بھائی۔ میں درحقیقت جتنا پریشان ہوں اُس کا اندازہ آپ نہیں لگا سکتے۔"

"لگا سکتا ہوں میرے دوست۔ میں ایک مشورہ بھی دینا چاہتا ہوں تمھیں۔"

"جی۔ جی۔ فرمائیے۔"

"پولیس تو اس سلسلے میں جو معلومات حاصل کر رہی ہے وہ تو کرے گی ہی۔ اگر تم مناسب سمجھو تو میں تمھیں چند ایسے لوگوں کا پتا دے سکتا ہوں جو تمھارے بہترین مددگار ثابت ہوں گے۔"

"ضرور ضرور کون ہیں وہ؟"

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ اس ادارے نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ انتہائی حیرت انگیز ہے۔ تم ان سے رابطہ قائم کرو اُن سے کہو کہ وہ اس سلسلے میں تمھاری مدد کریں۔ اگر تم چاہو تو میرا حوالہ بھی دے سکتے ہو۔ سعدی اور ظفری ہیں اس ادارے کے سربراہ۔ وہ یقیناً تمھارے لیے بہترین آدمی ثابت ہوں گے۔"

"آج تو ممکن نہیں ہے۔ کل صبح دن میں تم ان کے دفتر پہنچ جانا۔ میں تمھیں ان کا پتا دیے دیتا ہوں۔" آفتاب احمد صاحب نے کہا اور پھر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا پتا ان کو دے دیا۔

بعد میں ان لوگوں کو علم ہوا کہ مطلق صاحب نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ میں شمولیت کی بات سرسری طور پر نہیں کی تھی۔ دوسرے دن ہی وہ ڈیوٹی پر پہنچ گئے تھے اور اس کے بعد سے بڑی باقاعدگی سے دفتر آ رہے تھے اور یہ بھی حقیقت تھی کہ انھوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جو ان لوگوں کو کسی طور پر گراں گزرتی۔

حامد احسان جس وقت ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پہنچے تو مطلق صاحب بھی ان لوگوں کے نزدیک ہی موجود تھے۔ ان کے سامنے ہی اس کیس کی تفصیلات سعدی' ظفری کے سامنے لائی گئیں۔ سعدی نے یہ کیس لے لیا تھا۔ حامد احسان صاحب نے فوراً ہی ان کی فیس بھی ادا کر دی۔ تھی اور بڑی عاجزی سے درخواست کی تھی کہ وہ فوری طور پر اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھائیں۔

"آپ مطمئن رہیے۔ ہم بہت جلد ٹیلی فون پر رابطہ قائم کر کے آپ کو اپنی کارکردگی کے آغاز سے مطلع کر دیں گے۔" سعدی نے کہا اور اس کے بعد ان لوگوں نے حامد احسان کو رخصت کر دیا۔ مطلق صاحب سنجیدہ سی شکل بنائے بیٹھے ہوئے تھے۔

"کیا خیال ہے آپ کا مطلق صاحب ان معاملات کے سلسلے میں؟"

"بھئی ابھی میرا خیال نہ پوچھو ابھی میں نے اس لائن کی ابتداء کی ہے۔ لیک میری درخواست ہے کہ تم لوگ کیس میں مجھے بھی براہ راست شریک رکھو۔"

"ہاں۔ ہمیں اس پر اعتراض نہیں ہے۔" سعدی نے جواب دیا پھر وہ تینوں آپس میں مشورے کرنے لگے۔ اس کے بعد سعدی نے کہا۔

"بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں ڈی آئی جی صاحب سے گفتگو کر لی جائے۔ چونکہ یہ کیس انھوں نے ہمارے پاس بھیجا ہے اس لیے وہ یقیناً ہماری مدد بھی کریں گے۔" ڈی آئی جی آفتاب احمد نے ان لوگوں کو شام کی چائے پر اپنے ہاں دعوت دے دی تھی۔ سعدی ظفری اور شکیلہ کے

ساتھ مطلق صاحب بھی موجود تھے۔ چاروں افراد کا ڈی آئی جی صاحب نے مخلصانہ استقبال کیا۔
چائے کے دوران یہ موضوع چھڑ گیا تو ڈی آئی جی صاحب کہنے لگے۔

"صورت حال کچھ سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ بیشار شواہد ایسے ہیں جو عادل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ضدی طبیعت کا انسان ہے اس سلسلے میں جو کردار اس کے اردگرد بکھرے ہوئے ہیں میں تمھیں ان کی تفصیل بتا دوں۔" ڈی آئی جی صاحب نے کہا اور پھر عادل کے خاندانی پس منظر کے بارے میں تفصیلات بتانے لگے۔ انھوں نے حامد صاحب، پھوپھی خدیجہ بیگم اور دوسرے لوگوں کے بارے میں مکمل تفصیلات بتائیں آخر میں بولے۔

"میں نے محکمۂ پولیس میں طویل زندگی گزاری ہے، انسان شناسی کا دعویٰ بھی رکھتا ہوں۔ عادل بیحد ضدی طبیعت کا انسان ہے لیکن اس قتل میں اس کا ہاتھ نہیں ہے۔ یورپ کی زندگی میں جرائم بھی بہت ایڈوانس ہیں۔ وہ اگر مسعود اختر کو قتل کرنا چاہتا تو ایسا طریقہ کبھی استعمال نہ کرتا جس سے شبہ صاف طور پر اسی پر ہو جاتا۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔ لیکن اس سلسلے میں تو بہت سے افراد مشکوک ہیں۔" سعدی نے کہا۔

"ہاں، میں اس بارے میں تمھاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔"

"نمبر ایک، حامد صاحب بذات خود بھی اس سلسلے میں ملوث ہو سکتے ہیں۔ معاملہ واقعی ایک عظیم الشان جائیداد اور کروڑوں روپے کی دولت کا ہے۔ وہ خود بھی ایک بیٹے کے باپ ہیں اور ساری جائیداد اور دولت ان کے کنٹرول میں ہے۔ کسی وقت بھی عادل مدثر ان سے ان کے اختیارات چھین سکتا ہے۔ تمام صورت حال سے وہ واقف تھے۔ جانتے تھے کہ عادل نجمہ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور شادی نہ ہونے سے بہت بد دل تھا اتنا کہ کوئی سخت قدم بھی اٹھا سکتا تھا۔ انھوں نے اس بات سے فائدہ اٹھایا۔ عادل کو براہ راست قتل کرنے کے بجائے یہ قدم اٹھایا۔ عادل اگر راستے سے ہٹ گیا تو پھر دولت ان کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی ہے۔"

"اوہ۔ تمھارا خیال ہے کہ بعد کی ساری کوششیں صرف ایک ڈرامہ ہیں؟" ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔

"ہم اس خیال کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔"

"ہرگز نہیں کر سکتے۔ بہت عمدہ سوچنے لگے ہو سعدی۔ نکھرتے جا رہے ہو اپنے فن میں۔ دوسری مشکوک شخصیت کون سی ہو سکتی ہے؟"

"عادل کی وہ نئی نویلی بیوی جس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم۔ عادل کی بیوی ہے، اس کے بعد اس کی کل جائیداد کی مالک۔"

"ہاں۔ یہ دلیل بھی ٹھوس ہے۔ اور کوئی؟"

"مولوی ناظر۔ ممکن ہے حامد صاحب کو اس بارے میں معلوم ہی نہ ہو۔"

"ویری گڈ۔ سعدی بس کافی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اصلیت تلاش کر لو گے۔ اس سلسلے میں پہلا قدم کیا کرو گے؟"

"کسی طرح مجھے اس عمارت تک پہنچا دیجیے۔"

"میں ابھی حامد صاحب سے بات کیے لیتا ہوں۔" ڈی آئی جی نے کہا اور فون سامنے کھسکا لیا۔

حامد صاحب نے سب لوگوں سے اس کا تعارف کرایا تھا۔ یہ میرے انتہائی عزیز دوست احمد سلیم ہیں اور یہ ان کے بہو بیٹے۔ مسٹر اور مسز فراز۔ افسوس کہ اس موقعے پر آئے ہیں کہ ہم ان کی کوئی خدمت بھی نہیں کر سکتے لیکن اس کے باوجود انھیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔" حامد صاحب نے کہا۔

مطلق صاحب کو نیچے ایک کمرہ دیا گیا تھا اور ظفری اور شکیلہ دوسری منزل پر ایک پرتکلف بیڈروم دے دیا گیا تھا۔ سب لوگوں سے تعارف ہو گیا تھا اور اب کوئی مشکل نہیں تھی۔

رات کے کھانے کے بعد حامد صاحب نے اپنے دوست احمد سلیم کو اس حادثے کے بارے میں بتایا

جوان لوگوں کو پیش آیا تھا۔

احمد سلیم نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا۔ ''بڑا غم ہوا حامد میاں ایسے مناسب وقت میں ہم لوگ یہاں آئے۔ ہم تمھارے اور سب کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔''

''کوئی بات نہیں بس عادل کے لیے دعا کریں سلیم بھائی۔''

نو واردوں نے دعا کے ساتھ ساتھ دوا بھی شروع کر دی۔ ظفری بہو بیگم کی دلجوئی کر رہا تھا۔ اس نے اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے بہو بیگم کو متاثر کر لیا تھا۔ بہو بیگم ابتداء میں تو بند بند رہیں۔ لیکن کھلیں تو ایسی کھلیں کہ ظفری کو لطف ہی آ گیا۔ ظفری ایک شام ان کی خواب گاہ میں ان سے اظہار ہمدردی کر رہا تھا کہ پھوٹ پڑیں۔

''ہائے بھاڑ میں جائے مائی ملا۔ فراز جان تم مجھے یہاں سے لے کر بھاگ جاؤ۔ بھاگ چلو بالم ورنہ میں مر جاؤں گی۔ ہائے میں تو پھنس گئی یہاں پر آ کر۔''

''کیوں پھنس گئیں۔ عادل سے شادی کر کے تم بہت بڑی دولت کی مالک بن گئی ہو۔ سنا ہے تم دونوں ایک دوسرے کو بہت پیار کرتے تھے۔''

''جھاڑو پھرے ایسے پیار پر۔ بیس ہزار روپے دیے تھے اس نے میری ماں کو۔ تین مہینے کے لیے بیوی بنا کر لایا ہے۔ ہائے میرے مولا مجھے بچا لے۔ اے فراز جان مجھے لے کر نکل چلو۔ وہ سور جیل چلا گیا ہے اور یہاں میں سولی پر لٹکی ہوئی ہوں۔ پولیس بار بار آتی ہے۔ کسی نے پہچان لیا تو میں تو ماری گئی۔''

''بیس ہزار تمھاری ماں کو دیے تھے عادل نے؟'' ظفری نے تعجب سے پوچھا۔

''ہائے ذکر نہ کرو۔ جان نہ جلاؤ۔ کہتا تھا راج کراؤں گا تین مہینے تک۔ کرائے کی بیوی بن جاؤ۔ لوگوں کو بے وقوف بنانا ہے۔ خود جیل چلا گیا۔''

''تمھاری ماں کہاں رہتی ہیں؟''

''غلام پور کے بالا خانے کے ہیں ہم لوگ۔ میرا اصلی نام لالہ جان ہے۔ اس نے لالہ

رخ رکھ دیا ہے۔''

''فکر نہ کرو لالہ جان' میں تمھارے ساتھ ہوں۔ لیکن خود کو سنبھالو۔ اگر میری بیوی کو پتا چل گیا تو مصیبت آ جائے گی۔''

''ایسا نہ کہو میاں۔ ہم بہت بھولے ہیں لیکن ان معاملوں میں ہزار آنکھیں رکھتے ہیں۔ وہ ستی ساوتری آنکھ مٹکا کر رہی ہے اس داڑھی مرچنٹ سے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔'' بہو بیگم نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا۔

''کون داڑھی مرچنٹ؟''

''ارے وہی ہوا کیا نام ہے اس کا ناظر ہے کہ ناصر ہے لوگ باگ نام بھی تو ایسے ہی رکھ لیتے ہیں۔'' بہو بیگم نے کہا اور ظفری کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے لیکن دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا وہ سمجھ گیا تھا کہ یہاں آمد تفریحاً نہیں تھی شکیلہ نے بھی اپنا کام شروع کر دیا ہے۔

اور یہ حقیقت تھی کہ شکیلہ نے مولوی ناظر کا ایمان خراب کر کے رکھ دیا تھا ایسے ہتھکنڈوں سے تو وہ بخوبی واقف تھی کافی تیز و چالاک لڑکی تھی۔ مولوی ناظر چونکہ ان لوگ کی نگاہوں میں مشکوک حیثیت رکھتا تھا اس لیے پہلے ہی دن سے شکیلہ نے اسے اپنا شکار منتخب کر لیا تھا اور اس کے بعد اس نے ایسی ایسی چالوں سے مولوی ناظر کو اپنی طرف متوجہ کیا کہ مولوی ناظر اپنا تمام زہد و تقویٰ کھو بیٹھا وہ بری طرح شکیلہ کے جال میں جکڑا جا چکا تھا اور اب تو راتوں کو چھپ چھپ کر ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں کبھی پائیں باغ میں کبھی چھت پر اور کبھی مولوی ناظر کے کمرے میں شکیلہ جیسی زیرک لڑکی اس احمق سے آدمی کسی جال میں نہیں پھنس سکی تھی مولوی ناظر کی تو اتنی ہمت بھی نہیں ہوتی تھی کہ وہ شکیلہ کے نزدیک ہی بیٹھ سکتا۔

لیکن شکیلہ نے بڑے بڑے گر استعمال کر کے مولوی ناظر سے تمام کچا چٹھا کھلوا لیا تھا۔

اور اس نے اپنے تجربے کی بنا پر فیصلہ کر لیا تھا کہ کم از کم مولوی ناظر کسی کو قتل نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ

ایسی گہری چالیں سوچ سکتا ہے۔

چنانچہ وہ تقریباً اپنا کام ختم کر چکی تھی۔ رات ظفری جب اپنی خوابگاہ میں داخل ہوا تو شکیلہ حسب معمول بیڈ پر دراز کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی۔

"بھئی بیگم تمھارا یہ عدم التفات ہمیں تو تباہ کر دے گا۔" ظفری نے گہری سانس لے کر سینے پر پھونکیں مارتے ہوئے کہا۔

"دماغ میں کوئی خرابی ہو گئی ہے تو اسے خود بخود ٹھیک کر لو مجھے تکلیف دینے سے کیا فائدہ؟" شکیلہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"کمال کی بات ہے ایک تو ہم جیسا صبر والا شوہر دیکھو کتنے دن ہو گئے اس تنہائی میں ایک خوابگاہ میں سوتے ہیں اور۔ اور۔۔۔"

"ظفری بالکل مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں کچھ نہیں برداشت کروں گی سمجھے۔" شکیلہ نے نزدیک رکھا ہوا گالدان اٹھالیا۔

"ارے واہ۔ وہ مولوی ناظر سے جو عشق ہو رہا ہے تو اس کی کوئی سند بھی نہیں ہم نے اس لیے نکاح کیا تھا تم سے بیگم اس لیے تم ہماری زندگی میں داخل ہوئی تھیں۔ یعنی اقرار کیا ہم سے وفادار رہنے کا اور مسل بیٹھیں اس بندر سے۔"

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ تم یہاں خاصی محنت کر رہے ہو۔"

"کیا پتہ مولوی ناظر سے؟"

"پہلے یہ بتاؤ تمھیں کیسے پتہ چلا اس بات کا۔۔۔؟"۔

"نہ پوچھ بڑے دلچسپ معرکے ہوئے ہیں بہو بیگم سے۔"

"اوہو۔ بھئی اب تم سے کیا چھپانا دراصل وہ مجھے کافی پسند آ گئی ہیں اور پھر آج کل ان کا شوہر بھی جیل میں ہے میں نے سوچا ان کی تنہائی ہی دور کر دوں۔"

"ہوں۔ ہوں کیا فیصلہ کیا تم نے ان کے بارے میں؟"

"کمال کی چیز ہیں بھئی وہ تو کہیں بالاخانے سے لائی گئی ہیں تین ماہ کے لیے بیس ہزار روپے کرایہ تھا ان کا اس بیس ہزار روپے کا ملال کر رہی ہیں"

"کک۔ کیا مطلب وہ۔ وہ میرا مطلب ہے کہ وہ عادل کی بیوی نہیں ہیں؟"

"نہیں یہ عادل بھی ذرا جینئس قسم کی چیز معلوم ہوتا ہے نجمہ کا کیس تمھارے سامنے ہی چکا ہے یوں لگتا ہے جیسے جلا کر اس نے یہ حرکت کر ڈالی ہے اور یقیناً یہ حرکت حامد صاحب کے خلاف ہی ہوگی وہ اس طرح ان لوگوں کو تنگ کر کے شدید ذہنی تسکین حاصل کر رہا ہے۔"

"ہوں۔ یہ کرائے کی بیگم ہیں؟"

"یقیناً ویسے غضب کی چیز ہے کہنے لگی میرے بالم مجھے لے کر یہاں سے کہیں بھاگ چلو۔"

"تم سے کہنے لگی۔" شکیلہ ہنس پڑی۔

"ہاں۔ ہاں بھئی تم کیا سمجھتی ہو۔' ایک تم قبضے میں نہ آئیں تو تمھارا کیا خیال ہے کہ دوسری لڑکیاں بھی مجھے لفٹ نہ دیتی ہوں گی ارے سمن آراہ ہدایت پور سے پوچھو کیا ہے اس کے دل میں۔"

"ہاں۔ ہاں سب جانتی ہوں سب جانتی ہوں بس آگے بڑھو۔"

"آگے کچھ نہیں بس میں نے جب اس سے کہا کہ بی بی بیوی والا ہوں کیسے میرا تمھارا معاملہ چل سکتا ہے تو بڑے حقارت آمیز لہجے میں بولیں۔ کہ اپنی بیوی کو دیکھنا ہے تو ذرا مولوی ناظر کے کمرے میں جھانک کر دیکھ لینا بس میں غصے سے آگ بگولہ ہو گیا۔"

"مولوی ناظر بھی کھوکا ہے کھوکا سمجھتی ہو؟"

"ہاں کس حد تک۔ تمھاری بگڑی ہوئی زبان سے اکثر سنتا رہتا ہوں۔"

"بہر طور جو کچھ بھی ہے مولوی ناظر اس سلسلے مین بالکل ملوث نہیں ہے۔ واقعی گاؤدی ہے میں اپنے تمام تر تجربے کی بنیاد پر کہہ سکتی ہوں۔"

''غیر مردوں کے بارے میں تمھارا تجربہ تو کچھ بھی نہیں ہے تم کیا جانو کہ ہم لوگ کیا کرتے ہیں۔''

''بس، بس فضول باتوں سے گریز کرو اب یہ بتاؤ کہ اس تیسری شخصیت کے لیے کیا کیا جائے میرا خیال ہے اس سلسلے میں مطلق صاحب کارآمد ہو سکتے ہیں برابر کی عمر کے آدمی ہیں حامد صاحب کو وہی ٹٹول سکتے ہیں۔''

''مطلق صاحب۔'' ظفری نے کسی قدر الجھے ہوئے انداز میں کہا۔ پھر بولا۔

''ابھی وہ نئے ہیں ہماری فیلڈ میں میرا خیال ہے انھیں ٹرینڈ کرنے میں وقت لگے گا۔ حامد احسان اگر اتنا ہی چالاک آدمی ہے تو اسے ٹٹولنا معمولی بات نہیں ہوگی نہیں شکیلہ ہم یہ رسک نہیں لے سکتے حامد احسان کے بارے میں کچھ اور ہی سوچنا ہوگا۔''

''پھر بھی کل مطلق صاحب سے گفتگو کرکے تو دیکھا جائے کہ انھوں نے اس سلسلے میں کیا کیا ہے ویسے انھیں یہ ہدایت کر دیں گے کہ وہ حامد صاحب کو تھوڑا بہت ٹٹول کر دیکھیں۔''

''کہہ دینا ویسے مجھے اس کی امید نہیں ہے کہ وہ کارآمد ثابت ہوں گے۔'' کیا خیال ہے میں ذرا ان کا جائزہ لے لوں؟''

''ابھی۔۔'' شکیلہ نے پوچھا۔

''ہاں۔ کیا حرج ہے نچلی منزل پر جانا پڑے گا میرا خیال ہے ہم پر ایسی کوئی پابندی بھی نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے یہیں بلا لاؤ۔'' شکیلہ بولی اور ظفری کمرے سے باہر نکل گیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس نے اطلاع دی تھی کہ مطلق صاحب اپنے کمرے میں موجود نہیں ہیں۔

''ارے۔ کہاں گئے!''

''خدا معلوم۔ ویسے میں نے باہر جا کر ایک دو ملازموں سے بھی پوچھ لیا ہے کسی کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔''

''کیا بھاگ گئے گھبرا کر حالانکہ ایسی کوئی بات تو نہیں تھی۔''

''اب یہ تو صبح ہی معلوم ہو سکے گا۔''

دوسری صبح سب سے پہلا کام یہی کیا گیا کہ مطلق صاحب کو ان کے کمرے میں دیکھا جائے وہ آرام سے غسل کر کے باہر آ رہے تھے۔

''خیریت مطلق صاحب۔''

''ارے ارے باپ سے اس طرح گفتگو کرتے ہو میاں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں ذرا ہوشیار رہو۔ مطلق صاحب نے کہا۔

''ٹھیک ہے ناشتے کے بعد آپ کا کوئی پروگرام تو نہیں ہے۔'' ظفری نے پوچھا۔

''نہیں بھئی بھلا ہمارا یہاں کیا پروگرام۔ پہلے ہی تمھیں حلف دے چکے ہیں کہ یہاں شعر و شاعری کا چکر بالکل نہیں چلے گا۔ ویسے دل تو چاہتا تھا کہ حامد صاحب کو کچھ اشعار سنائے جائیں باذوق آدمی معلوم ہوتا ہے کبھی کبھی شعر پڑھ دیا کرتا ہے۔''

''مطلق صاحب۔ وعدے کر چکے ہیں آپ شعر و شاعری اس لائن میں بالکل نہیں چلے گی۔''

''کب چل رہی ہے اگر چل رہی ہوتی تو اب تک بہت کچھ ہو گیا ہوتا بہر طور تمھارے لیے اہم اطلاعات ہیں ناشتے کے بعد ذرا باہر گھومنے چلیں گے کہہ دیں گے کہ ضروری کام ہیں بس اسی وقت باتیں ہو جائیں گی۔'' مطلق صاحب نے کہا اور ظفری باہر نکل آیا ناشتہ کیا گیا کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا تھا گھر والوں پر وہی اضمحلال کی کیفیت تھی لیکن ظفری یہ اندازہ اچھی طرح لگا چکا تھا کہ بہو بیگم کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جا رہا اور بعض آنکھوں میں ظفری کے لیے بھی کچھ عجیب سے تاثرات ہیں۔''

''اب یہ تو ممکن نہیں تھا کہ اتنے لوگوں کے بیچ رہ کر ظفری کی کاوشیں بالکل ہی نگاہوں سے محفوظ رہتیں ممکن ہے ظفری پر کوئی شبہ ہو گیا ہو بہر طور پر ظفری کو اس بات کی پرواہ نہیں تھی ناشتے کے بعد انھوں نے باہر جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو حامد صاحب نے انھیں کار مہیا کر دی وہ تینوں

کار میں بیٹھ کر چل پڑے ظفری نے خود ہی کار ڈرائیو کرنے کی ذمہ داری لے لی تھی اس لیے ڈرائیور کو ساتھ نہیں کیا گیا تھا بہر طور ان حالات میں وہ اپنے آفس کا رخ نہیں کر سکتے تھے اس لیے ایک ہوٹل ہی میں نشست جمائی گئی اور تینوں ایک گوشے کی میز کے گرد جا بیٹھے۔

"جی مطلق صاحب۔ کیا اطلاعات ہیں؟"

"بھئی اگر کچھ اہمیت دی جائے تو چند باتیں آپ کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔"

"ارشاد ارشاد۔"

"دیکھو میاں ایسی باتیں مت کرو تم خود ہی ہمیں ہوا دے رہے ہو۔"

"صاف کیجئے گا۔ مطلق صاحب غلطی ہوگئی۔ میرا مطلب ہے فرمایئے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" ظفری جلدی سے بولا۔۔۔۔

"کوٹھی میں ایک ملازم ہے کہ نام نامی جس کا اصغر خان اور کام شاید گھر کی جھاڑ پونچھ ہے اور صفائی وغیرہ ہے۔ کبھی کبھی باورچی خانے میں بھی دیکھا گیا ہے آج صبح بھی ناشتے کے کمرے میں ناشتہ لانے پر مامور تھا۔"

"جی فرمایئے۔"

"کبھی غور کیا ہے اس پر خاصے تن و توش کا آدمی ہے چہرے مہرے سے بھی ملازم نہیں معلوم ہوتا بلکہ اگر غور کرو تو صاف پتہ چل جاتا ہے کہ اس نے ملازموں جیسا حلیہ بنالیا ہے۔"

"واہ۔ خوب ہم نے غور نہیں کیا۔ بہر طور آگے فرمایئے۔"

"اس شخص کا نام اصغر خان نہیں بلکہ انور علی ہے اور اگر اس بینک میں جا کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرو گے جس میں کبھی ہم ملازمت کرتے تھے تو تمہیں ہماری بات کی تصدیق ہو جائے گی۔"

"کیا!" شکیلہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں۔ انور علی بینک میں تین سال ملازمت کر چکا ہے دو تین بار اسے چھوٹی چھوٹی

باتوں پر سرزنش کی گئی لیکن تیسری بار اس نے بینک سے تقریباً چوالیس ہزار روپے کا غبن کیا اور بدقسمتی اسی کی یہ نکلی کہ یہ غبن فوراً ہی منظر عام پر آ گیا تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ غبن کرنے کا ذمہ دار انور علی ہے چیف اکاؤنٹنٹ نے صرف از راہ انسانیت اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے قبل اپنے طور پر اسے سمجھانا چاہا کہ وہ رقم واپس کر دے تاکہ اس کی عزت بحال رہے اور اس نے انور علی کو اپنے کمرے میں بلایا تھا اور اسی وقت بلایا تھا جب بینک کی چھٹی ہو گئی تھی اور تمام اسٹاف جا چکا تھا۔ سوائے چوکیداروں کے انور علی کو جب اس بات کا علم ہوا کہ اکاؤنٹنٹ کو ساری پوزیشن معلوم ہو گئی ہے تو اس نے اکاؤنٹنٹ پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کرنے کی کوشش کی۔

اکاؤنٹنٹ بیچارا اپنی شرافت کا شکار ہو گیا انور علی اسے شدید زخمی کر کے فرار ہو گیا اپنی دانست میں وہ اکاؤنٹنٹ کو ہلاک کر گیا تھا لیکن اس کی تقدیر تھی کہ وہ بچ گیا اسپتال میں اس نے پولیس کو مکمل بیان دے دیا چنانچہ انور علی گرفتار کر لیا گیا اور پھر اسے پانچ سال کی یا سات سال کی سزا ہوئی تھی یہ واقعات میرے علم میں ہیں میں اسے بخوبی پہچان گیا ہوں کیونکہ اس کے نام کے ساتھ ایک ایسا اہم واقعہ وابستہ تھا جو مجھے آج تک یاد ہے لیکن وہ مجھے نہیں پہچان سکا اچھا خاصا تعلیم یافتہ آدمی ہے مجھے یقین ہے کہ وہ بی کام تو تھا ہی تو تم ذرا سوچو کہ ایک بی کام کا اتنی معمولی ملازمت کرنا کیا معنی رکھتا ہے بس ہم نے جاسوسی کی منزل میں پہلا قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلا کام یہی کیا اور اس پر نا صرف غور کیا بلکہ اس کا تعاقب بھی کیا گیا۔ رابسن روڈ کی کرم بلڈنگ میں فلیٹ نمبر بائیس اس کی ذات سے کوئی خاص رابطہ رکھتا ہے وہ فلیٹ نمبر بائیس میں دو دفعہ گیا ہے اور وہاں خاصا وقت گذار کر آیا ہے۔

"فلیٹ نمبر بائیس کی تفصیل یہ ہے کہ وہاں ایک خاتون نام جن کا سعیدہ بیگم ہے اپنے تین بچوں کے ساتھ رہتی ہیں بڑے بچے کی عمر تقریباً نو سال ہے باقی دو چھوٹی بچیاں ہیں یہ اس فلیٹ کے مکین کی پوزیشن ہے اس کا انور علی یا موجودہ اصغر خان سے کیا تعلق ہے یہ معلومات ہمیں نہیں حاصل ہو سکیں لیکن ہم نے اصغر خان کا تعاقب جاری رکھا اور یہاں بھی اس پر نگاہ رکھتے

رہے اس کے علاوہ ہم اس دوران مسلسل جھک نہیں مارتے رہے بلکہ اپنے طور پر جاسوسی کے جتنے اہم نکتے ہمارے سامنے آئے انھیں انجام دیتے رہے ہم نے خاص طور سے گیٹ کے چوکیدار سے رابطہ قائم کیا اور اس مرحوم کتے کے بارے میں معلومات حاصل کیں جو بڑی حد تک کارآمد ہیں چوکیدار نے بڑی سادگی سے بتایا کہ کتا بہت ہی شریف تھا اور عام لوگوں پر کبھی نگاہ بھی نہیں اٹھاتا تھا لیکن اس قتل سے تقریباً پندرہ دن پہلے سے کوئی دشمن راتوں کو اسے پریشان کرتا تھا کتے کو اکثر خونخوار انداز میں بھونکتے اور غراتے دیکھا گیا تھا۔

ایک بار چوکیدار نے اس کی کھوج کی تو اسے سوٹ میں ملبوس ایک شخص نظر آیا جو لکڑی سے کتے کو مار رہا تھا چوکیدار چیخ کر اس کی طرف دوڑا تو وہ دیوار پھلانگ کر بھاگ گیا چوکیدار نے اس بات کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا تھا اس کا یہی خیال تھا کہ کوئی چور تھا۔ جو دیوار کود کر اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن مزاحمت کرنے پر فرار ہو گیا پھر اس کے بعد بھی جب کتے کو چھیڑنے کا سلسلہ برقرار رہا تو وہ پریشان ہو گیا لیکن اس بارے میں اس نے کسی کو کچھ بتایا نہیں یہ بات چھپانے میں اس کا کوئی خاص مقصد نہیں تھا بس وہ یہی سوچ رہا تھا کہ کسی وقت رنگے ہاتھوں اسے پکڑ لے تو مالکان کے حوالے کرے۔ میرے خیال میں یہ اہم نکتہ ہے اسے ذہن میں رکھا جائے میں لارڈ۔ تو بات ہو رہی تھی۔ اصغر خان کی ہم نے اصغر خان کو تمام لوگوں کے کمروں میں چھپ چھپ کر جھانکتے اور کمروں میں ہونے والی گفتگو سنتے دیکھا ہے اور بغور دیکھا ہے وہ بڑا پر اسرار آدمی ہے ہماری اب تک کی معلومات کا لب لباب یہ ہے ممکن ہے تمھارے کام آسکے۔"

ظفری اور شکیلہ متحیرانہ انداز میں منہ پھاڑے بیٹھے ہوئے تھے ان کی زبان گنگ ہو گئی تھی اگر ان کا خیال غلط نہیں تھا تو یقیناً مطلق صاحب نے ایک ایسا حیرت انگیز کارنامہ انجام دے دیا تھا جس کی توقع ان سے نہیں کی جاسکتی تھی پھر ظفری بولا۔

"مطلق صاحب آپ کو یقین ہے کہ یہ شخص انور علی ہی ہے۔"

"میاں آنکھیں نکال کر باہر رکھ دیں گے اپنی اب اتنی بھی آنکھیں کمزور نہیں ہوگئیں

ہیں کہ ایک ایسے شخص کو نہ پہچانا جاسکے۔"

"کمال ہے لیکن لیکن فلیٹ نمبر بائیس بتایا تھا نا آپ نے۔"

"ہاں۔ فلیٹ نمبر بائیس کرم بلڈنگ۔"

"یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کے مکین کون ہیں تم یوں کرو شکیلہ کہ اس سلسلے میں تم ہی مفصل معلومات حاصل کرو کسی بھی اشیاء کے چند پیکٹ خرید کر سیلز گرل کی حیثیت سے اس فلیٹ میں چلی جانا اور دیکھ کر آنا کہ کیا صورت حال ہے۔ میں ذرا ڈی آئی جی صاحب سے ملاقات کرلوں بات یہ ہے شکیلہ کہ ہم لوگ باقاعدہ جاسوسی تو نہیں کرسکتے لیکن اگر اصغر خان کو اس حیثیت سے پکڑ لیا جائے تو ڈی آئی جی صاحب پولیس کے مخصوص انداز میں اس سے اس کا راز اگلوا سکتے ہیں۔" شکیلہ اور مطلق صاحب نے اس بات سے اتفاق کیا تھا اس کے بعد یہ میٹنگ برخاست ہو گئی۔

آفتاب احمد صاحب نے کافی دلچسپی سے یہ واقعات سنے تھے۔ پھر وہ دیر تک سوچتے رہے اور پھر گردن ہلا کر بولے۔

"ٹھیک ہے اصغر خان یا انور علی کو اس بنیاد پر پکڑا جاسکتا ہے کہ وہ نام بدل کر اس کوٹھی میں ایک ایسا کام کر رہا ہے جو اس کے شایان شان نہیں ہے لیکن کسی بھی تعلیم یافتہ آدمی کو کوئی بھی کام کرنے سے روکا نہیں جاسکتا البتہ اس کے پرانے ریکارڈ کے تحت بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ وہی شخص ہے اس بات کا شبہ ظاہر کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ وہ پہلے بھی ایک جرم کا مرتکب ہو چکا ہے بلکہ دہرے جرم کا اول تو چوالیس ہزار کا غبن دوسرے اکاؤنٹنٹ پر قاتلانہ حملہ چنانچہ میاں اس کوٹھی میں وہ کسی خاص ہی مقصد کے تحت گھسا ہوگا۔ لیکن جرم کرنے سے پہلے مجرم کو صرف شبے کی بنیاد پر قید نہیں رکھا جاسکتا۔

اس سلسلے میں ظفری کی بات کسی حد تک وزنی بھی ہے ممکن ہے کتے کو اشتعال دلانے والا یہی شخص ہو لیکن اور بھی بہت سی الجھنیں ذہن میں آتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر اس نے کتے کو اشتعال دلایا تو کتے نے مسعود پر حملہ کیوں کیا اور مسعود کے بارے میں کسی طور یہ بات نہیں سوچی

جاسکتی کہ وہ اس قسم کی کوئی حرکت کرتا ہوگا کیا خیال ہے کیا اس بارے میں مزید کوئی کوشش نہ کی جائے میرا مطلب ہے کچھ وقت تو لگے گا لیکن اگر ہم باقاعدہ طور پر اس شخص کی نگرانی کریں تو ممکن ہے ہمیں کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔

میرے ذہن میں یہ الجھن تھی ڈی آئی جی صاحب اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم قانونی حیثیت نہیں رکھتے اور کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے جس سے قانون کھیل بن جائے اور کسی شخص کو ہمارے ہاتھ سے تکلیف پہنچ جائے جو بے گناہ ہو اس لیے میرے ذہن میں کوئی ایسی ترکیب نہیں آرہی کہ میں اس کی زبان کھلوا سکوں۔'' ظفری نے کہا۔ ڈی آئی جی صاحب تھوڑی دیر تک سوچتے رہے پھر گہری سانس لے کر بولے۔

''اچھا بھئی ٹھیک ہے میں اسپیشل والوں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ کسی بدلے ہوئے روپ میں اصغر کو کوٹھی سے نہیں بلکہ کہیں باہر سے اٹھالیں اور پھر اپنے طور پر معلومات حاصل کریں۔ خدا مجھے معاف کرے اگر وہ اس سلسلے میں بے گناہ نکلا تو بڑی مشکل پیش آئے گی ٹھیک ہے میں یہ کام کرلوں گا۔ تم کوٹھی واپس جاؤ اور حالات پر نگاہ رکھو اگر کوئی خاص مسئلہ نہ نکلا تو میں تمھیں اس بارے میں اطلاع دوں گا۔ ڈی۔ آئی جی صاحب نے کہا اور ظفری نے گردن ہلا دی اور پھر وہ وہاں سے واپس چلا آیا تھا۔

کوٹھی کے معمول جاری تھے بہو بیگم کو جب بھی موقع ملتا تھا۔ وہ ظفری پر مسلط ہو جاتی تھیں اس وقت بھی یہی ہوا تھا انھوں نے ظفری کو اپنے کمرے میں بلایا تھا اور پھر ظفری کو مر جانے کی حد تک بور ہونا پڑا۔

مطلق صاحب واپس آگئے تھے اور شکیلہ بھی شکیلہ نے سعیدہ کے بارے میں بتایا کہ وہ شاطر عورت ہے اس نے اپنے بارے میں ہوا بھی نہیں لگنے دی اور پھر چونکہ اس کی پوزیشن ایسی نہیں تھی کہ وہ اس سے کوئی سوال کر سکتی وہ تو ایک سیلز گرل کی حیثیت سے وہاں گئی تھی چنانچہ سعیدہ کے بارے میں کوئی صحیح علم نہیں ہو سکا۔ گویا ابھی انتظار کرنا ہوگا۔

چنانچہ یہ لوگ انتظار کرتے رہے اصغر خان کوٹھی میں نظر آیا تھا رات کو بھی وہ وہیں ملا دوسرے دن صبح ناشتے پر بھی اسے دیکھا گیا لیکن ناشتے کے بعد سے وہ اچانک غائب ہو گیا مطلق صاحب نے اطلاع دی تھی کہ وہ کسی کام سے باہر گیا ہے۔ اور اس کے بعد وہ شام تک واپس نہ آیا رات کو بھی گھر نہ پہنچا تو ظفری کو یقین ہو گیا کہ اسپیشل پولیس والوں نے اپنا کام کر لیا ہے۔

پھر دوسری صبح حامد صاحب نے ڈی آئی جی صاحب کو فون کی اطلاع دی حامد صاحب چونکہ ان لوگوں کی پوزیشن جانتے تھے اس لیے انھوں نے ظفری کو ڈی آئی جی صاحب کے فون کے بارے میں بتایا تھا ظفری نے فون ریسیو کیا تو ڈی آئی جی صاحب کی آواز سنائی دی۔

''بھئی ظفری۔ میری طرف سے مبارکباد قبول کرو بات بن گئی حالانکہ حیرت انگیز طور پر ہی بنی ہے لیکن کمال ہو گیا بھئی بہرصورت تمھاری کاوشیں رنگ لائیں اگر تم کوٹھی میں داخل ہو کر اتنی گہری نگاہوں سے ہر شخص کا جائزہ نہ لیتے تو یہ کام آسان نہ ہوتا۔

''کیا ہوا۔ کیا ہوا جناب؟''

''بس آجاؤ تم لوگ واپس آجاؤ سارا کام بن گیا ہے ڈی آئی جی صاحب نے کہا اور اس کے بعد ان لوگوں سے صبر نہیں ہو سکا تھا۔ تینوں ہی سارے معاملات چھوڑ کر نکل بھاگے تھے ڈی آئی جی صاحب نے ظفری کا کارڈ دیکھ کے اسے ہیڈ آفس میں اپنے کمرے میں بلوالیا تھا ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی انھوں نے انھیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ان کے لیے کافی طلب کر لی۔''

''بھئی مجرم پکڑا گیا میں تمھیں اس کے بارے میں تفصیلات بتاتا ہوں۔''

''گویا گویا وہی شخص۔ میرا مطلب ہے وہی شخص گویا مطلق صاحب کا خیال درست نکلا۔''

''سو فیصدی درست بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ یہ کیس مطلق صاحب ہی کا ہے انور علی نے جو کہانی سنائی ہے وہ بڑی دلچسپ ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ سعیدہ اس کی بہن ہے اور تینوں بچے مدثر احسان صاحب کی اولاد ہیں۔''

''کس کی؟'' تینوں چونک پڑے۔

''مدثر احسان کی' مدثر احسان صاحب نے خاموشی سے سعیدہ سے شادی کرلی تھی۔ یہ دراصل ان دنوں کی بات ہے۔ جب انور علی جیل چلا گیا تھا وہ ایک مفلوک الحال آدمی تھا۔ اس دنیا میں اس کا کوئی نہیں تھا بہن کو اچھی زندگی دینا چاہتا تھا اسی لیے اس نے بینک سے غبن کیا تھا لیکن غبن کرنے کے بعد وہ کامیاب نہ ہوسکا اور دہرے جرم کا مرتکب ہوگیا جس کے نتیجے میں اسے سات سال کی سزا ہوئی ان سات سالوں میں وہ ہر لحہ جیل میں تڑپتا رہا سعیدہ کے بارے میں اسے کچھ نہیں معلوم تھا۔ انہی دنوں کس طرح سعیدہ کی ملاقات مدثر احسان صاحب سے ہوگئی نجانے کیا معاملات چلے مدثر احسان ان سے متاثر ہوگئے کافی دن تک سعیدہ ان کے ساتھ رہی اور پھر جب اس کے ہاں بیٹا ہوا تو اس نے مدثر احسان صاحب کو دھمکیاں دینا شروع کردیں کہ اگر انھوں نے اس سے شادی نہ کی تو وہ دنیا کو ان کے بارے میں بتا دے گی نتیجہ میں مدثر احسان صاحب نے اس سے نکاح کرلیا لیکن اس شرط پر کہ وہ کبھی کسی کو اس بارے میں کچھ نہیں بتائے گی۔ انھوں نے سعیدہ کو ایک فلیٹ لیکر دے دیا تھا وہی فلیٹ جو کریم بلڈنگ میں نمبر بائیس ہے وہ اسے اخراجات کے لیے خاصی رقم دیتے تھے لیکن سعیدہ مطمئن نہیں تھی۔ اسے اپنا اور اپنے بچوں کے مستقبل کا خیال کھائے جاتا تھا اگر دنیا کے سامنے مدثر احسان کی بیوی کی حیثیت سے نہ آئی تو ظاہر ہے مدثر احسان کی جائیداد میں سے اس کے بچوں کو کچھ نہیں ملے گا اس سلسلے میں اس نے مدثر احسان صاحب سے بات چیت کی تھی اور انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ سعیدہ اور اس کے بچوں کو اتنا دے دیں گے کہ وہ کبھی کسمپرسی کا شکار نہ ہوں گے۔

لیکن یہ سب کچھ کرنے سے پہلے ہی وہ ایک اتفاقیہ حادثے کا شکار ہوکر مر گئے۔ اب سعیدہ تنہا رہ گئی تھی حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے گئے اس کی اتنی ہمت نہیں پڑی تھی کہ وہ مدثر احسان صاحب کے اہل خاندان سے جا کر اپنے بارے میں کہے اسی دوران انور علی چھوٹ کر واپس آگیا سعیدہ اسے مل گئی اور اس نے ساری تفصیل بھائی کو بتائی۔

انور علی جیل سے بہت کچھ سیکھ کر آیا تھا ویسے بھی جرائم پیشہ ذہن کا مالک تھا۔ چنانچہ وہ

منصوبے بنانے لگا۔ اور اس نے مدثر احسان صاحب کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرلیں اس کا خیال تھا کہ کسی نہ کسی طرح مدثر احسان صاحب کے بیٹے عادل مدثر کو قتل کرکے بالآخر سعیدہ کو اس خاندان تک پہنچا دے گا سعیدہ کے پاس مدثر احسان صاحب سے شادی کا نکاح نامہ موجود تھا۔ لیکن اگر وہ پہلے ہی یہ کوشش کرلیتا تو شاید اس سلسلے میں صحیح طور پر کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔

چنانچہ وہ منتظر تھا کہ کس وقت عادل مدثر یورپ سے واپس آئے اور یہاں کے معاملات سنبھالے تو وہ اپنا کام کرے اس سلسلے میں اس نے اس کوٹھی میں ملازمت اختیار کرلی اور وقت کا انتظار کرتا رہا اسکی خوش بختی تھی کہ وقت آگیا لیکن یہاں رہ کر اور بھی بہت سے حالات معلوم ہوئے تھے مثلاً نجمہ اور عادل کا معاملہ اور اس کے شیلانی ذہن نے بالآخر ایک منصوبہ بنالیا۔ حالات اس کی مدد کر رہے تھے۔ عادل نے شادی والا ڈرامہ کیا اور ایسے میں مسعود اختر سے بھی ملاقات ہوگئی مسعود اختر اور عادل اس طرح مل گئے کہ انور علی کو اپنے منصوبے کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔

چند روز میں دونوں خاصے گھل مل گئے اور مسعود ان کے ہاں روزانہ آنے جانے لگا تو انور علی نے ایک رات نہایت چالاکی سے مسعود اختر کی رہائش گاہ میں داخل ہوکر اس کی الماری سے ایک سوٹ چرالیا۔ پھر یہ سوٹ پہن کر وہ راتوں کو کتے کو اشتعال دلاتا تھا ایسا کرتے وقت وہ اپنا چہرہ چھپالیا کرتا تھا کہ کتا اس کی شکل نہ پہچان سکے کتا صرف سوٹ کی بو سے مشتعل ہوجاتا تھا۔

پھر وہی ہوا جس کی منصوبہ بندی انور علی نے کی تھی ایک دن مسعود جب سوٹ پہن کر کوٹھی میں آیا تو کتا اس پر دوڑ پڑا پروگرام کے مطابق انور علی نے کتے کی زنجیر کی ایک کڑی اس طرح کاٹ دی تھی کہ اگر وہ جوش جذبات میں پاگل ہوجائے تو اسے زنجیر توڑنے میں دقت نہ ہو انور علی دن کی روشنی میں یہ زنجیر بدل دیا کرتا تھا تاکہ کہیں کسی دن جب وہ کتے کو اشتعال دلا رہا ہو کتا چھوٹ کر اس پر دوڑ نہ پڑے کیونکہ وہ ایک ملازم کی حیثیت رکھتا تھا اس لیے اسے یہ کام کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ تم سمجھ گئے کہ کس طرح انور علی نے مسعود کو قتل کیا اور پھر اس کا الزام

عادل مدثر پر آ گیا عادل مدثر کے راستے میں ہٹ جانے کے بعد انور علی کا راستہ صاف تھا وہ خود کہیں روپوش ہو جاتا اور سعیدہ کو ایک مظلومہ کی حیثیت سے آگے بڑھاتا اگر فرض کرو مسعود اختر کے قتل کے الزام میں عادل مدثر کو پھانسی کی سزا ہو جاتی تو پھر اس جائیداد کا حقدار سعیدہ اور اس کے بچوں کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ سب سے بڑا حق تو انہیں کا تھا اور پھر نکاح نامہ بھی موجود تھا اس سلسلے میں قانون بھی سعیدہ کو چیلنج نہیں کر سکتا تھا یہ تھی انور علی کی منصوبہ بندی لیکن اس بدبخت نے خاصی اذیتوں کے بعد یہ بات اگلی اسپیشل پولیس والوں نے جب اسے گرفتار کیا تو اس نے ان پر حملہ کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ اور یہی کوشش اس کے لیے نقصان دہ ہو گئی۔ اسپیشل پولیس والے مشتعل ہو گئے تھے چنانچہ انھوں نے اس پر ایسا تشدد کیا کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ گیا اور پھر اسے سب کچھ اگلتے ہی بن پڑا۔

"ہوں۔ تو گویا اب عادل مدثر کی گلوخلاصی ہو جائے گی۔"

"ہاں بھئی یہ بھی تمھارے کامیاب کیسوں میں سے ایک کیس ہے۔"

"نہیں ڈی جی آئی صاحب یہ ہمارا کیس نہیں ہے یہ تو صرف تکا لگ گیا تھا۔ ظفری نے کہا اور مطلق صاحب کھنکارنے لگے ڈی آئی جی صاحب نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے جناب والا بس دراصل یہ لوگ مجھے جاسوس ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں میری کاوشوں کو تکا کہا جا رہا ہے میں اس پر احتجاج کرتا ہوں۔"

"نہیں مطلق صاحب جیسا کہ ظفری نے آپ کے بارے میں بتایا کہ درحقیقت آپ ہی نے انور علی کا انکشاف کیا تھا تو اس حساب سے یہ کیس میں آپ کی ذات سے منسوب کرتا ہوں۔"

"لیکن اب اس سلسلے میں مزید کیا کارروائی ہو گی۔"

"میاں بس عیش کرو انور علی ہمارے قبضے میں آ گیا ہے اس نے سب کچھ اگل دیا ہے اگلی پیشی پر اس بارے میں مکمل رپورٹ پیش کر دی جائے گی اور عادل مدثر رہا ہو جائے گا۔ ہاں اگر تم چاہو تو حامد صاحب کو یہ خوشخبری سنا سکتے ہو۔"

"لیکن سعیدہ کا کیا ہو گا؟"

"بھئی سعیدہ تو اس سلسلے میں بے قصور ہے اور یقینی طور پر جائیداد میں سے اسے آدھا حصہ ملے گا آدھا حصہ عادل مدثر کا ہو گا۔ اور آدھا حصہ سعیدہ اور اس کے بچوں کا وہ جب بھی قانون سے رجوع کرے گی۔ قانون یہی فیصلہ دینے پر مجبور ہو گا۔" ڈی جی آئی صاحب نے کہا۔

ظفری، شکیلہ اور مطلق صاحب ڈی آئی جی صاحب سے رخصت ہو کر سعدی کی طرف چل پڑے تھے سعدی کو بھی تمام تفصیلات معلوم ہوئیں پھر ان سب نے حامد صاحب سے اپنے دفتر میں ملاقات کی انھیں فون کر کے دفتر میں بلا لیا گیا تھا۔

حامد صاحب یہ تفصیل سن کر دنگ رہ گئے ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

"خداوند قدوس کا بڑا احسان ہے ہم پر کہ ہماری عزت محفوظ ہو گئی تم لوگ کیا سمجھتے ہو بچو میں عادل مدثر کے لیے نہیں اپنے لیے پریشان تھا کیونکہ مجھے شروع ہی سے اس سلسلے میں مطعون کیا جاتا رہا ہے کہ میں بھائی کی دولت پر نگاہ رکھتا ہوں میرا بیٹا معصوم ہے ہم لوگ بھائی کے بچے کے خلاف یہ حرکت نہیں کر سکتے تھے۔

"لیکن حامد صاحب اب سعیدہ اور اس کے بچوں کے بارے میں کیا کرنا ہے آپ کو۔"

"میاں۔ عادل مدثر چھوٹ کر آ جائے تو اس سے درخواست کر دوں گا کہ ان بچوں کو پوری شرافت و دیانت کے ساتھ ان کا حق دے دے وہ لاابالی سا انسان ہے مان جائے گا۔ میری بات۔" حامد صاحب نے کہا اور پھر ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولے۔

"تم لوگوں نے میری گردن پر بہت بڑا احسان کیا ہے میری طرف سے یہ حقیر سا تحفہ قبول کرو۔" انھوں نے دس ہزار روپے کے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر سعدی کی طرف بڑھا دی تھی۔

"ارے ارے یہ کیا حامد صاحب۔ یہ۔ یہ نہیں لیا جا سکتا تھا۔ ویسے بھی آپ کا کیس کوئی ایسی اہمیت نہیں رکھتا تھا جس کے لیے ہم وہ پچیس ہزار روپے ہی وصول کرتے اگر آپ چاہیں تو وہ رقم بھی آپ کو واپس کی جا سکتی ہے۔

"نہیں میاں مجھے خوشی ہو گی اسے قبول کر لو تم نے میری لاکھوں کی عزت بچائی ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے سعدی اگر حامد صاحب خوشی سے دے رہے ہیں تو لے لو۔"

شکیلہ نے ٹکڑا لگایا۔ سعدی نے یہ رقم قبول کر لی تھی اس واقعے کو بارہ یا پندرہ دن گذرے ہوں گے کہ ایک دو پہر ایک اچھی خاصی فوج نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پر حملہ کر دیا اس میں حامد صاحب مولوی ناظر' عادل ۔ مدثر بیگم صاحب اور چند دوسرے افراد شامل تھے۔

عادل مدثر نے آگے بڑھ کر ظفری کو گلے لگا لیا تھا۔

"ظفری صاحب آپ کا یہ احسان تا حیات میری گردن پر رہے گا۔ آپ نے میری عزت بچالی میرے پاس اپنی صفائی کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ مجھے تمام تفصیلات معلوم ہو چکی ہیں کل ہی میرے کیس کا فیصلہ ہوا ہے اور مجھے باعزت طریقے سے رہا کر دیا ہے کیونکہ اصلی مجرم پکڑا گیا۔

"ہماری طرف سے مبارکباد قبول کرو پر خلوص مبارکباد مطلق صاحب نے عادی مدثر کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا دوران گفتگو کچھ دوسری دلچسپ باتیں بھی معلوم ہوئیں مثلاً بہو بیگم مزید دس ہزار لے کر ٹل گئی تھیں کئی دن تک وہ ظفری کے لیے آہیں بھرتی رہی تھیں گھر کے دوسرے لوگ بھی ان عجیب مہمانوں کو تلاش کرتے رہے تھے پھر حامد صاحب ہی نے ان کی تشفی کی دوسری خبر حامد صاحب نے سنائی تھی۔

"بھئی چند روز کے بعد تمھیں ایک دعوت نامہ موصول ہوگا۔ اور بڑی خوشیوں کی بات ہے کہ عادل مدثر جس سلسلے میں ان محترمہ بہو بیگم کو ہم پر مسلط کیا تھا وہ بخوبی حل ہو گیا ہے۔

"کیا مطلب۔" سعدی چونک کر بولا۔

"پوری کہانی تو آپ بھی سن چکے ہوں گے سعدی میاں بس خدیجہ بیگم کو عقل آ گئی۔ اس حادثے سے متاثر ہو کر ان کی طبیعت میں کافی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے بہر طور مسعود اختر کی موت کا ابھی کو رنج ہے لیکن خدیجہ بیگم نے عزیزی نجمہ سلمہا کو عادل مدثر کے عقد میں دینا منظور کر لیا ہے۔"

"مبارک مبارک' چاروں طرف سے آوازیں ابھریں اور عادل مدثر شرمائے ہوئے انداز میں مسکرانے لگی۔

☆......☆......☆

مطلق صاحب نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مضطرب صاحب کو دیکھا۔ محفل داد کے ڈونگرے برسا رہی تھی۔ ہر شعر مضطرب صاحب سے دوبارہ پڑھوایا جا رہا تھا اور اس شعر پر تو قیامت ہی آ گئی تھی۔

بے خطر ہم کو پلا اے آسماں جو کچھ بھی ہے
ہاں نہیں یہ ساغر غم' اس میں کوئی سم نہیں

"حضور اب تک کہاں تھے.....؟" کسی نے کہا۔

"یہ اضطراب پہلے کیوں نہ بڑھا.....؟؟"

"اسے بیری پتوں کی آڑ میں چھپی ہوئی تھی۔"

مضطرب صاحب نے پڑھا۔

پھول کے رخ پر نمی سی ہے جوان کے روبرو
ہے ندامت کا عرق' شادابی شبنم نہیں۔

"ابے عرق گاؤزبان ہوگا پیارے بھائی۔ فقرہ سنائی دیا۔ مطلق صاحب دم بخود تھے۔

مضطرب صاحب اوران کی شاعری سے اچھی طرح واقف تھے بڑے بڑے شاعروں کا تو تلفظ بھی صحیح ادا نہیں کر سکتے تھے کہاں مضطرب صاحب کہاں یہ غزل' بہر حال اللہ نے مضطرب صاحب کی خوب سنی تھی آج تو ان کی رگوں میں تازہ خون کے دریا بہہ رہے تھے۔ مطلق صاحب نے بھی پڑھا تھا اور جو کچھ پڑھا تھا بڑی ''احتیاط'' سے پڑھا تھا کئی دن کی ''محنت'' کے بعد پڑھا تھا مگر بات بنی نہیں تھی۔ بہت بڑا مشاعرہ تھا۔ نہ جانے اس میں شرکت کے لئے کیا کیا جتن کئے گئے تھے آرٹ کونسل کے ایک بڑے ممبر کی سفارش حاصل کی تھی تب کہیں جا کر چانس ملا تھا۔ مضطرب صاحب کو بس اسی لئے ساتھ لے لیا تھا کہ واپسی خاصی رات گئے ہوگی ایک صاحب ذوق ساتھی ساتھ رہے گا مگر مضطرب صاحب نے خوب فائدہ اٹھایا تھا اور اپنا نام بھی فہرست میں درج کرالیا تھا۔

غزل ختم ہوگئی۔ مضطرب صاحب قریب آئے تو مطلق صاحب نے قہر آلود نظروں سے انہیں گھورا۔ پریس کے ایک نمائندے نے قریب آکر کہا۔

''حضور دو شعر نامکمل رہ گئے۔ زحمت دوں گا۔ مکمل کرا دیجئے۔''

''کونسے مضطرب صاحب نے پوچھا اور پھر دونوں شعر مکمل کرا دیئے۔''

''حضور اس سے پہلے نہیں سنا آپ کو۔'' نمائندہ بولا۔

''بس کم ہی شرکت کر پاتے ہیں مشاعروں میں۔'' مضطرب صاحب شرما کر بولے۔

''ظلم کرتے ہیں آپ تو سخن کا سرمایہ ہیں آپ کو اس طرح عوام سے دور نہیں رہنا چاہئے۔''

''آئندہ خیال رکھیں گے۔'' نمائندہ چلا گیا تو مطلق صاحب نے غرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''کس کی تھی؟''

''اپنی۔۔۔۔''

''مجھ سے اڑ رہے ہو بولو کہاں سے ماری۔۔۔؟''

''بس اللہ کی دین ہے۔'' مضطرب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ بات آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ ایک اور اخباری نمائندہ آ گیا تھا۔

''جناب مضطرب صاحب آپ کا پتہ درکار ہے۔'' اور مضطرب صاحب نے اطمینان سے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا پتہ نوٹ کرادیا۔

مطلق صاحب نے بہت سے پینترے بدلے مگر مضطرب صاحب نے اس کے علاوہ اور کچھ نہ بس کہ یہ غزل اللہ کی دین تھی۔ غلط نہیں کہا تھا غزل بڑے دلچسپ انداز میں ان تک آئی تھی کسی کام سے گئے تھے پیدل واپس آ رہے تھے کہ سڑک کے کنارے ایک پرس پڑا نظر آیا۔ دم بخود ہو کر رک گئے ادھر ادھر دیکھا کوئی متوجہ نہیں تھا جھکے پرس اٹھا کر کرتے کی جیب میں ٹھونس لیا اور وہاں سے کھسک لئے دل میں پٹاخے لگے ہوئے تھے نہ جانے کیا کیا خیالات آ رہے تھے ایک مناسب جگہ رک کے پرس کھول کر دیکھا اور دھت تیرے کی کہہ کر منہ بنالیا' پرس میں ایک روپیہ بھی نہیں تھا ہاں کچھ کاغذات ضرور تھے جن میں دھوبی کی ایک رسید پرچون کا حساب اور ایک غزل تھی۔ غزل ان کی پسند کی چیز تھی اس پہ اکتفا کی اور محفوظ کرلیا۔ مگر اس وقت اس مشاعرے میں اس غزل نے ان کی قسمت جگادی تھی سب نے اس کے شاندار ہونے کا اعتراف کیا تھا۔ مطلق صاحب تو جل بھن کر کباب ہو گئے تھے مگر مضطرب صاحب کی خوشی بے پایاں تھی۔

دوسری صبح انہوں نے بڑے اشتیاق سے اخبار کھولا تھا اور محفل مشاعرہ کی خبر تلاش کرنے لگے تھے۔ پھر ان کی مسرت کی انتہا نہ رہی مشاعرے کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہوا تھا۔ خود ان کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا تھا اس نے مضطرب صاحب کا سیروں خون بڑھا دیا تھا' اخبار میں لکھا تھا کہ محفل مشاعرہ بڑے بڑے نامور شاعروں کے درمیان چل رہی تھی کہ ایک گمنام شاعر نے اپنی غزل پڑھنے کی اجازت مانگی اور اس کے بعد مشاعرہ لوٹ لیا' مضطرب صاحب کے سنائے ہوئے اشعار بھی لکھے گئے تھے اور مشاعرے کا حال لکھتے ہوئے ان کو ملنے والی داد کے بارے میں بھی بتایا گیا تھا' یہاں تک کہ جوش میں آکر انہیں علامہ مضطرب کہہ دیا گیا تھا اور کہاں گیا

تھا کہ ایسے شاعروں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئیے تا کہ وہ اپنے کلام کے ساتھ گمنام نہ رہیں بلکہ ان کا کلام منظر عام پر آئے۔ حضرت علامہ مضطرب صاحب کی رہائش گاہ ڈی۔ ڈی۔ ٹی۔ لمیٹڈ کا پتہ بھی درج کر دیا گیا تھا۔ مضطرب صاحب کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ اتنی عزت انہیں ملے گی انہوں نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ مست ہو رہے تھے اور سر دُھن رہے تھے۔ پھر سعدی' ظفری اور شکیلہ وغیرہ بھی دفتر میں آ گئے' مضطرب صاحب کا خیال تھا کہ انہوں نے بھی اخبار میں یہ سب کچھ دیکھ لیا ہوگا لیکن ان کے چہرے سے کسی خاص بات کا پتہ نہیں چلتا تھا' مضطرب صاحب عالم اضطراب میں تھے اور رات کے مشاعرے کی داد اب یہاں وصول کرنا چاہتے تھے' لیکن سعدی' ظفری اور شکیلہ کچھ ایسے معاملات میں مصروف ہو گئے کہ مضطرب صاحب نے انہیں خالی ہی نہ پایا' البتہ ٹیٹو سے گفتگو کرنے لگے لیکن ابھی اخبار ٹیٹو کو دکھایا بھی نہیں تھا کہ ٹیٹو کی اندر طلبی ہو گئی اور مضطرب صاحب مایوس ہو کر اپنے دفتر میں جا بیٹھے' یہ سوچا تھا کہ لنچ میں ان لوگوں کو رات کی کارستانی سنائی جائے گی' پھر انہیں بھی مصروف ہو جانا پڑا اور تھوڑی دیر کے لئے رات کی محفل اور وہ سحر زدہ کر دینے والا مشاعرہ ان کے ذہن سے نکل گیا' ٹیٹو باہر بیٹھا ہوا تھا' دفتر وغیرہ کی صفائی ہو چکی تھی۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو پچھلے دنوں از سر نو آراستہ کیا تھا' خیال یہ تھا کہ اب اس کی کارکردگی کا دائرہ بڑھایا جائے' اب تک کا تمام کاروبار نہایت کامیابی سے ہوا تھا اور اس سلسلے میں انہیں بہترین مالی فائدے حاصل ہوئے تھے' حالات سدھر گئے تھے مطلق صاحب کو تو ایک گوشے میں بٹھا دیا گیا تھا۔ مکان بھی نیا لے لیا گیا تھا' چچی جان عیش کر رہی تھیں' خدا نے انہیں ایک طویل عرصہ بے اولاد رکھا تھا لیکن بعد میں انہیں بے شمار اولادوں سے نواز دیا تھا جن میں سعدی' ظفری' شکیلہ وغیرہ وغیرہ تھے' اور اب ان لوگوں نے تمام صورت حال سنبھال لی تھی اور بیگم صاحب کو حقیقی معنوں میں عمر کے اس حصے میں زندگی کا لطف آیا تھا۔

ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں ان لوگوں کا خیال تھا کہ اب اس میں مزید اسٹاف کی ضرورت ہے' کام خاصا بڑھتا جا رہا تھا اور لوگ اب اس کی جانب متوجہ ہونے لگے تھے' درحقیقت

کچھ لوگوں کے ذاتی مسائل ہوا کرتے ہیں' جنہیں سلجھانے کی ان میں نہ ہمت ہوتی ہے نہ طریقہ کار آتا ہے ایسے مسئلوں کو نمٹانے کے لئے اگر کچھ ساتھ مل جائیں تو بات بہت آسان ہو جاتی ہے اور اب لوگ خفیہ طور پر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں ایک دوسرے سے معلومات حاصل کرنے لگے تھے' خصوصاً اونچی سوسائٹی میں اس کا نام گونجنے لگا تھا اور یہ بات خاصی حد تک ذہنوں میں آتی جا رہی تھی کہ درحقیقت ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ ہے جو مختلف حیلوں بہانوں سے یہ کام کرتا ہے لیکن اس کا دم غنیمت ہے' کچھ ایسے لوگوں نے بھی دوسرے لوگوں تک یہ خبریں پہنچائی تھیں' جنہیں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے فائدہ حاصل ہو چکا تھا اور اس طرح ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی پبلسٹی ہوتی جا رہی تھی' جہاں تک پولیس کا معاملہ تھا تو چونکہ ان لوگوں کو بیگم جہاں آراء ہدایت پور کے توسط سے کچھ اعلیٰ ترین پولیس افسروں کی سرپرستی حاصل ہو چکی تھی اور پولیس افسروں کو یہ اعتراض اس لئے نہیں تھا کہ آج تک کا مکمل ریکارڈ ان کے سامنے تھا' ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ نے خود کبھی کوئی غیر قانونی کاروائی نہیں کی تھی لیکن غیر قانونی حرکتیں کرنے والوں کو گردن سے پکڑ کر پولیس کے حوالے کیا تھا اور اس طرح پولیس کی امداد بھی ہوئی تھی' چنانچہ ان لوگوں کے ساتھ خاصی رعایت برتی جاتی تھی اور بہت سی جگہوں سے تعاون بھی کیا جاتا تھا' ذاتی طور پر بھی ان کے تعلقات پولیس کے اچھے اچھے افسروں' انسپکٹروں اور دوسرے لوگوں سے ہو چکے تھے۔

چنانچہ ڈی۔ ڈی۔ ٹی لمیٹڈ کا نیا منصوبہ آہستہ آہستہ تکمیل کو پہنچتا جا رہا تھا' اسٹاف کے لئے شاندار فرنیچر لگوا لیا تھا' ابھی تک اسٹاف رکھا نہیں گیا تھا' بس یہی پانچ افراد ابھی یہاں کی گاڑی چلا رہے تھے۔ یعنی مسٹر ٹیٹو' ایم اے ای ٹی ایم' جناب مضطرب صاحب' اور ادھر سعدی' ظفری اور شکیلہ' لیکن منصوبے برق رفتاری سے عمل پذیر تھے اور بہت جلد ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ایک نئی صورت میں جلوہ گر ہوا چاہتا تھا۔ لیکن اس وقت جو شخصیت ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر میں جلوہ گر ہوئی وہ بھی اپنی مثال آپ تھی' قد کوئی پانچ فٹ ایک انچ' وزن غالباً پینتالیس کلوگرام گال پچکے ہوئے بس ان گالوں پر لمبی لمبی نوکیلی مونچھیں نہ ہوتیں تو یہ چہرہ چھوٹا سا بند گو بھی معلوم ہوتا' سر پر دو

پلی ٹوپی' جسم پر چوڑی دار پائجامہ اور کرتا۔ بدن تھا ہی کہاں جس کے بارے میں کوئی تذکرہ کیا جائے' پیروں میں سلیم شاہی جوتے' ہونٹوں پر پان کی دھڑی لیکن آنکھیں غصے سے سرخ' اندر داخل ہوتے ہی خوفناک نعرہ لگایا۔

"نہیں چھوڑوں گا اولاد کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔۔۔" ٹیٹو ہی سامنے تھا' وہ اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا' آنے والے نے فرش پر پاؤں پٹخے اور ٹیٹو کو گھورتا ہوا بولا۔

"تم تم ہو۔۔۔" ٹیٹو حیرانی سے ان کی صورت دیکھنے لگا' آنے والے حضرت خوفناک انداز میں آگے بڑھے تو ٹیٹو نے جلدی سے پوزیشن لے لی اور دونوں ہاتھ مارشل آرٹ کے انداز میں سیدھے کر کے حملہ آور سے مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔

"لڑو گے۔ لڑو گے اولاد کی قسم بنوٹ کا ماہر ہوں وہ پنچی دوں گا کہ ساری ہڈیاں کڑکڑا جائیں گی۔"

"چیلنج۔" ٹیٹو نے سینہ پھلا کر کہا۔ تب آنے والے حضرت کو احساس ہوا کہ غلطی سے جلدی بازی کر بیٹھے ہیں' خونی آنکھوں سے ٹیٹو کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"تو تم ہو؟"

"ہاں میں ہوں پھر۔۔۔" ٹیٹو نے کہا۔

"نہیں چھوڑوں گا' اولاد کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔"

"مگر تم ہو کون؟" ٹیٹو نے سوال کیا۔

"چمن گلاب پروانہ سمجھ گئے۔"

"سمجھ گیا۔" ٹیٹو نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"پیسے کہاں ہیں؟" چمن گلاب پروانہ نے ٹیٹو کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا اور ٹیٹو کے دونوں ہاتھ بے اختیار اپنی جیبوں کی جانب چلے گئے' پھر اس نے سنبھل کر کہا۔

"تمہیں کیا۔۔۔؟"

"نکالو ورنہ اچھا نہیں ہوگا' نہیں چھوڑوں گا اولاد کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔"

"مگر کیسے کیسے' کچھ منہ سے تو پھوٹو۔۔۔؟"

"ابے سارا کیا دھرا چوپٹ کر دیا تین مہینے گیارہ دن کی محنت خاک میں ملا دی' ہائے اللہ ہم تو مر جائیں۔" آنے والے صاحب کے انداز میں اچانک ہی ڈھیلا پن پیدا ہو گیا' ان کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے' ٹیٹو کی سمجھ ہی میں کچھ نہیں آیا تھا' کیا کہتا بیچارہ حیرانی سے صورت دیکھتا رہ گیا آنے والے حضرت ایک لمحے کے لئے گردن جھکا کر افسردگی سے کھڑے رہے اور ایک بار پھر ان کے اندر جوش پیدا ہو گیا۔

"نہیں چھوڑوں گا' اولاد کی قسم نہیں چھوڑوں گا' ارے اسے کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری' ابے کچھ شرم وحیا ہے تمہارے اندر۔۔۔" اسی وقت گھنٹی بجی ٹیٹو کی اندر طلبی ہوئی تھی۔

"ایک منٹ رکو' ابھی آیا۔" ٹیٹو نے کہا اور اندر داخل ہو گیا۔

"مضطرب صاحب کو بلاؤ۔۔۔" ظفری نے ٹیٹو سے کہا' مگر جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ پروانہ صاحب دھڑ سے اندر داخل ہو گئے۔

"نہیں چھوڑوں گا' اولاد کی قسم بنوٹ جانتا ہوں۔" سعدی ظفری اور شکیلہ اچھل پڑے تھے۔ انہوں نے تعجب سے آنے والے کو دیکھا۔ ٹیٹو بھی چونک پڑا تھا پروانہ صاحب اس کی بغل سے گزر کر آگے بڑھ گئے۔ اور پھر اپنے مخصوص انداز میں بولے۔ "نہیں چھوڑوں گا۔ نہیں چھوڑوں گا۔"

"کون ہیں آپ۔۔۔؟" شکیلہ بولی۔

"احقر کو چمن گلاب پروانہ کہتے ہیں۔"

"مجھے تو آپ دیوانے لگتے ہیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"ابا کا ہمشکل ہوں۔ سب یہی کہتے ہیں۔"

"جی۔۔۔؟"

"نہیں چھوڑوں گا۔ اولاد کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔" پروانہ صاحب پھر غرائے اور ٹیٹو کو گھورنے لگے۔

"کیا قصہ ہے ٹیٹو' کون صاحب ہیں یہ۔۔۔؟" سعدی نے ٹیٹو کو گھورتے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں صاحب اچانک ہی گھس آئے اور کہنے لگے کہ نہیں چھوڑوں گا اولاد کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔ پھر چیلنج کرنے لگے کہ بھوت جانتے ہیں۔۔۔"

"تو پھر جھوٹ بول رہا ہوں میں۔۔۔ مگر مگر' ٹیٹو' ٹی ٹی۔۔۔ ٹی' ٹو ٹو ٹو۔" پروانہ صاحب ہکلانے لگے۔

"ہاں یہ ٹیٹو ہیں آپ کو کس سے ملنا ہے۔۔۔؟"

"وہ کہاں گئے آپ کے شاعر اعظم' مضطرب صاحب' اسے شرم نہیں آئی۔ انہیں غیر کی غزل مشاعرے میں پڑھتے ہوئے' اپنا نام چھپوالیا اخبار میں' ہم تو جیسے' ہم تو جیسے' نہیں چھوڑوں گا' اولاد کی قسم بالکل نہیں چھوڑوں گا۔۔۔"

"شادی شدہ ہیں آپ۔۔۔؟" ظفری نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"ایں نہیں کون کہتا ہے؟"

"پھر کس کی اولاد کی قسم کھا رہے ہیں؟"

"اماں چھوڑو' سارے کے سارے ایک جیسے لگتے ہو' میں کہتا ہوں وہ گئے کہاں' ذرا بلاؤ انہیں۔۔۔" پروانہ صاحب نے چیلنج کرنے والے انداز میں آنکھیں نچاتے ہوئے کہا' سعدی نے ٹیٹو سے کہا۔

"ٹیٹو جاؤ ذرا مضطرب صاحب کو بلا کر لاؤ۔۔۔" اور ٹیٹو باہر نکل گیا۔

"آپ تشریف رکھیے پروانہ صاحب۔۔۔"

"نہیں بیٹھوں گا۔" پروانہ صاحب غرا کر بولے اور سعدی' شکیلہ کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا' ٹیٹو نے شاید مضطرب صاحب کو کچھ بتایا نہیں تھا' بس طلبی کے بارے میں کہہ دیا تھا' مضطرب

صاحب اندر گھس آئے تو سعدی کہنے لگا۔

"مضطرب صاحب' آپ کے مہمان آئے ہیں۔"

"تو تم ہو' نہیں چھوڑوں گا اولاد کی قسم بالکل نہیں چھوڑوں گا۔" پروانہ صاحب اپنی جگہ سے اچھلے اور انہوں نے مضطرب صاحب کے سر پر ایک چپت لگا دی اور تھوڑے فاصلے پر جا کھڑے ہوئے' پھر وہاں سے دوڑ لگائی ایک بار پھر اچھلے اور مضطرب صاحب کے سر پر چپت لگا کر دوسری جانب نکل گئے اس طرح انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی چپتیں مضطرب صاحب کے سر پر لگا دیں اور مضطرب صاحب اس طرح بچنے لگے جیسے چیلیں ان کے سر پر جھپٹے مار رہی ہوں' سعدی' ظفری اور شکیلہ کا ہنستے ہنستے برا حال تھا' پروانہ صاحب اپنا دکھ تو بتا ہی چکے تھے اور مضطرب صاحب کے لئے یہ کام کوئی نیا نہیں تھا' اکثر اس قسم کی حرکتیں کھوپڑی پر چپت رسید کر کے دوسری جانب جا کر کرنے لگے تو ٹیٹو نے ان کی کمر پکڑ لی اور انہیں اس طرح اٹھا کر کندھے پر بٹھا لیا' پروانہ صاحب بری طرح اچھل رہے تھے۔۔۔

"نہیں چھوڑوں گا' خدا کی قسم نہیں چھوڑوں گا بس کہہ دیا میں نے اولاد کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔"

"تو پھر میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔۔۔" ٹیٹو نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اماں نیچے اتارو گر گیا تو ہڈیاں پسلیاں سرمہ ہو جائیں گی۔ آہ چھت سے تھوڑے ہی نیچے ہوا' اماں اتارو' میں کہتا ہوں نیچے اتارو۔۔۔"

"بیٹھو گے؟" ٹیٹو نے اوپر منہ کر کے کہا۔

"بیٹھوں گا۔۔۔"

"اچھلو گے تو نہیں۔۔۔"

"نہیں اچھلوں گا۔۔۔"

"تو پھر آؤ بیٹھ جاؤ شرافت سے کرسی پر۔۔۔" ٹیٹو نے کہا اور پروانہ صاحب کو کندھے

سے اتار کر کرسی پر رکھ دیا' پروانہ صاحب پھر مضطرب صاحب کی طرف گھوم گئے تھے اور مضطرب صاحب دونوں ہاتھ سر پر رکھے ہکا بکا کھڑے ہوئے تھے' ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا قصہ ہے' تب سعدی نے کہا۔۔۔

"جی' مضطرب صاحب' فرمایئے کیسے مزاج ہیں آپ کے۔۔۔؟"

"یہ کک۔۔۔کیا چیز ہے' یہ جھ۔۔۔۔جھپٹے۔۔۔" مضطرب صاحب نے ہکلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ نے حرکت ہی ایسی کی ہے' کوئی غزل پڑھی ہے آپ نے مشاعرے میں۔۔؟"

"جی۔۔۔" مضطرب صاحب کی آنکھیں حیرت سے نکل پڑیں۔۔۔

"جی ہاں' یہ چمن گلاب پروانہ ہیں اور آپ پر اپنی غزل کی چوری کا دعویٰ رکھتے ہیں۔۔۔"

"میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا جناب کیا قصہ ہے۔۔۔؟"

"ابے جیب کترے' صورت ہی سے لگتے ہو اور کہتے ہو سمجھ میں نہیں آ رہا' پہلے میری پاکٹ ماری اس میں سے دو سو اٹھائیس روپے نکال لئے' دھوبی کی رسید نکال لی اور ساتھ میری غزل بھی نکال لی اور پھر چوری اور سینہ زوری تو دیکھو کہ مشاعرے میں غزل بھی پڑھ ڈالی اخبار میں پتہ بھی چھپوا دیا میں کہتا ہوں' میں کہتا ہوں وہ غزل کیا تمہارے باپ کی تھی۔"

"تمہارے باپ کی تھی۔۔۔؟" مضطرب صاحب سنبھل کر غرائے۔

"تو اور کیا' جانتے ہو میرے باپ کا کیا نام تھا۔۔۔؟"

"میں کیا جانوں' تمہارا باپ تھا میرا تو کوئی نہیں تھا۔۔۔" مضطرب صاحب جھلا کر بولے۔

"ان کا نام بہار گلشن دیوانہ تھا' میرے بالکل ہمشکل تھے سمجھے غزل انہی کی تھی' میں نے بڑی احتیاط سے ورثے کے طور پر سنبھال کر رکھی تھی اور تین مہینے گیارہ دن تک میں نے اس میں

ردو بدل کی تھی' تب کہیں جا کر وہ اس قابل ہوئی کہ میں اسے مشاعرے میں پڑھ سکوں تو نے بیٹا میری جیب کاٹی اور اس کے ساتھ ساتھ غزل بھی مشاعرے میں پڑھ دی' نکالو دو سو اٹھائیس روپے ورنہ نہیں چھوڑوں گا اولاد کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔۔۔" پروانہ صاحب نے ایک بار پھر کرسی سے اٹھنے کی کوشش کی اور ٹیٹو نے دونوں ہاتھ دونوں سمت پھیلا دیئے چنانچہ پروانہ صاحبن کے جھاگ کی طرح نیچے بیٹھ گئے۔

"حضرات آپ ہی دیکھ لیجئے' میں ایک غریب شاعر ابا کی غزل تھی' میری اپنی ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی' بڑی محنت سے سنبھال کر رکھا ہے ان کی بیاض کو اور اس میں سے یہ غزل نکالی تھی' پھر دن رات محنت کر کے اسے اس قابل بنایا تھا کہ کسی مشاعرے میں پیش کر سکوں' ان حضرت نے میری جیب کاٹ لی' دو سو اٹھائیس روپے نکال لئے' دھوبی کی رسید نکالی اور غزل بھی نکال لی چلو یہ سب کچھ تو ہوا ہی تھا لیکن غزل مشاعرے میں پڑھ بھی دی اخبار میں نام بھی چھپوا لیا' مضطرب ہائے ہائے مضطرب نہیں چھوڑوں گا اولاد کی قسم بالکل نہیں چھوڑوں گا۔۔۔" ساری بات سعدی' ظفری اور شکیلہ کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ مضطرب صاحب کے چہرے ہی سے لگ رہا تھا کہ وہ چور ہیں کچھ جھینپے جھینپے سے نظر آنے لگے تھے' پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"سنیئے پروانہ صاحب' آیئے ذرا الگ چل کر معاملہ طے کر لیں۔"

"چھوڑوں گا نہیں' کہہ دیا ہے میں نے ایک بار اولاد کی قسم کھائی ہے' معمولی بات نہیں ہے چھوڑوں گا نہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مم۔۔۔۔مگر آپ اس بات پر یقین کیجئے میں جیب تراش نہیں ہوں۔"

"نہیں ہو' پھر میرے دو سو اٹھائیس روپے کہاں گئے۔۔۔؟"

"میں نہیں جانتا' آپ کا پرس کئی دن پہلے مجھے سڑک پر پڑا ہوا ملا تھا' ایک پیسہ بھی نہیں تھا اس میں بس یہ غزل تھی اور دھوبی کی رسید بھی تھی' وہ وہ میں نے وہیں پھینک دی اور یہ غزل' غزل

مجھے پسند آ گئی تھی' معافی چاہتا ہوں اس کے لیے انتہائی شرمسار ہوں۔۔۔"

"اے ہے شرمسار ہو' اخبار میں جا کر اطلاع کرو کہ میں شرمسار ہوں' شرمساری چھپواؤ' ابے میں کہتا ہوں چوری کی غزلیں پڑھتے ہوئے شرم نہیں آتی۔۔۔؟"

"اب آئے گی آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔۔۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"مضطرب صاحب' آپ پروانہ صاحب کو دو سو اٹھائیس روپے بلکہ دو سو پچاس روپے ادا کیجئے گا اور ان سے معافی بھی مانگیے اور توبہ کیجئے کہ آئندہ چوری کی غزل نہیں پڑھی جائے گی' ورنہ ہم اخبار میں یہ بات چھپوائیں گے کہ یہ غزلیں پروانہ صاحب بلکہ چمن گلاب پروانہ کے والد بزرگوار' مرحوم۔۔۔۔؟" سعدی نے پروانہ صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پروانہ صاحب نے اثبات میں گردن ہلا دی ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی نظر آنے لگی تھی پھر انہوں نے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں' مر چکے ہیں بیچارے۔۔۔۔"

"تو یہ غزل پروانہ صاحب کے والد' بہار گلشن دیوانہ کی تھی جو آپ نے غلطی سے مشاعرے میں پڑھ دی سمجھ رہے ہیں ناں آپ۔۔۔؟"

"جج۔۔۔جی ہاں سمجھ رہا ہوں۔۔۔۔"

"تو نکالیے ڈھائی سو روپے۔۔۔۔" سعدی نے کہا اور مضطرب صاحب نے جیب کے اندرونی حصے میں ہاتھ ڈال کر نوٹ نکالے سو سو کے نوٹ تھے پچاس کا کوئی نوٹ نہیں تھا ان کے پاس' انہوں نے تین سو روپے نکالنے کے بعد دو سو روپے ایک ہاتھ میں پکڑے اور پروانہ صاحب سے بولے۔

"سو کا کھلا ہے آپ کے پاس۔۔۔؟"

"نہیں ہے' صرف دو روپے پڑے ہیں جو واپسی کے لئے کرائے کے ہیں۔۔۔"

"تت۔۔۔تو پھر کیا کیا جائے۔۔۔؟"

"چلئے تین سو روپے دے دیجیے۔۔۔" سعدی نے کہا اور مضطرب صاحب کا منہ لٹک گیا پھر انہوں نے تین سو روپے پروانہ صاحب کے حوالے کر دیئے تھے۔۔۔ پروانہ صاحب اب بھی مضطرب صاحب کو گھور رہے تھے' پھر انہوں نے کہا۔

"ابا کی غزل تھی' میری ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی اور وہ دھوبی کی رسید؟"

"دھوبی سے بات کر لیجئے گا آپ ویسے بھی چہرے سے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں' رسید کے بغیر بھی وہ آپ کے کپڑے دے دے گا۔" ظفری نے انہیں چمکارتے ہوئے کہا۔

"وہ تو خیر ٹھیک ہے' کپڑے تو میں لے بھی چکا ہوں چلئے ٹھیک ہے' آئندہ ایسی حرکت سے گریز فرمائیے گا۔"

"والد صاحب کی بیاض میں اور بھی غزلیں ہوں گی۔۔۔" ظفری نے پوچھا۔

"پورا دیوان ہے۔" پروانہ صاحب مسکرا کر بولے اب ان کا موڈ بحال ہو گیا تھا۔

"تو ایک ایک کر کے یہ غزل بازار میں پھینکتے رہیے آپ کو تین سو روپے فی غزل کے حساب سے معاوضہ مل جایا کرے گا۔۔۔" پروانہ صاحب کسی سوچ میں ڈوب گئے پھر انہوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اچھا کاروبار ہے سوچوں گا' سوچوں گا آپ' آپ کو کچھ اور غزلیں تو نہیں چاہئیں۔۔۔؟"

"اماں جاؤ ورنہ کیا فائدہ میری بھی کھوپڑی گھوم گئی تو۔۔۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"چوری کریں گے تو یہی نتیجہ ہوگا۔" پروانہ صاحب نے عجیب سے انداز میں لچکتے ہوئے کہا اور شکیلہ ہنس ہنس کر دوہری ہو گئی' بمشکل تمام پروانہ صاحب کو ٹیٹو نے کمر سے پکڑ کر کمرے کے باہر اور پھر دفتر کے دروازے کے باہر دھکیلا تھا' مضطرب صاحب مسمسی سی شکل بنائے بیٹھے ہوئے تھے' ساری خوشی کافور ہو گئی تھی' پتہ نہیں کس کمبخت کا منہ دیکھ لیا تھا صبح ہی صبح' تین سو روپے کا نقصان بھی ہوا تھا' بے عزتی الگ ہوئی تھی' سعدی اور ظفری نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"جی مضطرب صاحب تو رات کو آپ مشاعرے میں شریک تھے۔"

"ج ۔۔۔۔۔جی ہاں جناب بدقسمتی سے یہ سب کچھ ہو گیا' مگر غزل بہت اچھی تھی اگر پروانہ صاحب کے والد صاحب کی بھی تھی تو بلاشبہ دیوانہ صاحب بہت اچھے شاعر تھے۔"

"ایک بات بتایئے تخلص نہیں تھا اس میں ۔۔۔؟"

"تخلص ہوتا تو یہ مصیبت ہی کیوں پیش آتی ۔۔۔" مضطرب صاحب نے مضمحل لہجے میں کہا۔

"جایئے آئندہ خیال رکھیے گا ۔۔۔"

"سیکھے دو سو روپے اور بچے ہیں میرے پاس ۔۔۔" مضطرب صاحب بولے۔

"تو پھر ۔۔۔؟"

"آپ کا کچھ کھانے پینے کا ارادہ ہو تو منگوا دوں ۔۔۔"

"مطلب کیا ہے آپ کا ۔۔۔؟"

"ایک عرض کرنا چاہتا تھا ۔۔۔"

"کیا ۔۔۔؟"

"مطلق صاحب کو نہ بتایئے ویسے ہی رات سے ان کے اور میرے تعلقات کشیدہ ہو گئے ہیں' دراصل مشاعرے میں مجھے کچھ ضرورت سے زیادہ ہی داد مل گئی تھی اور آج کے اخبار نے میرا نام اور پتہ وغیرہ چھاپ دیا تھا' غلطی ہو گئی اگر پتہ نہ دیتا تو یہ مشکل پیش نہ آتی لیکن اب جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی گیا ہے آپ سے درخواست ہے کہ مطلق صاحب کو اس بارے میں اطلاع نہ دیجیے' اب اپنے قدیم تعلقات کی بناء پر یہ درخواست کر رہا ہوں اور جواب چاہتا ہوں ۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔ مطلق صاحب کو نہیں بتایا جائے گا۔" ظفری نے کہا اور جب مضطرب صاحب باہر نکل گئے تو تینوں پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنسنے لگے واقعی بڑا دلچسپ لطیفہ ہو گیا تھا صبح کا آغاز بڑا دلچسپ ہوا تھا۔ کاروباری طور پر بھی یہ دن ان کے لئے منافع بخش رہا۔ اس واقعے کے کچھ دیر بعد

ہی ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور سعدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے کسی خاتون کی آواز سنائی دی تھی ۔۔۔

"معاف کیجئے گا آپ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے بول رہے ہیں ۔۔۔"

"جی ۔۔۔ فرمایئے خیریت ہے ۔۔۔"

"مجھے علم ہوا ہے کہ یہ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ ہے۔ اور آپ لوگ معاوضہ لے کر مشکل میں پھنسے ہوئے افراد کی مدد کرتے ہیں ۔۔۔"

"یہ گفتگو آپ ٹیلیفون کے بجائے ہمارے دفتر آ کر نہیں کر سکتیں خاتون ۔۔۔"

"کچھ مجبوریاں ہیں جناب ۔۔۔ جن کی بنا پر یہ ممکن نہیں ۔۔۔"

"خیر فرمایئے ۔۔۔ کیا تکلیف ہے آپ کو ۔۔۔؟" سعدی نے پوچھا ۔۔۔

"میں ایک بے گناہ کی زندگی بچانا چاہتی ہوں۔ ایک ایسا نوجوان موت کی دہلیز پر کھڑا ہوا ہے جس نے اپنی پوری زندگی میں کوئی جرم نہیں کیا۔ لیکن اسے ایک قتل کے الزام میں پھانس لیا گیا ہے۔ اور اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اگر آپ اس کی مدد کر سکیں تو میں آپ کا وہ تمام معاوضہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں جو آپ کے ہاں مخصوص ہے۔"

"میڈم آپ نے بڑے اچھے وقت ہم سے رابطہ قائم کیا ہے۔ کیونکہ ابھی تک ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ میں کلیئرنس سیل چل رہی ہے۔ ہم صرف پچیس ہزار روپے معاوضہ لے کر مشکلات میں پھنسے ہوئے لوگوں کی مدد کرتے ہیں جبکہ اب تھوڑے ہی عرصے کے بعد معاوضے بڑھنے والے ہیں۔ دیکھئے نا مہنگائی کا دور ہے۔ رات کو ایک چیز کی قیمت سو روپے ہوتی ہے صبح کو ڈیڑھ سو روپے۔ کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ صارفین کو بس اطلاع ملتی ہے کہ اب یہ شئے انہیں اس قیمت میں دستیاب ہو گی۔ اور وہ بیچارے دن بھر کلستے رہتے ہیں۔ پہلے دن اس شئے کو نہیں خریدتے۔ دوسرے دن اپنے آپ کو تیار کرتے ہیں۔ اور پھر تیسرے دن بحالت مجبوری اسے خرید لیتے ہیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ آئندہ ماہ اس کی قیمت یقینی طور پر ڈیڑھ سو روپے سے بڑھ چکی ہو گی۔"

"اتنی باتیں کرنے کی بجائے اگر آپ صرف کام کی باتیں کرتے تو کیا حرج تھا۔"

"جی بالکل ہم اپنے گاہکوں سے ہمیشہ ان کی پسند کی گفتگو کرتے ہیں۔ تو ہمارا معاوضہ پچیس ہزار روپے مگر اخراجات آپ کو ادا کرنے ہوں گے اور پوری ایمانداری کے ساتھ ان کی رسید پیش کی جائے گی۔۔۔"

"معاوضہ کچھ بھی ہو اخراجات کچھ بھی ہوں آپ معاوضے اور اخراجات کے بجائے یہ بات کیجئے کہ آپ ہماری مدد کرنے کے لئے تیار ہیں۔۔۔"

"دل و جان سے خاتون۔۔۔ لیکن ایک بار پھر یہی عرض کیا جائے گا کہ اگر آپ براہ راست ملاقات کر لیتیں تو بہتر تھا۔۔۔"

"ابھی یہ ممکن نہیں لیکن آپ کا معاوضہ پچیس ہزار آپ کو پیشگی ادا کر دیا جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک بڑی رقم کا چیک بھی جسے آپ اخراجات کے طور پر خرچ کر سکیں گے ایسا طریقہ کار دریافت کر لیا جائے گا جس سے آپ کے اور میرے درمیان ٹیلیفون پر رابطہ رہے گا۔ اور آپ مجھ سے اپنی ضرورت کے مطابق معلومات حاصل کر سکیں گے۔" سعدی نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔۔۔

"ان حالات میں بھی کام برا نہیں رہے گا۔ اب آپ ذرا تفصیل فرما دیجئے۔ کون ہے وہ بے گناہ نوجوان جسے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔۔۔"

"اس کا نام راحیل قریشی ہے۔۔۔"

"اوہو شاید مجھے یاد آ گیا ہے۔۔۔ اخبار میں اس شخص کے بارے میں خبر پڑھی تھی۔ اس نے غالباً کسی بزنس مین جمال الدین خان کو قتل کر دیا تھا۔۔۔"

"جی میں بالکل اسی کی بات کر رہی ہوں۔ حقیقت میں وہ نوجوان قاتل نہیں ہے۔ بلکہ اسے قتل کے الزام میں پھنسایا گیا ہے آپ اگر اس سلسلے میں تفتیش کریں گے تو آپ کو یقینی طور پر حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ پولیس کے معاملات آپ جانتے ہی ہیں۔ اول تو وہ اس قسم کے کاموں

میں دلچسپی نہیں لیتی جس میں اسے کوئی خاص فائدہ نہ حاصل ہو رہا ہو اور خاص فائدہ حاصل ہو جائے تو پھر قاتل وہ ہوتا ہے جو کچھ لوگوں کی پسند کا ہو۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہیں آپ۔۔۔"

"جی بالکل بالکل۔۔۔ ظاہر ہے ہمارا واسطہ دن رات پولیس سے رہتا ہے۔"

"تو اب سے تھوڑی دیر کے بعد آپ کے پاس آپ کا معاوضہ اور وہ رقم پہنچ جائے گی جو اخراجات کے لئے ہو گی۔۔۔"

"ٹھیک ہے آپ کا کیس فوری طور پر رجسٹرڈ کر لیا جاتا ہے اور اب آپ یہ فرمایئے کہ آپ سے اس سلسلے میں رابطے کیسے ہو سکیں گے۔۔۔"

"میں دن میں تین بار آپ کو ٹیلیفون کروں گا۔ صبح گیارہ بجے دوپہر کو دو بجے اور شام کو جس وقت بھی آپ فرمائیں۔۔۔"

"شام کو میرا خیال ہے پانچ بجے ٹھیک رہے گا۔۔۔"

"یہ ٹیلیفون میں آپ کو کر کے آپ سے صورتحال معلوم کر لوں گی۔ اور جو ذمہ داری آپ میرے سپرد کرنا چاہیں گے اس کی تکمیل کروں گی۔۔۔"

"بے حد شکریہ۔ اب ہم رقم کا انتظار کر رہے ہیں۔۔۔" سعدی نے کہا اور دوسری طرف سے فون بند ہو گیا۔ ظفری اور شکیلہ سوالیہ نگاہوں سے سعدی کو دیکھ رہے تھے۔ سعدی نے انہیں تمام حقیقت بتائی اور ظفری ہونٹ سکیٹر کر خاموش ہو گیا۔ شکیلہ نے کہا۔۔۔

"معاملہ دلچسپ ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ایک نیا تجربہ بھی۔" زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ٹیٹو ایک ایسے شخص کو پکڑ کر اندر لے آیا جو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کر رہا تھا۔ بیوقوف سا سیدھا سادھا آدمی تھا۔ سعدی نے اس سے پوچھا۔۔۔

"کیا تکلیف ہے بھائی تجھے۔ ٹیٹو اسے کیوں لائے ہو۔۔۔؟"

"سر دروازے سے اندر داخل ہوا اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ ڈی ڈی ٹی کہاں ہے۔۔۔"

"ہوں۔۔۔ کیا بات ہے بھئی۔۔۔؟"

"جی ڈی ڈی ڈی یہی ہے نا۔۔۔؟"

"ہاں یہی ہے۔۔۔"

"آپ انہیں جانتے ہیں جو برقعہ پہنتی ہیں۔۔۔؟"

"اچھی طرح جانتے ہیں۔" ظفری نے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔

"نیچے ملیں تھیں مجھے دس روپے کا نوٹ مجھے دیا اور یہ لفافہ کہنے لگیں کہ اسے ڈی ڈی ڈی ڈی میں پہنچا دیا جائے یہ دس روپے میرے۔ تو صاحب یہ لفافہ آپ کا۔۔۔"

"ہوں دکھاؤ۔۔۔" ظفری نے لفافہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ لفافہ بادامی رنگ کے موٹے کاغذ کا تھا۔ اور کافی وزنی نظر آ رہا تھا۔۔۔ ظفری نے اسے تھوڑا سا کھول کر دیکھا اور پھر جلدی سے بند کر دیا پھر اس نے اس شخص سے کہا۔۔۔"

"بالکل ٹھیک۔۔۔ یہ ہماری ہی ہے۔۔۔ لو یہ دس روپے تم ہم سے بھی لو۔ بہت بہت شکریہ تمہارا۔" سعدی اور شکیلہ تعجب سے ظفری کو دیکھ رہے تھے۔ ٹیٹو اس شخص کو لے کر باہر چلا گیا۔ تو سعدی نے سوالیہ انداز میں ظفری سے اس لفافے کے بارے میں پوچھا۔ اور ظفری نے لفافہ پورا پھاڑ دیا۔ پچیس ہزار روپے کے نوٹ ایک طرف رکھے ہوئے تھے۔ اور ہزار ہزار کے نوٹوں کی ایک گڈی الگ موجود تھی۔ یقینی طور پر یہ پورے ایک لاکھ روپے تھے اور پچیس ہزار الگ۔ ظفری نے گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔۔۔"

"یقیناً یہ انہی نیک اور ایماندار خاتون کا کارنامہ ہے جو برقعہ اوڑھتی ہیں۔ شکیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔۔۔

اتنا کھرا اور نقد سودا غالباً اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ اور اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آسامی بھی ذرا جاندار ہے۔

"تو پھر دیر کس بات کی۔ کام شروع کر دیا جائے۔ کلئیرنس سیل میں یہ آخری کیس ہے۔" سعدی نے کہا اور پھر وہ سنجیدہ ہو گئے۔ چند ہی روز پہلے جمال الدین خان کے قتل کے

بارے میں اخبار میں ایک خبر چھپی تھی۔ جو پورا اخبار جانتے ہوئے ان کی نگاہوں سے گزری تھی۔ لیکن ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی جس پر یہ بھرپور توجہ دیتے۔ لیکن اب صورتحال بدل گئی تھی۔ مضطرب صاحب یعنی ریکارڈ کیپر کو طلب کیا گیا اور اخبارات کا فائل نکلوا لیا گیا۔ بات چونکہ زیادہ پرانی نہیں تھی اس لئے وہ خبر فوراً ہی انہیں مل گئی۔ اور وہ سب اس پر جھک گئے۔ خبر بہت مختصر تھی اور صرف اتنا لکھا ہوا تھا کہ جمال الدین خان نامی ایک شخص کو اس کے میڈیکل ہاؤس میں قتل کر دیا گیا یہ کیس دن دہاڑے ہوا تھا۔ قاتل راحیل انور رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ پولیس کو قتل کی وجوہات نہیں معلوم ہو سکیں۔ تفتیش کی جا رہی ہے۔ اس خبر سے کوئی ایسی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی تھی لیکن اس کے بعد جو کاروائی انہیں کرنا تھی اس پر تھوڑی دیر تک گفتگو ہوئی پھر سعدی اور ظفری شکیلہ کو ہدایت دے کر وہاں سے نکل آئے۔ جس علاقے میں قتل کی واردات ہوئی تھی اس کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔ اور پھر اس سلسلے میں فوق صاحب ہی کا سہارا لیا جا سکتا تھا۔ فوق صاحب سے ان کی تھوڑے دن پہلے شناسائی ہوئی تھی۔ بڑے اچھے اور تجربے کار وکیل تھے لیکن بدقسمت بھی تھے۔ کہ ان کی وکالت بہت زیادہ نہیں چلتی تھی۔ سعدی اور ظفری نے ان سے دوستی کر لی تھی۔ ویسے بھی ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو اپنے معاملات میں ایک وکیل کی کمی ہمیشہ ہی محسوس ہوئی تھی۔ فوق صاب کے سپرد یہ ذمہ داری لگائی گئی تھی یہ لوگ جو کچھ بھی کریں وہ اس میں ایک وکیل کی حیثیت سے ان کی معاونت کریں۔ اس کا معاوضہ انہیں ادا کیا جائے گا۔ چنانچہ فوق صاحب ساری صورتحال سننے کے بعد تیار ہو گئے اور پھر ضروری معلومات حاصل کرنے میں بہت زیادہ دقتیں پیش نہیں آئیں۔ علاقے کے تھانے میں پہنچ گئے جہاں انچارج انسپکٹر مراد علی تھا۔ مراد علی کافی سخت مزاج آدمی تھا لیکن فوق صاحب کا شناسا بھی تھا۔ چنانچہ تھوڑی سی دیر کے بعد ان تینوں کو راحیل انور سے ملاقات کی اجازت مل گئی۔ جو ابھی تک لاک اپ ہی میں تھا۔ کیونکہ کیس کی تفتیش مکمل نہیں ہوئی تھی۔ نوجوان اور خوبصورت سا آدمی تھا۔ بری طرح تباہ حال نظر آ رہا تھا۔ چہرہ سفید پڑا ہوا تھا۔ داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور آنکھوں میں خوف کے آثار تھے۔ فوق صاحب نے جب اس سے کہا کہ وہ اس کی وکالت

کرنا چاہتے ہیں تو وہ بلک بلک کر رو پڑا۔۔۔

"کیا ملے گا آپ کو میری وکالت کر کے۔ میں تو آپ کی فیس بھی ادا نہیں کر سکوں گا۔ کوئی اتنا نہیں ہے جو میری خبر گیری کر سکے یا میرے سلسلے میں کوئی معاوضہ ادا کر سکے۔۔۔"

"میں تمہارے حالات جاننا چاہتا ہوں۔" فوق صاحب نے کہا۔

"بس یوں سمجھ لیجئے کہ زمانے کی تباہ حالیوں کی منہ بولتی تصویر ہوں۔ ایک ماں ہے میری دو جوان بہنیں ہیں اور میں ہوں ان سب کی کفالت کر رہا ہوں۔ تین سال سے بے روزگار پھر رہا تھا۔ ابھی کوئی تین ماہ پہلے ملازمت ملی ہے تو تقدیر نے یہ کھیل کھلا دیا۔"

"جمال الدین خان سے تمہاری کب سے شناسائی تھی۔۔۔؟"

"شناسائی تھی ہی نہیں جناب۔ بس جہاں میں ملازمت کرتا تھا وہاں جمال الدین صاحب آتے جاتے رہتے تھے۔ میری فرم کے مالک رضا ہاشمی صاحب نے مجھے اس وقت جمال الدین خان کے پاس بھیجا تھا اور کہا تھا کہ جمال الدین خان صاحب جو کچھ دیں اسے احتیاط سے ان تک پہنچا دیا جائے۔ میں جمال الدین خان صاحب کے پاس پہنچا اور جس وقت میں دفتر میں داخل ہوا تو وہ اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دفتر میں اس وقت اور کوئی نہیں تھا۔ لیکن چند قدم ہی آگے بڑھنے کے بعد جب میں ان کی میز کے سامنے پہنچا تو مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ وہ احساس یہ تھا کہ جمال الدین خان صاحب کی آنکھیں پتھرائی ہوئی ہیں۔ پھر میں نے میز کے پاس ایک پستول پڑا ہوا پایا اور بے اختیارانہ انداز میں اسے اٹھا لیا۔ مجھے فوراً ہی یہ احساس ہو گیا کہ جمال الدین خان صاحب کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ اسی وقت ان کی سیکریٹری ایک خاتون اندر داخل ہوئی اور انہوں نے مجھے دیکھا پھر جمال الدین خان صاحب کو میرے ہاتھوں میں پستول دیکھ کر ہی وہ خوفزدہ ہو گئی تھیں اور انہوں نے شور مچا دیا تھا۔ چنانچہ مجھے گرفتار کر کے پولیس کے حوالے کر دیا۔ اس وقت تو مجھے یہ علم بھی نہیں ہو سکا تھا کہ اسی پستول سے جمال الدین خان صاحب کو گولی ماری گئی ہے۔" فوق صاحب نے یہ تمام کارروائی سنی۔ سعدی اور ظفری بھی خاموشی سے اس کا بیان سن

رہے تھے۔ پھر سعدی نے سوال کیا۔۔۔

"آپ کی فرم کے مالک رضا ہاشمی صاحب کا جمال الدین خان سے کیا تعلق تھا۔۔؟"

"یہ بھی میں نہیں جانتا لیکن ایک ہی دن پہلے جمال الدین خان صاحب، رضا ہاشمی صاحب کے دفتر میں آئے تھے اور وہاں ان کے درمیان کوئی تلخی بھی ہو گئی تھی۔۔۔"

"ہوں، ٹھیک اور کوئی ایسی بات جو تم رضا ہاشمی صاحب کے بارے میں بتا سکتے ہو۔؟"

"جی اور کچھ نہیں۔" راحیل انور نے کہا۔

"اپنے گھر کا پتہ بتاؤ۔" سعدی نے پوچھا اور راحیل انور نے اپنے گھر کا پتہ بتاتے ہوئے کہا۔۔۔

"جناب عالی میں نے پولیس سے درخواست کی ہے کہ میری ماں اور بہنوں کو میرے بارے میں ابھی کچھ نہ بتایا جائے۔ میں نے صرف ایک اطلاع بھجوا دی ہے وہاں وہ یہ کہ میں دفتر کے کام سے کہیں باہر جا رہا ہوں۔ خدا کے لئے آپ ابھی ان لوگوں کو یہ سب کچھ نہ بتائیں۔ میری تقدیر کا فیصلہ ہو جانے دیں۔ اس کے بعد انہیں خود بخود پتہ چل جائے گا۔۔۔"

"اطمینان رکھو تمہاری اس خواہش پر عمل کیا جائے گا۔" وہاں سے باہر نکلنے کے بعد فوق صاحب سعدی اور ظفری کے ساتھ ایک ریستوران میں آ بیٹھے۔ اور انہوں نے کہا۔۔۔

"یہ رضا ہاشمی اس سلسلے میں ذرا مشکوک معلوم ہوتا ہے۔ راحیل انور کے بیان کے مطابق اس کے جمال الدین خان کے درمیان کوئی تلخی بھی ہوئی تھی اور اس نے ایسے انداز میں راحیل انور کو وہاں بھیجا تھا جس سے جس سے۔۔۔" فوق صاحب خاموش ہو گئے۔ ظفری کہنے لگا۔۔۔

"ویسے آپ کے خیال میں فوق صاحب، راحیل انور قاتل نظر آتا ہے۔۔۔"

"میاں یہ بات چھوڑو۔ جو کچھ نظر آتا ہے۔ بعض اوقات بالکل نہیں ہوتا اور جو نظر نہیں آتا وہ ہوتا ہے۔ اس کے بجائے ہمیں ثبوت حاصل کرنا چاہئیے۔۔۔"

"خاصہ پراسرار معاملہ ہے راحیل انور کا اس طرح غریب ہونا کہ اس کے اہل خاندان کی کفالت بھی نہ ہو سکے اور اس کے بعد کوئی خاتون اس پر ایک لاکھ پچیس ہزار روپے خرچ کر دیتی ہیں۔ یہ کیا قصہ ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ بھئی وکالت ہم کر سکتے ہیں جاسوسی کرنا تمہارا کام ہے۔ ویسے ہماری تمام خدمات تمہارے لئے حاضر نہیں جو کچھ بھی کرو اس سلسلے میں ہم سے رابطہ رکھو۔" سعدی ظفری نے گردن ہلا دی ظاہر ہے فوق صاحب اور کیا کر سکتے تھے لیکن راحیل انور سے ملاقات کرنے کے بعد انہیں بھی اس بات کا اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے کسی جال میں پھانسا گیا ہے۔ یہ جال کس طرف ہو سکتا ہے اس کا اندازہ لگانا ضروری تھا کچھ دیر تک وہ خاموشی سے اس مسئلے پر غور کرتے رہے پھر سعدی نے کہا۔۔۔

"فوق صاحب آپ کے ماتحت کی حیثیت سے اگر ہم میں سے کوئی رضا ہاشمی سے ملے تو آپ کو اعتراض تو نہیں ہوگا۔۔۔؟"

"اس میں اعتراض کا کیا سوال ہے۔ ویسے میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ رضا ہاشمی کو ٹٹولنا ضروری ہے۔"

"تو پھر یوں کرو سعدی کہ تم رضا ہاشمی سے مل کر صورتحال معلوم کرو میں دفتر چلا جاتا ہوں اور شکیلہ سے اس موضوع پر گفتگو کر کے ہم کوئی اور عمل کریں گے۔" سعدی نے اس بات کو قبول کر لیا تھا۔ رضا ہاشمی ایک تقریباً اڑتیس اور چالیس سال کی عمر کا شخص تھا۔ چہرے سے ہی خاصہ مغرور نظر آتا تھا۔ اس نے سعدی کو سپاٹ سی نگاہوں سے دیکھا۔۔۔

"جی فرمایئے۔۔۔"

"معاف کیجئے گا ہاشمی صاحب میرا تعلق فوق احمد ایڈووکیٹ سے ہے اور فوق احمد صاحب نے آپ کے دفتر کے ایک ملازم راحیل انور کی وکالت قبول کر لی ہے۔ چنانچہ ہم اس سلسلے میں آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" رضا ہاشمی کا موڈ بگڑ گیا اس نے کہا۔۔۔

"میں نے پولیس کو جو بیان دینا تھا وہ دے دیا۔ اس سلسلے میں، میں فضول باتوں میں

نہیں پڑنا چاہتا۔۔۔"

"نہیں جناب قانونی طور پر آپ کو ہمارے سوالات کے جواب دینا ضروری ہوں گے۔۔۔"

"یہ جواب میں عدالت میں دے لوں گا شاید تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ جمال الدین خان میرا دوست تھا اور راحیل انور میرا ادنیٰ سا ملازم۔۔۔"

"سنا یہ گیا ہے کہ راحیل انور بہت تھوڑے دن پہلے یہاں ملازم ہوا تھا۔۔۔"

"ہاں اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ وہ کسی منصوبے کے تحت ہی میرے دفتر میں آیا ہو۔۔۔"

"کیا آپ نے ملازمت کا کوئی اشتہار دیا تھا۔"

"نہیں بیوقوفی کی تھی۔" رضا ہاشمی نے جواب دیا۔۔۔

"جی میں سمجھا نہیں۔۔۔"

"وہ مجھے سر راہ مل گیا تھا۔ میری گاڑی خراب ہو گئی تھی اور اسٹارٹ نہیں ہو رہی تھی اس وقت وہی سامنے تھا۔ میں نے اس سے گاڑی میں دھکا لگانے کی فرمائش کی۔ اور جب گاڑی اسٹارٹ ہو گئی تو میں نے اس سے ازراہ ہمدردی کہا کہ اگر وہ کہیں جانا چاہتا ہے تو میں اسے چھوڑ دوں۔ وہ میرے ساتھ ہی گاڑی میں آ بیٹھا۔ اور وہیں دوران گفتگو مجھے پتا چلا کہ وہ تعلیم یافتہ نوجوان ہے۔ اور بہت عرصے سے بے روزگار۔ بس حماقت ہو گئی۔ میں نے اسے اپنے دفتر میں بلایا اور اسے ملازمت دے دی۔۔۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے اسے جمال الدین خان کے ہاں کسی کام سے بھیجا تھا۔"

"بکواس ہے جھوٹ ہے۔ اس دن وہ نوکری پر سرے سے آیا ہی نہیں تھا۔۔۔"

"اس سے زیادہ آپ اس کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔۔۔؟"

"میں نے کہا نا کہ میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتا۔ پولیس کو اطلاع دے دی گئی ہے۔ قاتل گرفتار ہو چکا ہے۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوگا اگر عدالت کو میری

ضرورت پیش آئی تو میں اسے تفصیلات بتا دوں گا۔ اس سے زیادہ میں تمہارے ساتھ اور کوئی تعاون نہیں کر سکتا۔۔۔"

"بے حد شکریہ رضا ہاشمی صاحب۔ بہر طور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر بھی آپ کو ذرا سا غور کرنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے راحیل انور بے گناہ ہو۔۔۔"

"تمہارے پاس اگر زیادہ وقت ہے تو کہیں اور صرف کرو میں معذرت چاہتا ہوں اب تم جا سکتے ہو۔" سعدی خاموشی سے رضا ہاشمی کے دفتر سے اٹھ گیا لیکن اس کے لئے وہ دل میں اچھے جذبات نہیں لایا تھا۔ دفتر پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ دو بجے ان خاتون کا ٹیلیفون دوبارہ آیا تھا۔ شکیلہ سے گفتگو ہوئی۔ شکیلہ نے انہیں ٹٹولنے کی کوشش کی لیکن کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ بعد میں ان لوگوں کے درمیان کافی دیر تک اس سلسلے میں میٹنگ ہوتی رہی۔ جاسوسوں کو بہتر طور جاسوسی کے لئے تھوڑی سی بے عزتی بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ شکیلہ کے سپرد ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ رضا ہاشمی کے اردگرد چکر لگائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی یہ بھی طے ہوا کہ راحیل انور کی خواہش اپنی جگہ لیکن اس کے گھر والوں سے ملاقات کر کے انہیں صورتحال بتانا ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں سے راحیل انور اور جمال الدین خان کے درمیان رابطے کا کوئی پتہ چل سکے۔ یہ ذمہ داری بھی شکیلہ ہی کے سپرد کی گئی تھی۔ پھر شکیلہ نے دو رپورٹیں ایک ساتھ ہی پیش کیں۔ دوسرے دن وہ خاص متجسس نظر آتی تھی۔ مقررہ وقت پر یہ سب ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر میں جمع ہو گئے۔ یہاں کے معاملات بخیر وخوبی چل رہے تھے شکیلہ کے چہرے پر سنسنی کے آثار دیکھ کر سعدی نے کہا۔

"یقیناً تم کوئی بہت ہی اہم انکشاف کرنے والی ہو۔۔۔"

"سو فیصدی۔" شکیلہ نے کہا۔

"کیا کل کی رپورٹ یقیناً شاندار ہوگی۔۔۔"

"ہاں۔ سب سے پہلے میں راحیل انور کے گھر پہنچی' اس کی دونوں بہنیں بہت اچھی طرت کی مالک ہیں۔ ماں بوڑھی ہے اور بینائی کھو چکی ہے۔ وہ گھر بلاشبہ کسمپرسی کا شکار نظر آتا ہے۔ اس کی بڑی بہن لبنیٰ نے میری بہت اچھی خاطر مدارت کی اور میں نے اس سے راحیل انور

کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں۔ راحیل انور نے ایم۔ اے پاس کیا ہے۔ اور اس کے بعد مسلسل بے روزگاری کا شکار رہا ہے۔ گھر کے حالات بہت زیادہ خراب ہو گئے ہیں۔ میں نے لبنیٰ سے اور بھی بہت سی باتیں کیں اور پھر اسے یہ افسوسناک خبر سنا دی۔ دونوں بہنیں اس خبر کو سن کر دنگ رہ گئی تھیں۔ انہوں نے بھی یہی درخواست کی کہ ماں کو نہ بتایا جائے لیکن ان بیچاریوں کی بری حالت ہو گئی ہے۔ میں نے انہیں بہت تسلیاں دی ہیں۔ اور کہا ہے کہ وہ اس بات کو اپنے تک محدود رکھیں اور ابھی راحیل انور کے سلسلے میں کسی کو کچھ نہ بتائیں۔ میں ان سے ملاقات کرتی رہوں گی۔ اور پھر جناب سعدی صاحب ایک اور ایسی کارروائی ہوگئی جو میرے لئے بڑی کام کی ثابت ہوئی۔۔۔"

دونوں نے بے صبری سے سوال کیا۔۔۔۔۔"وہ کیا؟"

"میں نے راحیل انور کی تصاویر وغیرہ دیکھنے کی فرمائش کی اور لبنیٰ نے اس سلسلے میں مجھ سے تعاون کیا۔ تصویروں کا ایک ہی البم تھا ان کے پاس۔ جس میں ان کی خاندانی تصویریں ہوتی تھیں۔ لیکن انہیں میں' میں نے ایک اور شکل بھی دیکھی۔ جس کے بارے میں' میں نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ یہ تصویر راحیل انور کے ساتھ ہی ایک خاتون کی تھی جو اچھی شکل وصورت کی مالک تھیں۔ بہر طور میں نے اس وقت اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ بعد میں' میں رضا ہاشمی صاحب کے گھر پہنچی اور رضا ہاشمی صاحب کی غیر موجودگی میں ان کی بیگم صاحبہ سے ملی۔ بیگم صاحبہ رضا ہاشمی کی نسبت کافی کم عمر خاتون ہیں۔ چہرے ہی سے غمزدہ لگ رہی تھیں اور عجیب الجھی الجھی سی تھیں۔ میں نے ان سے اپنا تعارف ایک وکیل کی اسسٹنٹ کی حیثیت سے کرایا تھا۔ اور رضا ہاشمی صاحب کے دفتر میں ہونے والے قتل کے بارے میں انہیں بتایا۔ یہ بھی درخواست کی کہ رضا ہاشمی کو میری یہاں آمد سے لاعلم رکھا جائے۔ بہر حال نہ انہوں نے راحیل انور سے کسی شناسائی کا اظہار کیا اور نہ رضا ہاشمی کے بارے میں کوئی ایسی بات کہی۔ اپنے معاملات بتانے سے انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ البتہ ایک اہم بات جو اس سلسلے میں ہوئی وہ آپ کے لئے یقیناً باعث دلچسپی ہوگی۔۔۔"

"کیا۔۔۔؟"

"یہ خاتون وہی تھیں جن کی تصویر میں نے راحیل انور کے البم میں دیکھی تھی۔ یعنی راحیل انور کے ساتھ۔" سعدی اور ظفری دونوں اچھل پڑے تھے اور معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر سعدی نے اچھلتے ہوئے کہا۔

"مار لیا پالا۔۔۔"

"کیسے۔۔۔؟"

"تعلق ظاہر ہو گیا۔ راحیل انور کا مسئلہ' اس کا مقصد ہے اوہو اوہو رضا ہاشمی اوہو۔ اوہو۔" مضطرب صاحب اچانک ہی اندر داخل ہوئے تھے انہوں نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"غالباً کوئی مصرعہ ہو گیا۔۔۔"

"آپ فوراً باہر نکل جائیے۔" ظفری نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"جی۔ میں اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکتا ہوں تو حاضر ہوں۔ مصرعہ اولیٰ کیا ہے؟"

جواب میں ظفری نے گھنٹی بجادی تھی۔ ٹیٹو فوراً ہی اندر آ گیا۔۔۔

"مضطرب صاحب کو اٹھا کر مصرعہ ثانی میں بند کر دو۔ میرا مطلب ہے کمرے میں بند کرو۔ اور اس وقت تک کوئی یہاں نہ آئے جب تک میں طلب نہ کروں۔" ظفری نے کہا مضطرب صاحب خود ہی باہر نکل گئے۔ ٹیٹو سے اچھی طرح واقف تھے وہ صرف احکامات کی تکمیل کرتا تھا۔ سعدی اور ظفری دیر تک اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ پھر دو بجے معمول کے مطابق ان خاتون کا ٹیلیفون موصول ہوا جو سعدی نے ریسیو کیا تھا۔

"میں نے وعدے کے مطابق ٹیلیفون کیا ہے۔ صبح گیارہ بجے بھی فون کیا تھا۔ دراصل میں یہ سب کچھ اس لئے کر رہی ہوں کہ آپ کو کسی وقت میری مدد کی ضرورت پیش آ جائے۔ تو آپ مجھے تلاش کرنے میں پریشان نہ ہوں۔۔۔"

"خاتون آپ سے بہت ہی اہم سوالات کرنے ہیں ہمیں۔ جواب دینا پسند کریں گی۔۔۔؟"

"جی کیوں نہیں۔۔۔"

"دیکھیں ہم نے اس سلسلے میں کافی کام کیا ہے۔۔۔ اور بہت مختصر وقت میں کافی کارآمد باتیں معلوم کر لی ہیں۔ آپ نے اگر واقعی یہ کیس حل کرانا ہے تو آپ کو یہ ڈرامائی کیفیت ختم کرنا ہو گی۔ ایک انسان کی زندگی کا سوال ہے۔ آپ اس سلسلے میں ہم سے بھرپور تعاون کریں۔"

جواب میں دوسری طرف کچھ دیر خاموشی طاری رہی پھر خاتون نے کہا۔

"میں نے آپ سے انکار کب کیا ہے۔ آپ فرمائیے میرے لائق کیا خدمت ہے میں حاضر ہوں۔"

"آپ براہ راست ملاقات نہیں کر سکتیں۔ مجھ سے۔۔۔"

"اس سلسلے میں کچھ دشواریاں حائل ہیں۔ براہ کرم مجھے اس کے لئے مجبور نہ کریں۔ کوئی ایسا ہی وقت اگر آ گیا کہ میرا آپ سے ملنا بے حد ضروری ہوا تو میں۔ تو میں حاضر ہو جاؤں گی۔"

"خیر ابھی آپ کو مجبور نہیں کیا جا سکتا لیکن اس بات کے امکانات بہت زیادہ ہیں کہ ہمیں آپ سے براہ راست گفتگو کرنا پڑے۔ خاتون میں پہلا سوال آپ سے یہ کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ ذاتی طور پر راحیل انور کو جانتی ہیں۔۔۔؟"

"جی ہاں۔۔۔"

"آپ کو اس بات کا علم ہے کہ وہ ایک انتہائی نادار اور پریشان حال انسان تھا۔۔۔؟"

"جی۔۔۔"

"اگر کسی ایسے شخص کو زندگی میں ہی سہارا دے دیا جائے میرا مطلب ہے اس کے برے وقت میں تو کیا یہ بہتر نہیں ہوتا جبکہ بعد میں آپ اس کی بے گناہی ثابت کرانے کے لئے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے خرچ کرنے پر آمادہ ہو گئی ہیں؟" اس سوال پر چند لمحات کے لئے پھر خاموشی طاری رہی اور اس کے بعد خاتون نے کہا۔۔۔

"یہ ایک ایسا ہی مسئلہ تھا جس کی وجہ سے اس وقت یہ نہیں ہو سکا۔۔"

"خیر یہ بات بھی چھوڑ دیئے۔ اب آپ ایک سب سے اہم سوال کا جواب دیجئے۔"

"جی۔۔۔"

"مسز ہاشمی سے راحیل کا کیا تعلق ہے۔۔۔؟" دوسری بار خاموشی طاری ہوئی جیسے خاتون کچھ سوچ رہی ہوں۔ پھر انہوں نے کہا۔

"میں نہیں جانتی۔۔۔"

"بہتر ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں۔ آپ اطمینان رکھیے گا۔ کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ لیکن آپ سے جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ایک یقینی عمل ہوگا یعنی آپ کو مجھ سے ملاقات کرنا ہوگی۔۔"

"جی میں نے اس سلسلے میں جو کچھ عرض کیا ہے اسے مدنظر رکھیں۔۔۔"

"اوکے۔ ویسے آپ کو شام کو ٹیلیفون کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کل دن میں گیارہ بجے فون ضرور کر لیجئے گا بلکہ بہتر ہے دو بجے ہی فون کریں۔ ہم لوگ کوشش کر رہے ہیں۔۔۔۔"

"جی بے حد شکریہ۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔ شکیلہ فون کے دوسرے حصے پر گفتگو سن رہی تھی جب ٹیلیفون بند کر دیا گیا تو اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"دراصل میں کچھ اور اندازے قائم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔"

"کیا۔۔۔" سعدی نے پوچھا۔

"میں اس آواز کے بارے میں یہ اندازہ لگا رہی تھی کہ یہ مسز ہاشمی کی آواز تو نہیں ہو سکتی۔" سعدی نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔۔۔

"میں بھی اسی سوچ میں گم تھا۔" پھر سعدی نے ٹیلیفون پر کسی کے نمبر ملائے اور جب نمبر مل گیا تو اس نے کہا۔۔۔

"فوق صاحب میں سعدی بول رہا ہوں۔۔۔"

"جی سعدی صاحب فرمایئے۔"

"فوق صاحب اتنا تو آپ ایک وکیل کی حیثیت سے کر سکتے ہیں کہ اس قتل کے بارے میں مکمل معلومات اور فائل وغیرہ حاصل کر لیں۔۔"

"بالکل کر سکتا ہوں۔۔۔ یہ سب کچھ کل تک کر لیا جائے گا۔۔۔"

"اس کے علاوہ مجھے پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی درکار ہے۔۔۔"

"وہ بھی حاصل ہو جائیں گی۔ ظاہر ہے ایک وکیل کو اس کے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے مجھے باقاعدہ راحیل انور کا وکالت نامہ بھرنا پڑے گا۔۔۔"

"یہ کام آپ کر ڈالیے۔ اخراجات کی بالکل فکر نہ کریں۔ بلکہ اگر کچھ ضرورت ہو تو لے لیں۔۔۔"

"نہیں۔ بعد میں حساب ہو جائے گا۔" فوق صاحب نے کہا۔ فوق صاحب سے یہ گفتگو کرنے کے بعد یہ لوگ اسی موضوع پر بہت دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔ ان کا نکتہ نگاہ یہی تھا کہ رضا ہاشمی یقینی طور پر اس سلسلے میں باقاعدہ ملوث ہے اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اس میں جھوٹ شامل ہے۔ مسز ہاشمی کا تعلق تو ظاہر ہو ہی گیا تھا چنانچہ اس کے بعد دو اہم امور طے ہوئے جن میں شکیلہ کو ہی عمل کرنا تھا۔ اسے ایک بار پھر راحیل انور کے گھر جا کر اس کی بہن لبنیٰ سے ملاقات کرنی تھی۔ اور مسز ہاشمی کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنی تھی۔ پھر اسے مسز ہاشمی سے بھی ملاقات کرنی تھی۔ دوسرے دن شکیلہ تو اس کام کے لئے روانہ ہو گئی۔ سعدی اور ظفری فوق صاحب کا انتظار کرنے لگے۔ فوق صاحب تقریباً بارہ بجے پہنچے تھے۔ بارہ بجے پہنچنے کے بعد انہوں نے اپنی کارروائی کی تفصیلات بتانا شروع کر دیں۔ فائل کی نقل حاصل کر لی گئی تھی یعنی سیکرٹری وردانہ نے جمال الدین خان کے دفتر میں قدم رکھا تو اس نے اس نوجوان کو دیکھا جس کا نام اسے بعد میں راحیل انور معلوم ہوا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور مسٹر جمال الدین خان قتل ہو چکے تھے۔ یہ تھی صورتحال اس کے بعد جمال الدین خان کے قتل میں راحیل انور کو گرفتار کر لیا گیا۔ پھر پوسٹ مارٹم رپورٹ دیکھی گئی اور پوسٹ مارٹم رپورٹ کی تفصیل پڑھ کر سعدی ظفری حیرت سے اچھل پڑے۔ انہوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔۔۔

"آپ نے محسوس کیا فوق صاحب پولیس کتنے لاپرواہانہ انداز میں ایسے کام سرانجام دیتی ہے۔۔۔"

"کوئی اہم نکتہ مل گیا مسٹر ظفری؟" فوق صاحب نے سوال کیا۔۔۔

"آپ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں صاف پڑھ سکتے ہیں کہ گولی سر کی پشت میں لگی ہے اور جمال الدین خان صاحب کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے جبکہ ان کے آفس میں داخل ہونے والے کا رخ سامنے ہی کی سمت ہو سکتا تھا یعنی اگر کوئی شخص اندر داخل ہوا اور اس نے کرسی پر بیٹھے ہوئے جمال الدین خان پر گولی چلائی تو یہ گولی اس کی پیشانی میں لگنی چاہیے تھی۔ جبکہ گولی سر کے عقب میں لگی ہے۔۔۔"

"اوہ ہاں نکتہ ہے۔ یقینی طور پر اہم نکتہ ہے۔"

"میرے خیال میں اس نکتے سے ہمیں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ ظفری میرے خیال میں مزید کوئی کوشش کرنا بیکار ہوگا۔ آؤ جمال الدین خان کے دفتر کا جائزہ لے لیا جائے۔" فوق صاحب خود بھی فارغ تھے۔ چنانچہ وہ بھی چل پڑے۔ جمال الدین خان صاحب کا میڈیکل ہاؤس ایک مصروف شاہرہ پر تھا۔ لیکن اس کا عقبی حصہ بالکل سنسان پڑا رہتا تھا۔ وہاں کچھ موٹر گیراج بنے ہوئے تھے لیکن اس جگہ سے کافی فاصلے پر درمیان میں ایک میدان سا تھا۔ اور اس آفس کے پیچھے ایک بڑی سی کھڑکی کھلتی تھی۔ جس سے کوئی بھی شخص گولی چلا کر اندر موجود آدمی کو قتل کر سکتا تھا۔ یہ ثبوت اور یہ تمام نظریات ان لوگوں کے لئے بڑے معاون ثابت ہوئے۔ اور وہ اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ کوئی بھی شخص عقب سے یہ کام کر سکتا تھا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں اس فاصلے کا بھی تعین کیا گیا تھا جو گولی چلانے کے سلسلے میں درمیان میں تھا اور اس سے یہ بات بالکل ہی ثابت ہوگئی کم از کم راحیل انور نے جمال الدین خان پر گولی نہیں چلائی۔ بعد میں جب یہ لوگ واپس پہنچے تو خاصہ وقت ہو چکا تھا۔ شکیلہ دوپہر کا فون بھی نہیں موصول کر پائی تھی۔ اور تقریباً اسی وقت دفتر پہنچی تھی جب یہ لوگ یہاں آئے تھے۔ سعدی اور ظفری سوالیہ نگاہوں سے شکیلہ کو دیکھنے لگے۔ تو شکیلہ نے کہا۔

"میں جب بھی کوئی کام کرتی ہوں اس کی کوئی نہ کوئی حیثیت ہوتی ہے۔۔۔"

"یقیناً میڈم آپ کو جاسوس اعظم تسلیم کرلیا گیا۔ اب جلدی سے وہ انکشافات فرما

دیجیے جو اس کیس میں جان ڈال دیں۔" ظفری کہنے لگا اور شکیلہ پر خیال انداز میں گردن ہلاتی ہوئی بولی۔۔۔

"یوں سمجھ لیجیے کہ معمہ حل ہی ہوگیا ہے۔۔۔"

"گڈ وری گڈ۔۔ کس طرح حل ہوا۔۔۔؟" سعدی نے سوال کیا۔

"سب سے پہلے میں راحیل انور کے گھر پہنچی۔ ان لوگوں کی حالت قابل دید ہے۔ دونوں لڑکیاں گھٹی گھٹی سی ہیں ماں بھی بار باران سے سوال کر رہی ہے۔ کہ ان کے خاموش اور پریشان ہونے کی وجہ کیا ہے۔ لیکن ابھی تک ماں کو انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔ مجھ سے رو رو کر درخواست کر رہی تھی کہ ان کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے ان کی مدد کی جائے ان کے بھائی کو رہا کرانے کی کوششیں کی جائیں۔ میں نے بہت تسلی دی ہے انہیں اور یہ کہا ہے کہ میں انتہائی کوشش کروں گی اس سلسلے میں۔۔"

"ٹھیک۔ آگے۔"

"اس کے بعد میں نے ان سے وہی البم طلب کیا اور اسے دوبارہ دیکھنے لگی۔ البم میں وہ تصویر موجود تھی۔ اور اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ تصویر اب سے کم از کم پانچ چھ سال پہلے کی ہے۔ تب میں نے لبنیٰ سے اس تصویر کے بارے میں سوال کیا۔ تو اس نے اس کے لئے اہم انکشافات کیے۔ تصویر والی خاتون کا نام شمسہ حسین ہے۔ اور یہ خاتون راحیل انور کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی تھیں۔ ان کے اور راحیل انور کے درمیان گہرے مراسم تھے اور دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ بعد میں ان خاتون کی شادی ہوگئی اور اس کے بعد سے راحیل انور ذہنی طور پر بہت زیادہ مضمحل ہوگیا۔ اس کے ہونٹوں پر بعد میں کبھی مسکراہٹ نہیں دیکھی گئی۔ پھر گھریلو مسائل نے اسے اپنے آپ میں الجھالیا اور اس طرح یہ سلسلہ تقریباً ختم ہی ہوگیا۔ یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد مجھے یہ تصدیق ہوگئی کہ اس سلسلے میں مسز ہاشمی کا کوئی اہم کردار ہے۔ اور پھر مسٹر ہاشمی کو ان کے ٹیلیفون کرنے کے بعد یہ یقین کرکے کہ وہ دفتر ہی میں مصروف ہیں ان کے گھر پہنچ گئی۔ اور آج میں نے شمسہ ہاشمی سے ذرا مختلف انداز میں سوالات کیے۔ میں نے

ان سے کہا کہ مسز ہاشمی بہت سے معاملات منظر عام پر آ چکے ہیں۔ اور آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ آپ اپنے بہت عزیز دوست کی موت کا انتظار کریں۔ اور اس سلسلے میں خاموشی اختیار کریں۔ بہتر ہے کہ مجھے اپنے اور ہاشمی کے معاملات سے آگاہ کر دیں۔ مسز ہاشمی رو پڑی تھیں۔ وہ سسکتی رہی اور اس کے بعد اس نے کہا۔"

"سنیئے میں شام کو آٹھ بجے تک کی مہلت چاہتی ہوں۔ آج مسٹر ہاشمی ایک میٹنگ میں شریک ہیں اس لئے آٹھ بجے وہ یہاں موجود نہیں ہوں گے۔ آپ ٹھیک آٹھ بجے مجھ سے ملاقات کر لیں۔ میں اس وقت آپ کو بہت کچھ بتا سکوں گی۔۔۔"

"پھر؟" ظفری نے سوال کیا۔۔۔

"اس کے بعد مجبوری تھی۔ انہوں نے اس وقت سب کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ البتہ ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہتے رہے تھے۔" سعدی' ظفری اور شکیلہ دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے۔ بہر طور اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ آٹھ بجنے کا انتظار کیا جائے۔ تینوں ہی وہاں پہنچے تھے۔ شکیلہ کو اندر بھیج دیا گیا تھا' شکیلہ تقریباً بیس منٹ کے بعد واپس آئی۔ تو اس کے پاس ایک لفافہ اور ایک ٹیپ ریکارڈر کا کیسٹ تھا۔۔۔

"خاتون نے یہ دونوں چیزیں مجھے دی ہیں اور کہا ہے کہ ان کا جائزہ لے لیا جائے۔ صورتحال واضح ہو جائے گی۔" سعدی اور ظفری پریشان ہو گئے تھے۔ نجانے اس کیسٹ میں کیا ہے فوری طور پر اسے سننا ضروری تھا۔ لیکن ان کے پاس کوئی بندوبست نہیں تھا۔ بحالت مجبوری دفتر ہی واپس آنا پڑا۔ ٹیٹو دفتر ہی میں رہتا تھا۔ چنانچہ کوئی دقت نہیں ہوئی۔ فوری طور پر ٹیپ ریکارڈر نکال کر کیسٹ اس میں لگایا گیا اور روائنڈ کیا جانے لگا۔ وہ لوگ کافی متجسس تھے شکیلہ نے لفافہ کھولنے کی کوشش کی تو سعدی نے اسے روک دیا۔ تاکہ پہلے ایک کام ہو جائے۔ کیسٹ پر ایک فلمی گانا سنائی دینے لگا۔ اور تقریباً تیس سیکنڈ کے بعد وہ بند ہو گیا۔ پھر ایک آواز ابھری۔۔۔

"ہیلو شمسہ کیا ہو رہا ہے؟"

"تمہیں ایک خوشخبری سنانی تھی۔۔۔"

"کیا بات ہے رضا؟" دوسری آواز سنائی دی۔

"میرا خیال ہے شمسہ آج میرے اور تمہارے درمیان یہ سرد جنگ ختم ہو گئی۔ میں کوشش کروں گا کہ آئندہ تمہیں میری ذات سے کوئی تکلیف نہ ہو۔ تمہیں بھی یہی عمل دہرانا چاہئے۔۔۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو رضا ہاشمی۔۔۔؟"

"شمسہ میں نے راحیل انور کا کھیل ختم کر دیا ہے۔ میں نے اس کردار کو ہمیشہ کے لئے روئے زمین سے ہٹا دیا ہے جو میرے اور تمہارے درمیان مخالفت کی وجہ بنا رہتا تھا۔۔۔"

"کیا؟" نسوانی چیخ سنائی دی۔۔

"ہاں۔۔"

"تت۔۔ تو کیا۔ تو کیا تم نے۔۔۔ تم نے اسے قتل کر دیا۔۔۔؟"

"نہیں میں نے اسے قتل نہیں کیا۔ وقت اسے خود بخود قتل کر دے گا۔۔۔"

"آہ رضا۔ تم کیوں اس بیچارے کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ کیا میں تمہیں اس بات کا یقین نہیں دلا چکی کہ میرا اور اس کا اب کوئی واسطہ نہیں ہے۔۔۔"

"اسی بات پر تو میں نے یقین نہیں کیا شمسہ۔ اگر اس بات پر یقین آ جاتا تو شاید ہمارا طرز زندگی مختلف ہوتا۔۔۔"

"مرد کے بارے میں میرا نظریہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ شکی اور کوئی نہیں ہوتا۔ تم نے رضا ہاشمی میری زندگی تلخ کر کے رکھ دی ہے۔ کیا کیا ہے تم نے اس بیچارے کے ساتھ مجھے بتاؤ تو سہی۔۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔ بس اس بیچارے سے ایک قتل ہو گیا ہے۔ اور میں نے اسے اس قتل کے الزام میں گرفتار کرا دیا ہے۔۔۔"

"قتل۔۔۔ راحیل انور سے۔۔۔ جھوٹ بولتے ہو۔۔۔ بالکل نہیں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ تو۔ وہ تو اتنا نرم مزاج انسان ہے کہ کسی جانور کو بھی نہیں مار سکتا۔۔۔"

"ضروری تو نہیں تھا کہ یہ قتل وہ خود کرتا۔ قتل کسی نے بھی کیا ہو لیکن قاتل وہی قرار پائے گا۔ میں نے اس کا معقول بندوبست کردیا ہے۔۔۔"

"تم۔۔۔تم۔۔۔وحشی ہو۔۔۔تم وحشی ہو۔۔۔۔یہ نہیں کرنا چاہیے تھا تمہیں۔۔۔۔ہیں آہ میں۔۔۔میں اس کے لئے کیا کروں۔۔۔"

"اس کے لئے تم اب بھی کچھ نہ کچھ کرنا چاہتی ہو اور کہہ رہی ہو کہ تمہارے اور اس کے رابطے ختم ہوگئے ہیں۔۔۔۔"

"تم بہت کمینے انسان ہو رضا ہاشمی۔۔۔۔تم بہت کمینے انسان ہو۔ بہت برا کیا ہے تم نے۔۔۔۔بہت برا کیا ہے۔۔۔آہ مجھے مجھے۔۔۔۔۔۔اس کی زندگی لینے کا تو کوئی حق نہیں تھا میری وجہ سے صرف میری وجہ سے اس کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا۔" اس کے بعد صرف رونے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔

اور یوں یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ لیکن ان سب کے چہرے متجسس نظر آرہے تھے۔ یہ رضا ہاشمی اور اس کی بیوی کے درمیان ہونے والی گفتگو تھی۔ کیسٹ بند کرنے کے بعد لفافہ کھولا گیا اور اس سے ایک کاغذ برآمد ہوا۔۔۔۔

"دوستو تم لوگ اس سلسلے میں جو کچھ کررہے ہو مجھے اس کا پورا پورا علم ہے۔ یہ کہانی تمہیں میری ہی زبانی سننے کو مل رہی ہے۔ سنو میرا نام شمسہ حسین ہے۔ درمیانے درجے کے گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ یونیورسٹی میں مجھے ایک نوجوان سے محبت ہوگئی۔ اس کا نام راحیل انور تھا۔ اس سے محبت کرنے والی ایک اور لڑکی بھی تھی جس کا نام دردانہ احمد ہے۔ لیکن راحیل انور مجھ سے متاثر تھا۔ ہم دونوں بے پناہ پیار کرتے تھے ایک دوسرے سے۔ لیکن تقدیر ہمارے آڑے آئی۔ رضا ہاشمی نے مجھے میرے والدین سے حاصل کرلیا اور میری مرضی کے خلاف میری شادی اس سے کردی گئی۔ میں اس کے ساتھ انصاف نہ برت سکی جس کی بنا پر وہ مشکوک ہوگیا اور اس نے میرے بارے میں معلومات حاصل کرنا شروع کردیں۔ راحیل انور ایک غریب نوجوان تھا۔ رضا ہاشمی کو اس کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوگئیں اور میں نہیں جانتی کہ رضا ہاشمی نے کیسے اس پر قابو

پالیا۔ لیکن لیکن اس نے اس نے راحیل انور کو مصیبت میں گرفتار کرادیا۔ میں بہت پریشان تھی بہت سوچتی رہی تھی اس دوران کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں مشرق کی ایک روایتی عورت ہوں۔ اپنے شوہر کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔ لیکن راحیل انور کے بارے میں جب بھی سوچتی تو مجھے احساس ہوتا کہ اس کے ساتھ صرف زیادتی ہوئی ہے۔ اور بالآخر میں نے فیصلہ کرلیا کہ اس زیادتی کا ازالہ کردیا جائے۔ یہ گفتگو جو کیسٹ میں ریکارڈ ہے بالکل اتفاقیہ طور پر ریکارڈ ہوگئی۔ مجھے ریڈیو سے فلمی گانے کیسٹ پر ریکارڈ کرنے کا شوق ہے۔ یہی سب کچھ کررہی تھی اس وقت کہ رضا ہاشمی اچانک ہی آگیا۔ اور اس نے مجھ سے گفتگو شروع کردی۔ لیکن اس وقت یہ گفتگو میرے بڑے کام آرہی ہے میں راحیل انور کی زندگی بچانا چاہتی ہوں میں نے اس کی دوسری ساتھی لڑکی یعنی دردانہ کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ آپ لوگوں سے رابطہ قائم کرکے راحیل انور کی زندگی کے لئے کوشش کرے میں نے اسے رقم بھی فراہم کردی لیکن اب جبکہ مجھے اس بات کی امید ہوچکی ہے کہ رضا ہاشمی اپنے کئے کی سزا پائے گا اور راحیل انور کو بہتر زندگی ملے گی تو میں سمجھتی ہوں کہ میرا اب اس دنیا میں رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ چنانچہ اب جب تم دوبارہ مجھ تک پہنچ گے تو میں خودکشی کرچکی ہوں گی۔ میں دنیا پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی کہ میں ایک پاکباز مشرقی عورت نہیں ہوں اپنے شوہر کو میں نے صرف اس لئے سزا دلوانا چاہی ہے کہ اس نے ایک بے گناہ کو مصیبت میں پھنسایا ہے۔ راحیل کو میری وجہ سے عذاب کا شکار نہیں ہونا چاہیے تھا۔ دردانہ سے آپ لوگ ملاقات کرسکتے ہیں۔ ساری صورتحال اسے بتا دیجئے گا اور اس سے کہہ دیجئے گا کہ وہ راحیل کی زندگی میں شامل ہوجائے مجھے خدا کی ذات سے پوری طرح امید ہے۔ کہ راحیل بے گناہ ہے وہ یقیناً سزا سے بچ جائے گا۔"

لوگوں کی کوششیں بھی شامل ہونی چاہئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی راحیل کو میرا یہ خط دکھا کر اسے وصیت کردیجئے گا کہ وہ دردانہ سے شادی کرلے اور خوش رہے۔ میرے لئے یہ دنیا ہمیشہ سے تنگ تھی چنانچہ میں آزادی حاصل کررہی ہوں۔ شمسہ ہاشمی۔" بڑا سنسنی خیز خط تھا اور اس کے بعد خاموشی بے معنی تھی لیکن سعدی، ظفری احمق نہیں تھے کہ فوراً ہی رضا ہاشمی کے گھر کی جانب

دوڑتے۔ انہوں نے سب سے پہلے ایس پی سرفراز صدیقی سے رابطہ قائم کیا جن سے ان کی گہری شناسائی تھی اس کے بعد فوق صاحب کو بھی طلب کر لیا اور پھر ساری تفصیلات ان لوگوں کو بتانے کے بعد وہ لوگ رضا ہاشمی کی کوٹھی پہنچے تھے۔ رضا ہاشمی کی کوٹھی میں ملازمین بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔ غالباً شمسہ ہاشمی نے خودکشی کر لی تھی۔ رضا ہاشمی کی کار اس وقت گھر میں ہی نظر آ رہی تھی۔ جب یہ لوگ اندر پہنچے تو رضا ہاشمی' شمسہ کا سر گود میں لئے بیٹھا ہوا تھا اس پر عجیب سی کیفیت طاری تھی اس نے کہا۔۔۔۔

"شمسہ نے خودکشی کر لی۔ میری شمسہ مر گئی۔ ہاں میں اسے بہت زیادہ چاہتا تھا۔ میں جانتا ہوں اس کی موت کی وجہ کیا ہے۔ آہ میں جانتا ہوں اس کا قاتل میں ہی ہوں دو قتل کئے ہیں میں نے۔ ایک اپنے دوست جمال الدین خان کا اور دوسرا شمسہ کا۔" رضا ہاشمی پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ بہر طور اسے تحویل میں لے لیا گیا۔ باقی معاملات بعد میں سامنے آ گئے تھے۔ رضا ہاشمی نے بیچارے راحیل انور کو ملازم رکھا اور اس کے بعد اپنی سازش کے تحت اس نے جمال الدین خان کے دفتر بھیجا جس کا اسے بہت بڑا قرض ادا کرنا تھا۔ پھر خود بھی پیچھے سے وہاں پہنچ گیا اور عقب سے جمال الدین خان کو گولی مار دی۔ اور اس کا الزام براہ راست راحیل انور پر آ گیا۔ اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا تھا۔ چنانچہ عدالت کو فوری طور پر راحیل انور کی رہائی کا حکم نامہ جاری کرنا پڑا۔

اس کے بعد کے حالات جاننے کے لئے
"کاٹھ کا اُلو" پڑھیں